اسلامی تقاریب

★

مرتبہ

غلام دستگیر رشید

لکھنے والے

مولانا عبدالماجد دریابادی
مولانا مناظر احسن گیلانی
مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
مولانا ابوالکلام آزاد
ڈاکٹر ذاکر حسین
قاضی محمد سلیمان منصورپوری
ڈاکٹر حمید اللہ
حبیب الرحمٰن خان شروانی
علامہ سر محمد اقبال ؒ

اردو اکیڈمی سندھ مشن روڈ کراچی

اسلامی تقاریب

لکھنے والے

مولانا عبدالماجد دریاآبادی
مولانا ابوالکلام آزاد
ڈاکٹر ذاکر حسین
محمد حبیب الرحمٰن خاں شیروانی
مولانا مناظر احسن گیلانی
مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
علامہ سر محمد اقبال
قاضی محمد سلیمان منصورپوری
ڈاکٹر حمید اللہ
مولوی محمد اسحاق
مولوی عبدالرحمٰن خاں

مرتبہ

غلام دستگیر رشید

ناشران

اُردو اکیڈمی سندھ
مشن روڈ۔ کراچی

اُردو مرکز
گنپت روڈ۔ لاہور

MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No. 092282
MAILSI

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

مطبوعہ ـــــــ مشہور آفسٹ لیتھو پریس کراچی

طبع اوّل ہندوستان ـــــــ ۱۹۴۵ء

طبع دوم پاکستان ـــــــ ۱۹۵۲ء

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

قیمت

چار روپے

Masood Faisal Jhandir Library

اسلامی تقاریر

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں
عیدِ محکوماں ہجومِ مومنیں

اقبالؒ

فہرست

اسمائے تقاریب	اسمائے مضمون نگار صاحبان	صفحہ	تواریخ تقاریب
تقریب	مولوی غلام دستگیر صاحب رشید ایم۔ اے لکچرار نظام کالج حیدرآباد دکن		
اسلامی تقاریب کی اہمیت	مولوی محمد اسحاق صاحب بی۔ ایس۔ سی، ڈپ۔ ایڈ (عثمانیہ)		
نئے سال کا استقبال	مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی	۱۷	
یوم جمعہ	مولوی غلام دستگیر صاحب رشید ایم۔ اے، پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن	۲۰	
یومِ فاروق رضؓ	مولوی غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے۔ پروفیسر نظام کالج حیدرآباد دکن	۲۸	یکم محرم الحرام

خطابۂ الم و توصیہ شہادت	مولانا ابو الکلام آزاد	۳۲	
ذکرِ حسین رض	ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ دہلی	۵۹	
یومِ مجدد الف ثانی	محمد حبیب الرحمٰن خاں شیروانی صدر یار جنگ بہادر صدر الصدور ممالک محروسہ سرکار عالی حیدر آباد	۷۲	۲۸ صفر
میلاد النبی العالم	مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ	۹۲	ابتدا تا آخر ماہ
تقریب میلاد مبارک		۱۰۰	ربیع الاول
عید میلاد	مولوی ابو الاعلیٰ صاحب مودودی	۱۲۷	
محفل میلاد النبی اور اقبال رح	علامہ اقبال رح	۱۳۷	
ذکر محبوب (حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی رض)	مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی صدر یار جنگ بہادر صدر الصدور ممالک محروسۂ سرکار عالی حیدر آباد دکن	۱۴۳	ربیع الثانی
یوم صدیق رض	نواب صدر یار جنگ بہادر	۱۷۲	۲۲ جمادی الثانی
حضرت خواجہ معین الدین رح	غلام دستگیر رشید پروفیسر نظام کالج حیدر آباد دکن	۱۹۲	عرس ۶ رجب

معراج اور اسرار معراج	مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ	۱۹۸	
معراج کی رات	مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی	۲۰۸	
معراج النبی	قاضی محمد سلیمان صاحب منصورپوری مصنف رحمۃ للعالمین	۲۱۶	۲۷ رجب المرجب
شب برات	مولانا عبدالماجد دریاآبادی	۲۲۶	۱۴ شعبان المعظم
یوم فتح مکہ	مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی	۲۳۴	۲۰ رمضان المبارک
یوم فتح مکہ	ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ	۲۴۷	
یوم علیؓ	مولانا مناظر احسن گیلانی	۲۵۶	
عید الفطر	مولانا ابوالکلام آزاد	۲۶۶	یکم شوال المکرم
عید الفطر	مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی	۲۹۱	
عید قرباں	مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی	۳۰۱	۱۰ ذی الحجہ
یوم عثمان غنی رضی اللہ عنہ	مولوی عبدالرحمن خاں صاحب	۳۱۰	۱۸ ذی الحجہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب

از مولوی غلام دستگیر صاحب رشید

کبھی حیرت، کبھی مستی، کبھی آہِ سحر گاہی!

بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا دردِ مہجوری

اس مجموعہ میں ان مجالس اور اجتماعات کے متعلق مشاہیرِ اسلام کے خطبات اور مقالات کا انتخاب ہے جنھیں مسلمان کسی نہ کسی مذہبی عنوان سے منعقد کرتے ہیں، بعض محفلیں ایسی ہوتی ہیں جو اسلامی احکام کی تعمیل میں آراستہ کی جاتی ہیں، جیسے عیدین وغیرہ۔ بعض اجتماعات اسلامی تعلیمات کی ہر موقع خاص تشریح کی غرض سے اور مسلمانوں کے اجتماعی مصلحتوں کی بدولت ظہور پاتے ہیں، جیسے میلادالنبی، شب برات، مجالسِ شہادت وغیرہ۔

عموماً ایسی اہم محفلوں میں اسلام کے ترجمان اور مشاہیر تقریریں کرتے ہیں مسلمانوں کے اخبار و رسائل وقت کی مناسبت سے اِن مباحث پر دلنشیں مضامین لکھتے اور خاص نمبر نکالتے ہیں۔

ایسے بھی کسی قوم کی اجتماعی زندگی کو سمجھنے اور کسی مذہب کی مجموعی قدر و قیمت، اور حسن و توازن کا اندازہ لگانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ قوم کے اجتماعی تقاریب اور مذہبی تہواروں کا بھی جائزہ لیا جائے، ان کی روح سمجھی جائے، ان کے قالب کے اجزاء

اُن کا باہمی تناسب اور توازن پیشِ نظر ہو ان کے مقاصد اور ان کی تکمیل کے ذرائع کی نوعیت پر نگاہ ہو۔ شاہدِ چمن کا ایک طرفہ نظارۂ چشم کو "تنگ ہی رکھتا ہے۔ چشمِ تنگ' وا کرنے کے لئے کامل نظارہ کی ضرورت ہے۔ ؎

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جُدا جُدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے

اسلامی تقاریب کا عالمانہ مُطالعہ اِسلامی نظامِ تمدن کے خاص پہلو اور تہذیبِ ایمان کی خوبیوں کو اور زیادہ اُجاگر کرتا ہے۔

اسلامی تہذیب کا کمال اور اس کا جامع تصور بے نقاب ہوتا ہے، فضیلتِ اسلام کا ایک نیا باب کھُلتا ہے۔

ایک بے مایہ خادمِ اسلام کی حیثیت سے مجھے بھی اکثر مجالس میں ایک عرصہ سے حصّہ لینا پڑا ہے۔ اپنے استفادہ اور دوسروں تک برجستہ اسلامی حقیقتیں پہنچانے کے لئے ایسے کثیر مقالات کا مطالعہ کرنا پڑا اس مطالعہ سے مجھ پر واضح ہوا کہ مذہب کی صداقتوں کی دلنشین تفہیم اور تبلیغ کے لئے یہ ایک سودمند طریقہ ہے نفسیاتی اعتبار سے یہ زیادہ جذب و کشش رکھتا ہے کہ اجتماعی تقریب احساسات کو تیز کرتی ہے اور ذہنوں میں خاص توجہ پیدا کرتی ہے وقت پر عام و خاص اس موضوع کے تعلق سے مفید ایمان پرور قوال سُننے پر مائل رہتے ہیں کسی ایسے دن اخبارات میں خصوصی مضمون ہوتا ہے تو وقت کی مناسبت سے ایک نظر ڈال لیتے ہیں، اب ریڈیو بھی اس کا ایک دلچسپ ذریعہ بن گیا ہے اس کی نفسیاتی کشش سے ہمیں کیا کام لینا ہے؟ ایسے موقع پر ان تقاریب کے اصلی مقاصد سارے ممکنہ ذرائع سے ذہن نشین کرنا ہے، اجتماع ہیجان سوم

کا مظاہرہ نہیں ہے ان سے اپنے اعلیٰ مشن میں تازگی عمل میں تیزی جذبات میں فرحت معلومات میں وسعت خیالات میں مزید رفعت پیدا ہو، عمل کی رفتار بڑھے، زندہ دلی زندگی کی نشانی ہے محل و موقع کی خصوصیت ذہن میں نہ رہے تو بہترین موقع اور وقت ضائع ہو جاتا ہے، یہ تقاریب روح کو تازہ کرنے کے لئے ہیں نہ کہ عادات مردہ کی موقع بے موقع تکرار کے لئے:۔

یہ مصرعہ لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا

مواقع کی اہمیت مقالات کی قدر و قیمت اور عام دلچسپی کو دیکھ کر مدت سے خیال تھا کہ دیگر موضوعات کی طرح اس دلچسپ موضوعات کے مطالعہ میں بھی دوسرے دلچسپی رکھنے والے حضرت کو اپنے ساتھ شریک کرلوں۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

بحمد اللہ اُردو اکیڈمی سندھ کراچی نے اس کی اشاعت کا بیڑہ اُٹھایا ہے، اور آپ کے ہاتھوں میں یہ دولت پہنچا رہا ہے۔

کیا عجب میرے نواہائے سحرگاہی سے
زندہ ہو جائے وہ آتش کہ تیری خاک میں ہے

نیاز آگیں
رشید

اسلامی تقاریب کی اہمیت

(مولوی محمد اسحاق صاحب بی۔ایس۔سی، ڈپ ایڈ (عثمانیہ)

دُنیا کے تمام مذاہب میں ہر سال مختلف تقریبیں منانے کا طریقہ قدیم سے چلا آرہا ہے، ہر قوم وملت کے افراد اپنی تقاریب کو نہایت خوشی اور مسرت سے مناتے ہیں بلکہ بعض اوقات دیگر مذاہب کی تقاریب میں شرکت کو اپنی محبت اور عقیدت کے اظہار کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ غرض تقاریب کو اجتماعی اور قومی حیثیت سے خاص اہمیت حاصل ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہر قوم اپنے سال بھر کے تہواروں کی حقیقت سے واقف رہے تاکہ ان سے کماحقہٗ استفادہ ہو سکے۔

خصوصاً مذہبِ اسلام نے جو تقریبیں مثلاً جمعہ حج عیدین اور شب ہائے مبارکہ وغیرہ مقرر کی ہیں وہ ہر حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ تاریخ اسلام گواہ ہے کہ ان مواقع سے مسلمانوں میں تنظیم، اخوت اور مودّت کے کیسے زبردست کام لئے گئے۔ لیکن آج ان میں نہ کوئی زندگی باقی ہے اور نہ ان سے کچھ بہات طے پارہے ہیں۔ اگر قوم کو پھر ایک دفعہ یہ منظور ہو کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت اپنی اخوت اور اپنی تنظیم کو دوبارہ زندہ کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان اجتماعات میں پھر سے جان پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

اگر آپ تنظیم اور اتحاد کی خاطر کلب قائم کرتے اور جلسوں کا انعقاد عمل میں لاتے ہیں تو کیا اس سے بہتر یہ نہ ہوگا کہ آپ ان تقاریب سے استفادہ کریں۔ کیا جمعہ کے اجتماع

میں اپنے شہر یا کم از کم محلہ کے تنظیمی مسائل طے نہیں پا سکتے؟ کیا محرّم کی مجلسوں کے ذریعہ آپ مسلمانوں کو یزید کے بجائے طاغوتی قوتوں کے خلاف نہیں اُبھار سکتے اور کیا شب ہائے مبارکہ کے ذریعہ ان کو عبادت و تقویٰ کی ترغیب نہیں دلائی جا سکتی؟ اور کیا عیدین کے ذریعہ ان کے باہمی اختلافات کو دور کر کے ان میں محبت و خلوص پیدا نہیں کیا جا سکتا؟

علاوہ ازیں صحابہ کرامؓ اور بزرگانِ دین کے اُسوہ کو بھی ہرگز نہیں بھلایا جا سکتا ان کی یاد میں سالانہ جلسے منانے کا مسلمانوں میں عام طور پر رواج ہے، ان کے اُسوہ اور ان کی اِسلامی خدمات کو پیش کر کے کیا مسلمانوں کو عمل کی ترغیب نہیں دلائی جا سکتی؟ جن حضرات کو اپنے اپنے حلقہ میں اثر حاصل ہے وہ اِن بیش قیمت مواقع پر مقررہ تاریخوں میں جلسوں کا انعقاد کریں اور مسلمانوں کو جمع کر کے ان کے سامنے مشاہیرِ اسلام کے اُسوہ کو پیش کریں تاکہ ان کے اخلاق و کردار اسلامی سانچہ میں ڈھل سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ بہت مؤثر طریقہ ہے۔ موقع کی اہمیت اور تقدس کی وجہ سے نفسیاتی طور پر بہتر اور دیرپا اثرات مرتب ہونے کی توقع ہے۔ اسلام نے مذہبی حیثیت سے بھی ایسے موقعوں کو خاص اہمیت دی ہے اور جو تقدس اور روحانیت ان میں موجود ہے وہ فسٹ اپریل یا دیوالی و ہولی میں ہرگز نہیں، اگر آپ اسلامی تقاریب کا مقابلہ دیگر مذاہب کی تقاریب سے کریں تو آپ پر اسلام کے معاشی و معاشرتی اور اخلاقی نظامات کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی اور آپ انکو قومی تنظیم کا ایک زبردست آلہ تسلیم کریں گے و نیز واضح ہو جائے گا کہ یہ تقاریب محض رسوم و رواج یا لہو و لعب کے لئے نہیں مقرر کی گئی ہیں بلکہ اِن میں ماضی کے زبردست حوادث اور اکابر کے

عظیم الشان کارنامے پنہاں ہیں۔

ہم کو اپنی اسلامی تقاریب کے بارے میں ایک بات ضرور یاد رکھنی چاہیئے کہ ان تقاریب کا مقصد میلے ٹھیلے چراغاں جلوس اور فضول نمائشی کام ہے اور نہ عیش و عشرت کا پیام:-

پیامِ عیش و مسرّت ہمیں سُناتا ہے
ہلالِ عید ہماری ہنسی اُڑاتا ہے ‏ اقبالؒ

یہ ہماری عظمتِ رفتہ کی یادگاریں ہیں جن میں ہم اپنی تاریخ کے ایسے اہم واقعات یا اشخاص کی یاد کو تازہ کرتے ہیں جنھوں نے خدا کے پیغام کو بنی نوعِ انسان تک پہنچایا یا دُنیا سے ظلم و ستم کو دور کر کے عدل و انصاف اور سلامتی کی حکومت قائم کی یہی کام اب بھی مُسلمانوں کو کرنا ہے۔

کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ ۞) ان تقاریب کے موقعوں پر مسلمانوں کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے تاکہ وہ اپنے فرض کو محسوس کریں اور پھر اس کی ادائی کے لئے اس طرح تیار اور مستعد ہو جائیں جس طرح مجاہدینِ اسلام نے اپنے کو فنا اور قربان کر دیا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

نئے سال کا استقبال

(از مولوی عبد الماجد صاحب دریا آبادی)

اپریل کا مہینہ ابھی تو چل رہا ہے۔ مہینہ کی پہلی تاریخ آپ کو یاد ہے؟ دشمنوں اور مخالفوں کا ذکر نہیں۔ دوست دوستوں کو بنا رہے ہیں، دلگی کر رہے ہیں، ستا رہے ہیں، ایک دوسرے پر مضحکہ کر رہے ہیں، جعلی تار دے رہے ہیں، اخبار میں جھوٹی خبریں شائع کر رہے ہیں۔ پارسلوں کے تحفے ایسے بھیج رہے ہیں کہ پانے والا جھینپ جائے خفیف ہو کر رہے، دوسروں کی شرمندگی، سب کی پریشانی آج وجہ مسرت ہے، موجبِ تفریح ہے۔ عزیز عزیزوں پر ہنسیں گے، دوست دوستوں کا خاکہ اڑائیں گے۔ انگلستان، اسکاچستان، فرانس غرض فرنگستان اور اس کی تقلید میں ہندوستان میں آج ...... (ALL FOOL DAY) یوم الحمقاء منایا جا رہا ہے۔ اپنے دوستوں مہربانوں کی جماعتوں کو چھانٹ چھانٹ کر اُچھالا جا رہا ہے۔ آفتاب آج اپنے سالانہ دورے میں موسمِ بہار کے نقطۂ اعتدال میں داخل ہوا ہے اور اس کی مسرّت میں اس جشنِ حماقت کو فرنگی تہذیب نے اور کہتے ہیں کہ مسیحی مذہب نے بھی بوڑھوں، جوانوں، بچّوں، مردوں، عورتوں سب کے لئے جائز کر دیا ہے اور اس پر مہر تصدیق لگا دی ہے!

"محققین" یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ پہلے سنہ عیسوی کی ابتدا بجائے پہلی جنوری کے ۲۵۔مارچ سے ہوتی تھی' اور آٹھ دن پورے "زندہ دلی" کے لئے وقف رہتے تھے چنانچہ یہ پہلی اپریل اسی اٹھواڑہ کی آخری تاریخ ہے۔

ہولی کا بھی تو زیادہ زمانہ نہیں گذرا وہ اپریل نہیں' مارچ سہی۔کیا کیا آنکھوں کو دیکھنا پڑا تھا؟ کیا کیا کانوں کو سُننا پڑا تھا! پچکاریاں رنگ سے بھری ہوئیں ایک دوسرے پر چل رہی ہیں۔اچھی خاصی شکلیں "ہیولیٰ" بنی جارہی ہیں۔چہرے سیاہ' اُجلے اُجلے بُراق کے سے کپڑے آناً فاناً رنگ سے شرابور! شراب کی دعوتیں ہورہی ہیں' ناچ' راگ' سوانگ زور پکڑ رہے ہیں۔گالیاں بکی جارہی ہیں' گیت ایسے ایسے فرمائشی گائے جارہے ہیں کہ شرم وحیا کی آنکھیں نیچی ہوئی جارہی ہیں۔ چھپ چھپا کر نہیں' سب کچھ سڑکوں پر بازاروں میں' میدانوں میں کھلے خزانے ہورہا ہے۔بڑے بڑے پڑھے لکھے عالم فاضل' اس جماعت میں سب ننگے.....

.......پھاگن کی پورن ماشی سے آفتاب برج حمل میں آگیا۔سورج دیوتا کی ماننے والی سب قومیں رومی ہوں یا ہندی مذہباً مسیحی ہوں یا ہندو' موسم بہار کا جشن یوں مناتی ہیں۔نفسِ انسانی کو خوب کھیل کھیلنے کا موقع دیتی ہیں۔انھیں رنگ رلیوں کا' انھیں سرمستیوں کا نام مشرکانہ تہذیبوں میں زندہ دلی ہے' تفریح ہے' خوش وقتی ہے'!

نئے سال کا استقبال دوسری قوموں میں آپ دیکھ چکے؟ خوشی کے موسم کی پیشوائی کا حال آپ نے دُنیا کی مہذب شائستہ قوموں میں ملاحظہ کرلیا؟ سال ہر خوشی اور غم سے بے نیاز محرّم سے شروع ہوتا ہے۔آپ کے

ہاں نہ گانا۔ نہ بجانا، نہ ایک دوسرے کو ہنسنا، ہنانا، نہ غفلتوں کے قہقہے نہ بدمستیوں کے سوانگ۔ آپ کے ہاں تو اُلٹے اور روزے اِن دس دنوں کے مستحب اور نویں یا دسویں کا روزہ تو آپ کے سردارِ محبوب کی سنت! ......
دینِ توحید اور مشرکانہ مذہبوں کے درمیان اب بھی کچھ فرق واضح ہوا؟ ..
دوسروں کے ہاں جو موجباتِ فخر، وہی آپ کے ہاں باعثِ ننگ! دوسروں کو آپ اپنی سطح پر کھینچ کر نہیں لا سکتے تو کم از کم خود تو ان پستیوں پر نہ جھک جائیے —

یوم جمعہ

سورۂ جمعہ کے حقائق

از غلام دستگیر صاحب ایم۔ اے

اس پاک سورۃ کو بغور مطالعہ فرمائیے تو یہ امر بخوبی واضح ہو جائیگا کہ اس میں زیادہ تر نبوت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف تحیۃ والسلام) کی اہمیت اور اسکے ساتھ روابط کی نوعیت کا ذکر ہے۔ حضور کے فداکاروں کی شان اور اسلام کے بدترین دشمن (یہودیوں) کی شرارت اور بے ایمانیوں کی توضیح ہے۔

اس سورۂ شریفہ میں پہلے اِس راز کو منکشف فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں ہر چیز اور اِس زمین و آسمان میں ہر ذرہ اپنے اپنے محل پر نہایت کامل بیحد مفید اور تسبیح حق (ہر قسم کے نقص سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے) میں مصروف ہے۔ کیونکہ پروردگار کی پاکی (سبّوحیت) اسی کی مقتضی ہے۔

یسبح للہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض الملک القدوس العزیز الحکیم

جس کی ذات عالی کو ہر ذرہ کی تسبیح شایان شان ہے۔ اسکی چار خاص صفتیں ملک قدس، عزت (غلبہ) اور حکمت اسی سلسلہ میں مذکور ہیں (الملک القدوس العزیز الحکیم)

جب کائنات میں ہر مخلوق اپنے صحیح مقام پر اپنی حقیقت کے مطابق تسبیح

خالق میں مصروف ہے تو پھر خدائے تعالٰی کے ان صفاتِ مذکورۂ بالا کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان کو بھی ضلالِ مبین میں نہ رہنے دیا جائے۔ اسی لئے عموماً ہر نبوّت کی اور خصوصاً خاتم نبیّین نبوت (محمدیہ) کی بعثت ہوئی۔ گویا یہ صفاتِ حق بعثت نبوت محمدیہ کے اصلی اسباب و علل ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد کی آیت میں اسمِ ذات اللہ موصوف بچہار صفاتِ مذکورہ کے بجائے ضمیر "ھُو" مستعمل ہوئی ہے۔ یہ اُسی امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ "اُمیّین" میں رسول کو اُسی ذات نے مبعوث فرمایا ہے۔ جس کی تسبیح کائنات کا ہر ذرّہ کرتا ہے اور جو ملک، قدوس، عزیز اور حکیم ہے۔

لفظ اُمیّین" کے ایک تو عام اور مشہور معنی ہیں۔ اس کے دوسرے معنی بھی ہوتے ہیں۔ عربی زبان میں اُم سے مرکز اور سرچشمہ مراد ہوتا ہے۔ مکۃ المعظمہ کو اسی نسبت سے اُم القریٰ کہتے ہیں کہ وہ مرکزی شہر تھا۔ بڑی وجہ مرکزیت کی کعبہ شریف ہے۔ جغرافی حیثیت سے بھی وہ انسانی بستیوں کا مرکز ہے۔ وہاں کے رہنے والے "اُمیّین" (مرکزی بستی والے) کہلاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ایک مرکزی نبی ہیں۔ اس لئے حضور کی بعثت "اُمیّین" یعنی مرکزی قوم میں ہوئی۔

اس کے بعد منصبِ نبوّت کے اہم اجزاء کا ذکر ہے کہ وہ اپنے مخاطبین کو اللہ تعالیٰ کی آیات سناتے ہیں۔ اپنی تربیت سے ان کے نفوس کا تزکیہ فرماتے ہیں۔ کتاب و حکمت، حقائقِ شریعت اور اسرارِ دین کی تعلیم دیتے ہیں۔
اسکی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ظہور نبوتِ محمدیہ سے پہلے وہ ضلالت "مبین"

کھلی گمراہی اور بے راہ روی میں مبتلا تھے نہ شخصی حقوق کا احساس تھا۔ نہ خاندانی اور قومی حقوق کا پاس نہ خدا سے ربطِ صحیح نہ مخلوق کی حقیقت سے آگاہ، نہ آغاز کائنات سے واقف نہ اس کے انجام سے باخبر

گمراہی سے نجات پانی اور نبوّت کے سارے فیوض سے مستفید ہونا یہ صرف حضور کے عہد ہی کے لوگوں تک ممکن نہیں بلکہ پچھلی آنے والی نسلیں آدم کی اولاد سے بہتیری ایسی ہیں جو ابھی سرچشمۂ ہدایت سے پیوستہ نہیں ہوئی ہیں مستقبل میں اس گروہ میں شریک ہوں گی۔ نبوت کی یہ بعثت، یہ کرامت اور وسعت علیۂ حق اور حکمتِ یزدانی کی کھلی دلیل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب سے زیادہ شرعی ہدایات و قوانین یہودیوں کو دیئے گئے تھے۔ عیسیٰؑ نے بھی توراۃ ہی کے قوانین پر عمل کرنے کی ہدایت اپنے پیروؤں کو کی تھی۔ اس لئے نبوت محمدیہ سے سب سے زیادہ رشک وحسد یہودیوں کو تھا۔ اُنھیں شاید یہ خطرہ پیدا ہوا کہ امامت کی آمدنی اور وجاہت اب ان کے ہاتھوں سے جاتی رہیگی۔ حالانکہ نبوت کبھی بھی کسی کی میراث نہ قرار پائی وہ اللہ کا ایک فضلِ عظیم تھا جسے چاہا اُس صاحبِ فضلِ عظیم نے عطا فرمایا۔ چونکہ اب نبوّتِ محمدیہ کے بدترین دشمنوں (یہودیوں) کے خصائص کا کسی قدر تفصیلی ذکر ہونے والا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اس حقیقت اور کلیہ کو واضح فرما دیا۔ جس کے ادراک صحیح کے نہ ہونے سے یہ فتن پیدا ہوتے ہیں۔

یہودی جماعت کو اسلام سے پیشتر نہایت عظیم الشان ہدایت نامہ

(تورات) دیا گیا تھا۔ لیکن چلتے چلتے ان کا ربط اِس ہدایت نامہ سے بگڑ گیا۔ ظاہر میں اس کے بڑے عالم اور فاضل لیکن تقویٰ میں اور دیانت کے ساتھ معنی کرنے کے معاملہ میں حدود سے گزرے ہوئے قلب تورات کے سچے عقیدوں سے عاری اعمال میں احکام تورات کا اثر مفقود، تورات کا حق ادا کرنا تو در کنار الٹے معنی میں تحریف کھلی آیتوں کی تاویل کے پیرایہ میں تکذیب خصوصاً حضور رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو آیتیں تھیں اُن کی تاویل اور تکذیب میں بڑا زور صرف کرتے۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کی مثال "چار پائے (گدھا) بر و کتابے چند" کی سی ہے۔ بلکہ حق جھٹلانے والے اِس سے زیادہ بڑی مثال کے مستحق ہیں۔

جب کسی قوم کو کھلی ہدایت تورات جیسی روشن کتاب کے ذریعہ دی جائے اور پھر وہ اس کے ساتھ یہ معاملہ رکھے تو خدا کے قانون جزا و سزا کے مطابق وہ سرے سے ہدایت ہی سے محروم کئے جانے کی مستحق ہے۔

اس مقام پر مسلمانوں کو چونکنا چاہیئے کہ قرآن مجید کے ساتھ ان کا کیا معاملہ ہے؟

اِدھر یہودیوں کے ایمان اور عمل کا یہ حال اُدھر دعوے اپنے خاص مراتب کا، زعم ولایت کا، جزا کی ساری نعمتوں کا اپنے کو نہ صرف مدعی بلکہ مستحق قرار دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ جس کو آخرت کا یقین ہے اور جس کی زندگی میں سچائی ہے۔ موت کا تصور اُن کے لئے خوش آیند ہوتا ہے آخرت کی بہار اس کے پیشِ نظر ہوتی ہے۔ لیکن جھوٹے کے دل میں جھٹلانے والے کی

قلب میں یقین ایمان اور اعتماد کی یہ مسرّت کہاں - چنانچہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ "حقیقتِ حال یہ ہے کہ اپنے کرتوت اور اعمال کے توشے کے سبب کبھی یہود موت کے متمنی اور آرزومند نہ ہوں گے - اور اللہ تعالےٰ تو ان ظالموں کے ظلم وزیادتی سے خوب واقف ہے - ان کے دل کا حال اس پر خوب کھلا ہوا ہے"

اچھا اب تو یہ موت کے خواب وخیال ہی سے سہمے پھرتے ہیں - اپنی نجات اور آخرت میں محبوبیت کے باطل زعم میں مبتلا ہو گئے ہیں لیکن موت تو ایک ایسی قوت ہے کہ لاکھ یہود اس سے بھاگیں لیکن کبھی موت کے ہاتھوں چھٹکارا نہ پاسکیں گے نہ صرف یہ کہ اُنھیں موت آن گھیرے گی - بلکہ یہ موت کے بعد ایک ایسی ذات کے حضور میں پیش کئے جائیں گے جو سب کھلے چھپے کی جاننے والی ہے - پھر عالم کل انھیں ان کے سارے کئے دھرے کے بارے میں جتانے والا ہے -

یہودیوں کے عقائد کا حال اور اعمال کا حال واضح کردیا گیا ان کی ظاہر کی نوعیت اور باطن کی حقیقت بیان میں آگئی، ظاہر ہے کہ حامل توراۃ جماعت سے اب ہدایت وامامت دین کی کوئی توقع باقی نہ رہی - ان سے اِس امر میں سراسر مایوسی ہے - کتاب تک نذرِ تحریف ہوچکی اب ہدایت کا سرچشمہ اور حقیقت کا دعویٰ کہیں ہو سکتا ہے تو وہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور انھیں کے دین سے وابستگی میں ہے -

اِس لئے ہر شخص کو جس کے دل میں جوہر ایمان ہے دین و نبوّتِ محمدیہ کے ایک خاص امتیازی نشان کی پابندی کی طرف نہایت تاکید سے متوجہ کیا جاتا ہے، جس کا نام جمعہ ہے ۔

جمعہ اسلام کی ایک امتیازی تعبیر ہے جیسے کہ اسلام کا امکانی امتیاز اِس کا مرکز ام القریٰ (کعبہ) ہے ۔ یہودی ان دو باتوں سے خاص طور پر ناراض تھے کیونکہ تحویلِ قبلہ اور ہفتہ کی عبادت کے خاص دن کی تبدیلی ان کے رسم و روایت کے خلاف تھی ۔

حکمِ امتیاز اور ترجیح کے اس قانون کی طرف اشارہ ہے کہ جب دنیوی تمتع اور دنیوی مفاد میں ٹکّر ہو تو کمال ایمان حبّ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ دین کے مفاد کو ترجیح دے ۔ نہ یہ کہ ابن الوقت بن جائے اور دین فروشی کر کے دنیا کے پیچھے لگا رہے ۔ ہر ہفتے اذان جمعہ سنتے ہی کاروبار چھوڑ چھوڑ کر مسجدوں کی طرف ذکر الٰہی کے لئے لپکنا یہ اس نصب العین کی ایک عملی تربیت ہے ۔

بعض بداندیش مستشرقین (مثلاً کارل بیکر وغیرہ) نے اسلام کو اپنی اصل میں ایک سیاسی عقدہ اور معاشی مقصد ظاہر کیا ہے ۔ کاش وہ سرچشمۂ اسلام قرآن مجید کی ان کھلی کھلی آیات ہی کو دیکھتے تو ان پر یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا کہ اسلام کا اصلی مقصد قیام ذکر اللہ ہے جو ساری اصلاح انسانیت کی جان ہے ۔ اسلام کا خاص مشن اقوام کو سیاسی اور معاشی جال میں پھنسانا نہیں ہے ۔ مغرب کے بعض متعصب اہل قلم نے اپنی ہی عینک سے

اسلام دیکھا ہے۔

دین (سعی ذکر اللہ) اور دنیا (بیع) کا یہی برمحل امتیاز انسان کے لئے بہتر ہے اگر وہ صاحبِ علم و اہلِ فہم ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ رہبانیت اور ترکِ دنیا کا مسلک اختیار کیا جائے۔ بلکہ جب ایمانی فرائض سے فراغت ہو گئی تو پھر زمین میں لوگ پھیل جائیں اور خوب خوب معاش اور زینت حیات کے سامان تلاش کریں۔

لیکن یہ دنیوی مصروفیت خدا سے بالکلیہ آپ کو غافل نہ کر دے مومن کے دل میں خدا کا دھیان ہر وقت جاری ہے چاہے وہ کسی کام میں محو کیوں نہ ہو، یہ ذکر اور یہ یاد اسے معاملات میں بھی سیدھے راستہ پہ قائم رکھیگی۔ اس کو دل بیار اور دست بکار کے مصداق ہونا چاہیئے۔ ایمانی نقطۂ نظر کے مطابق اگر انسان معاش کے ظاہری اسباب کی تلاش کے ساتھ متوجہ رہے۔ توبہ و استغفار کرے ذکرِ الٰہی کثیر کرے تو فلاح و بہبود کے زیادہ دروازے خدا کی طرف سے کھلیں گے۔ موجودہ معاشی بے چینی میں اس طریق عمل سے دل کی تسکین اور حصولِ علاج کی ایک خاص صورت ہو جائے خودکشی اور نامردانہ مایوسی کی موجودہ فضا میں بڑی کمی ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"زندگی کے تین رخ ہیں۔ دین اور ذکر اللہ، نبوت سے صحیح ربط رکھنے کا خاص مقصد یافت اور عرفان حق ہے"

دوسرا رُخ معاشی فوائد کا حامل ہے۔ لفظ بیع میں اسکی طرف اشارہ ہے۔ تیسرا لہو کہ اس میں نہ دنیا کا خاص فائدہ ہے اور نہ دین کا کوئی نفع۔

بدنصیبی اور محرومی کی صورت یہ ہے کہ انسان بیع اور لہو کی طرف اس طرح توجہ کرے کہ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تعلق منقطع ہو جائے کیونکہ خدا کے دین اور رسالت سے ربط بیع اور لہو دونوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ اور خدا کی وہ ذات ہے کہ دنیوی منافع اور معاشی برکات اسی کے دستِ قدرت میں ہیں اور وہی اصل اور بہتر رزق دینے والا ہے۔

سورۂ جمعہ کا خاص پیغام یہ ہے کہ جب خدا کی آواز ہم تک پہنچے تو پھر پوری قوت کے ساتھ سب سے بے نیاز ہو کر ہمیں اسطرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اور جمعہ کی تقریب ہر ہفتہ اس کی اعلیٰ تربیت ہے۔ اپنے نصب العین سے ایسی ہی وابستگی دین کی قوت اور استحکام ملت کا باعث ہے۔ ہر جمعہ بیشتر مقامات میں سورہ جمعہ نماز جمعہ میں لازماً تلاوت کی جاتی ہے لیکن کتنی بار ہمیں ان معانی اور مطالب پر غور کرنے کی توفیق ہوئی ہے۔ خطباتِ جمعہ میں بھی اس کی توضیح و تشریح نہیں ہوتی کہ کچھ آنکھ کھلے۔ بعض حضرات کے نزدیک خطبۂ جمعہ تو ایک منتر ہے جسے پڑھ دیا جائے تفہیم و تذکیر سے اس کا کیا تعلق۔ اصلی جمعہ تو اس کا ہے جو سورۂ جمعہ کی ان ہدایتوں اور نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو۔

یوم فاروق

وحدتِ امّت کی حفاظت اور عمرؓ کی شہادت

(از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے (عثمانیہ)

سیّدنا حضرت عمرؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فلسفۂ برحق کی حیثیت سے انسانی حکمرانی اور سیاست کی تاریخ میں ایسا مثالی اور معیاری نمونہ اور اسوۂ حسنہ چھوڑا ہے جو رہتی دنیا تک ہر حق پرست انسان کی نظر میں دلیل راہ اور سرمایۂ فخر ہے۔ آپ کی خلافت راشدہ کے بیشمار امتیازی پہلو ہیں جن کی تفصیل سے "تاریخ اسلام" کی مستند کتابیں بھری پڑی ہیں۔ خلافتِ اسلامی کے تصورات اور نصب العین کو جب ہم تمامی تفصیلات کے ساتھ پیش کرنا چاہیں تو عہدِ فاروقی اس کا نمایاں ترین باب ہے۔

آئیے آج کی صحبت میں صرف ایک پہلو پر غور کریں۔ یہ پہلو ہماری افتراق پسندی اور انتشار انگیزی کے لئے ایک نسخۂ شفا ہے۔ حضرت عمر بستر شہادت پر ہیں۔ زخم کاری ہے صحابۂ کرام کو آپ کی دائمی جدائی کا خطرہ

پیدا ہو گیا ہے۔ فاروقی جلال نے یہودی فتنوں اور دوسرے انتشار انگیز عناصر کو سر اٹھانے کا موقع نہیں دیا ہے۔ آخر ایک یہودی غلام نے جلیل القدر خلیفۂ اسلام پر بہت مہلک وار کا موقع پایا ہے۔

بعض صحابہ نے جب یہ نازک صورت حال دیکھی تو اُمت کے مستقبل کے باب میں مضطرب ہو کر جانشینی کے مسئلہ پر حضرت فاروق اعظم رضؓ کو متوجہ فرمایا۔ آپ کے لئے یہ مسئلہ اہم ترین تھا۔ اپنی خصوصیات و غلبہ کے اعتبار سے مدتوں آپ اِس پر غور فرماتے رہے۔ بعض اصحاب نے حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضؓ کا نام پیش کیا۔ اسلامی خلافت وجمہوریت کے رمز شناس اور راز داں خلیفہ نے انکار کر دیا۔

بالآخر مسئلہ کی نزاکت کا خیال فرماتے ہوئے آپ نے چھ آدمیوں کے نام اس منصب گرامی کے لئے منتخب فرمائے۔

(۱) سیّدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ (۲) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ (۳) حضرت زبیر رضؓ (۴) حضرت طلحہ رضؓ (۵) حضرت سعد رضؓ (۶) حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضؓ۔

ان محترم اصحاب کی اسلام کی ترقی و استحکام میں بڑی خدمات تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے جنت کی بشارت حاصل کی اسی بنا پر حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ اِن اصحاب جنت میں سے جن پر کثرت رائے ہو اُس کو میرے بعد منتخب کر لیا جائے اور سخت تاکید فرمائی کہ "میرے بعد تین دن کے اندر اندر یہ مرحلہ طے ہو جائے"۔

یہی نہیں ذرا اور آگے دیکھئے - حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ میرے دفن سے فراغت کے بعد ان چھ اصحاب کو ایک مکان کے اندر بند کر دینا اور جب تک ان میں سے کسی کا انتخاب نہ ہو جائے اُس وقت تک نہ کھولنا= کمال بے نفسی اور امت کی خیر اندیشی دیکھئے کہ اپنے فخر امّت فرزند دلبند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حکم ہوتا ہے کہ وہ مشورہ میں شریک رہیں گے لیکن امارت سے ان کو تعلق نہ ہوگا - اس واقعہ کی آخری کڑی کتی ذرا دِل کڑا کر کے سُن لیجئے - حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے ترجمانِ حق اور حق وصواب کے مترادف رائے رکھنے والے جلیل المرتبت خلیفۃ اللہ فی الارض کا ارشاد ہوتا ہے -

"و کثرت رائے کے بعد بھی اگر کوئی شخص خلافت کا مدعی رہے تو اُسے قتل کر دینا" (تاریخ اِسلام جلد اوّل دار المصنفین اعظم گڈھ صفحہ ۱۸۴ و ۱۸۵ بحوالہ ابن سعد ج ۳ ق صفحہ ۲۴۵ و تاریخ الخلفاء)

واقعہ کو پڑھنے میں حیرت سے زیادہ عبرت و بصیرت پیشِ نظر رہے تو صاف ظاہر ہے کہ امّت کا بغیر تنظیم اور مرکزی وحدت کے رہنا بڑے فتنہ کا باعث ہے - پھر یہ کیا ہے کہ صولتِ فاروقی اور جلالِ عمرؓ سے دلی وابستگی کے ساتھ ہماری سال پر سال عمرِ عزیز مرکزی تنظیم امّت سے ممکنہ وابستگی کے بغیر گزر جاتی ہے - ہماری بستیوں کی بستیاں مِلّت کے دائرے سے باہر ہی چین سے گزارہ کرتی ہیں - حالانکہ اِس صورتِ حال کا تصوّر ہی اس عظیم الشان رہبرِ اُمّت کو بسترِ شہادت پر ہی بے چین

کئے ہوئے ہے۔ کیا تنظیم ملّت کو قوی کرنے میں تاخیر زیبا ہو سکتی ہے۔ ہاں وحدتِ اُمّت اور اجتماع ملت کی اہمیت اور شدت کا کیا ٹھکانا ہے کہ ملت قابلِ اعتماد شوریٰ کے انتخاب کے بعد قیادت کا مدعی بنے رہنا حضرت عمرؓ کی نظر میں عشرۂ مبشرہ یعنی رسول کی زبانی قطعی جنت کی بشارت پانے والوں تک کو قتل کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ اس روشنی میں ہماری اِس عبرتناک روش کا کیا مقام ہے کہ ہم فاروقی نسبت کا دم بھرتے ہیں۔ لیکن کبھی اپنی صداقت وقیادت کی خاطر تنظیمِ ملّت سے کٹ کٹ کر جماعتیں رات دن بناتے ہیں اور کم از کم عہدہ نہ ملنے پر روٹھ روٹھ کر اور بگڑ بگڑ کر ملت کے مرکز سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں۔ کیا افتراق مِلّت کے جرم کو ہلکا کرنے کے لیئے یہ کافی ہے کہ ہم علم و تقدّس کا دعویٰ کریں۔ جبکہ عشرۂ مبشّرہ کا سچّا اور کمال درجہ کا علم و تقدس کا لحاظ اِس باب میں روا نہ سمجھا جاتا ہو۔ آخر اسوۂ عمرؓ اور تاریخ خلافت راشدہ، زندگی کی واقعی کشمکش میں نمونہ کے لیئے ہے یا محض زیبِ داستاں کے لیئے۔

از
مولانا ابوالکلام آزاد

خطابۂ الم
و
توصیۂ شہادت

یعنی واقعۂ عظیمۂ شہادت حضرت سید الشہداء علیہ و علیٰ آبائہ الصلوٰۃ والسلام
پر ایک درس بصیرت

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

قَالَ اللہ تعالیٰ:- اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ، اِھْدِنَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ، صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ
الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝

شمعہا بردہ ام از صدق بخاکِ شہدا
تا دل و دیدۂ خونابہ فشانم دادند

برادرانِ عزیز!

آج جس حادثۂ کبریٰ اور شہادت عظمیٰ کے تذکار و درس کے لئے

ہم سب یہاں جمع ہوئے ہیں وہ سوقائع وحوادثِ اسلامیہ کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے جو تاریخِ اسلام کی اوّلین صدی سے لے کر اس وقت تک اپنے عجیب و غریب تاثیرِ ماتم و درد اور حیرت انگیز لقائے ذکر و تاثیر کے لحاظ سے نہ صرف تاریخِ اسلام بلکہ تمام حوادث محزنۂ عالم میں ایک عدیم النظیر امتیاز رکھتا ہے۔

اگر وہ تمام آنسو جمع کئے جائیں جو ۱۳۶۱ھ سے لیکر اسوقت تک اِس واقعہ جانسوز پر بہائے گئے ہیں، اگر وہ تمام درد آہ و فغان سوزاں یکجا کیا جا سکے جو ان تیرہ صدیوں کی لاتعداد و لاتحصیٰ اسلامی نسلوں کی صداہائے ماتم کے ساتھ بلند ہوتا رہا ہے۔ اگر درد و کرب کی وہ تمام چیخیں۔ اضطراب و الم کی وہ تمام پکاریں شورش و تپش کی وہ تمام بیقراریاں، اکٹھی کی جا سکیں جو اِس حادثۂ کبریٰ کی یاد نے ہزاروں لاکھوں انسانوں کے اندر ہمیشہ پیدا کی ہیں تو اے عزیزانِ ماتم شعار کون کہہ سکتا ہے کہ خوں فشانیہائے حسرت کا ایک نیا اٹلانٹک و اوقیانوس سطحِ ارضی پر بہہ نہ جائیگا؟ درد آہ و فغاں کی ہزارہا بھٹیاں بھڑک نہ اٹھیں گی اور درد والم کی چیخوں، حسرت کی صداؤں، تڑپ کی بے چینیوں کے ہنگامۂ خونیں سے تمام عالم ایک شورزار نالہ و بکا نہ بن جائے گا؟

تاہم میں جو پیام پہنچانے کے لئے آج آیا ہوں وہ اِس تذکرے سے بالکل مختلف ہے۔ میں غم والم کی شدت وکثرت کے اعتراف کی تاریخ نہیں ہوں، بلکہ اس عدیم النظیر شدت وکثرت کے بعد بھی آنسوؤں کی طلب ہوں، آہوں کی صدا ہوں، بیقراری کی پکار ہوں، اضطراب کی دعوت ہوں،

اور آہ! آہ! اے صد ہزار آہ و حرماں کہ غم کے لئے بھوکا ہوں اور درد والم کے لئے یک قلم پیاس ہوں، پس میں آج ان آنکھوں کا تذکرہ نہیں کرتا جو بہت رو چکی ہیں، مجھے ان آنکھوں کا سراغ بتلاؤ جواب بھی رونے کے لئے نم آلود ہیں۔ میں ان دلوں کی سرگزشت نہیں سنتا جو تڑپتے تڑپتے تھک چکے ہوں، میں ان دلوں کی تلاش میں نکلا ہوں جواب بھی تہ و بالا ہونے کے لئے مضطرب ہیں مجھے ان زبانوں سے کیا سروکار جن کو نواسنجی ہائے ماضی کا ادعا ہے؟ آہ میں تو ان زبانوں کے لئے پکار رہا ہوں جن کے اندر غم و ماتم کی بھٹیاں سُلگ رہی ہیں، اور اُن کا دھواں آج بھی کائنات نشاط، نادانی کی اس تمام فضا، غفلت کو مکدر کر سکتا ہے جس کو عیش و عشرت کے قہقہوں میں درد و عبرت کی ایک آہ بھی نصیب نہیں۔

نہ داغِ تازہ می خارد نہ زخم کہنہ می کارد!
بدہ یارب دلے کیں صورت بیجاں نمی خواہم!

دعوتِ درد

ہاں یہ سچ ہے کہ رونے والے اس پر بہت روئے، ماتم کرنیوالوں نے ماتم میں کمی نہیں کی، آہ و نالہ کی صداؤں نے ہمیشہ ہنگامۂ الم کی مجلس طرازیاں کیں اور یہ سب کچھ اب تک اتنا ہو چکا ہے جتنا آج تک شاید ہی دنیا کے کسی حادثۂ غم کو نصیب ہوا ہو۔ تاہم تم یقین کرو کہ بایں ہمہ اس حادثۂ عظیمہ کی دعوتِ اشک و حسرت اب تک ختم نہیں ہوئی ہے۔

بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی دعوتِ درد کے اندر جو حقیقی طلب تھی وہ اب تک لبیک کے سچے استقبال سے محروم ہے۔ تیرہ صدیاں مع اپنے دوران محرم وعشرۂ ماتم کے اس پر گذر چکی ہیں۔ لیکن اب تک خاکِ کربلا کے وہ ذرات خون آشام جن کو آج بھی اگر نچوڑا جائے تو خونِ شہادت کے مقدس قطرے اس سے ٹپک سکتے ہیں۔ بدستور آنسوؤں کے لئے پکار رہے ہیں۔ خوں فشانیوں کے لئے داعی ہیں، آہ وفغاں کے لئے تشنہ ہیں اضطراب والتہاب کے لئے بے قرار ہیں اور فضاء ریگ زار کرب وبلا کا ایک ایک گوشہ اب تک دیدہ ہائے اشک افشاں، جگر ہائے سوختہ، دلہائے دونیم اور زبان ہائے ماتم سرا کے لئے اسی طرح چشم براہ ہے جس طرح سنہ ۶۱ھ کی ایک آتش خیز دوپہر میں خون کی ندیوں کی روانی، تڑپتی ہوئی لاشوں کے ہنگامۂ احتضار، اور ظلم ومجروحی قتل ومقتولی کے ہنگامۂ الیم کے اندر سے نالہ ساز طلب اور فغاں فرمائے دعوت تھا!

شدیم خاک ولیکن ببوئے تربتِ ما!
تواں شناخت کزیں خاک، مردمی خیزد

لیکن اگر یہ دعوتِ درد محض اس پانی کے لئے ہے جو ندیوں کی جگہ آنکھوں سے بہے، اگر یہ طلبِ غم محض ان صداؤں کے لئے ہے جن کا غوغا درختوں کے جھنڈ، چڑیوں کے گھونسلوں، دریاؤں کی سیر ان کی جگہ انسانوں کی زبانوں سے بلند ہو، اگر یہ انتظارِ الم محض اس ماتم کے لئے ہو

تو پتھروں کے ٹکرانے کی جگہ انسانی دست و سینہ کی ٹکر سے ہنگامہ ساز ہو
تو اے برادرانِ غفلت شعار! وائے چشمانِ خواب آلود! بلاشبہ یہ
سب کچھ ہو چکا، اور بلاشبہ سوال کو جواب، دعوت کو لبیک، اور
طلب کو مطلوب مل چکا، اگر انسان کا بچہ بھوک سے روتا اور روٹی
کے لئے آنکھوں کو سرخ کر لیتا ہے، تو انسان کے بڑے بڑے گروہ
کیوں نہیں آنسو بہا سکتے؟ اگر درختوں کے جھنڈ ہوا سے مل کر چند لمحوں کے
لئے دنیا کو شور و غوغا سے لبریز کر دے سکتے ہیں تو آدم کی اولاد اپنے
آہ و بکا سے کیوں آسمان کو سر پر نہیں اٹھا سکتی؟ اگر بے جان و بے روح
پتھر دوسرے پتھر پر گر کر رعد و برق کا ہنگامہ پیدا کر دے سکتا ہے تو تم کہ
روح اور ارادہ رکھتے ہو اپنے دستِ ہائے ماتم کناں سے کیوں ایک
ہنگامہ زار دہشت گرم نہیں کر سکتے؟ کیا تم کو دنیا کی ان آنکھوں کی خبر
نہیں جو روتی ہیں، حالانکہ ان سے ایک آنسو بھی نہیں بہا؟ کیا تم نے اُن
زبانوں کے متعلق کچھ سنا جو چیختی ہیں حالانکہ انھوں نے ایک چیخ بھی نہ پائی
اور کیا تم نے ان جسموں کا تماشا نہیں دیکھا جو تہ و بالا ہوتے ہیں حالانکہ
ان کو ایک تڑپ بھی نصیب نہ ہوئی، پھر کیا اس غفلت آباد ہستی میں
وہ دل بھی نہیں ہے جو گو دل ہیں مگر دل نہیں ہیں کیونکہ دل کی طرح
نہیں سوچتے؟ کیا وہ کان بھی نہیں ہیں جو گو سامع ہیں مگر کان نہیں ہیں
کیوں کہ نہیں سنتے، اور کیا ایسی آنکھیں بھی نہیں جو گو بصیر ہیں مگر آنکھیں نہیں
ہیں کیونکہ نہیں دیکھتیں لهم قلوب لا یفقهون بها و لهم آذان لا یسمعون

بہا ولہم اعین لا یبصرون بہا ؛ ولٰئک کالانعام بل ہم اضل، واولٰئک ہم الغافلون! (۷:۱۷۸)

پس اے عزیزانِ من! درد و الم کی یہ پاک دعوتیں صرف اُس روانی آب، تسلسل صدا، اور ہنگامۂ غوغا ہی کے لئے نہیں ہوتیں جو آنسوؤں، فغانوں اور ماتموں کے نام سے ظہور میں آجائیں اور اگر ان کا یہی مقصد ہوتا تو اس کے لئے انسان کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ کتنے ہی سمندر پانی سے بھرے ہوئے ہیں اور کتنے ہی جنگل شور و غوغا سے ہنگامہ زار ہیں، بلکہ یہ دعوت، یہ پکار یہ طلب یہ "ھل من مجیب" فی الحقیقت ان آنسوؤں کے لئے ہے جو صرف آنکھوں ہی سے نہیں بلکہ دل سے بہیں۔ وہ ان آہوں کا دھواں مانگتی ہیں جن کی لپٹیں صرف منہ ہی سے نہیں بلکہ اعماق قلب سے اٹھیں، وہ صرف ہاتھوں ہی کے ماتم کے لئے نہیں پکارتی بلکہ دل کے ماتم کی محض ایک صدائے حقیقت کے لئے تشنہ ہے، اگر تمہارے پاس اس کے لئے آنکھوں کا آنسو نہ ہو تو اسے کوئی شکایت نہیں، لیکن آہ، تمہاری غفلت اگر تمہارے پہلو والا میں کوئی زخم نہ ہو جس سے پانی کی جگہ خون بہے اگر تمہارے زبانوں کو درد کی چیخ نہیں آتی تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن آہ یہ کیا ہے کہ تمہارے دلوں کے اندر حقیقت شناسی کی ایک ٹیس، عبرت کی ایک ٹپک، مصیبت کی ایک تڑپ، احساس صحیح و حق کا ایک اضطراب بھی نہیں ہے؟

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

الغرض اللہ سید الشہداء مظلوم کی مظلومی اور یا للعجب غفلت و نادانی کی بوقلمونی اس سے بڑھ کر دنیا میں مظلومی کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ دشمنوں اور دوستوں دونوں نے اس پر ظلم کیا، دشمنوں نے اس کی شہادت عظیمہ کی عظمت مٹانی چاہی، مگر دوستوں نے اس کی شہادت کی اصلی حقیقت و بصیرت سے غفلت کی، دشمنوں نے اس پر ظلم کیا، کیونکہ اس کی مظلومیت انھیں رونا نہ آیا پر ان دوستوں نے بھی ظلم کیا، جو گو روئے مگر اس کی اصلی تقدیس و شرف کے لئے سچائی اور عمل کا ایک آنسو بھی نہ بہا سکے دشمن تو دشمن تھے اس لئے انھوں نے اس کی دعوتِ حق کو مٹانا چاہا، مگر دوست دوست ہو کر بھی اس دعوت کی پیروی نہ کر سکے۔ وتراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون (۷: ۱۹۸)

پس سچا ماتم وہی ہے جو صرف ہاتھوں ہی کا نہیں بلکہ دل کا ماتم ہو اور دعوتِ درد کا اصلی جواب وہی ہے جو عبرت و بصیرت کی زبان سے نکلے، تمہاری آنکھیں اس حادثہ پر بہت رو چکی ہیں مگر اب تک تمہارے دل کا رونا باقی ہے اور اگر رونا ہے تو اپنے دل کو رولاؤ ورنہ صرف آنکھوں کی اس روانی کو لے کر کیا کیجئے جس میں دل کی اشک افشانی کا کوئی حصہ نہیں حالانکہ انسان کی ساری کائناتِ حیات صرف دل ہی کی زندگی سے ہے۔ فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور:)

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبادت ہے تیرے جینے سے

آج ہمارا اجتماع اس لئے ہے کہ اس حادثۂ عظیمہ پر غور و فکر کی ایک نئی صفِ ماتم بچھائیں اور ان حقیقتوں اور بصیرتوں کی جستجو میں نکلیں جن پر آنکھوں کی اشک افشانیوں سے زیادہ دل کے زخموں سے خون بہتا ہے اور ہاتھوں سے زیادہ روح پر ماتم طاری ہوتا ہے۔ فذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنون۔

حقیقت تذکار مشاہیر

سب سے پہلی چیز جو اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ اس واقعہ کی یادگار اور اس کا دائمی تذکار ہے۔

دنیا میں ہر قوم نے اپنے ماضی کے ان واقعات و حوادث کی ہمیشہ تعظیم کی ہے۔ جن کے اندر قوم و ملک کے لئے کوئی غیر معمولی تاثیر یا عبرت پائی جاتی تھی اور ہمیشہ ان انسانی بڑائیوں اور عظمتوں کی یاد کو یادگاروں، تہواروں، عمارتوں، تاریخوں، قومی روایتوں اور قومی مجمعوں کے انعقاد کے ذریعہ زندہ رکھنا چاہا ہے جن کے اندر خود اس قوم کی کوئی عظمت اور بڑائی پوشیدہ ہے۔

یہی چیز ہے جس کو تمام اقوام متمدنہ نے مشاہیر پرستی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہی چیز ہے کہ ہر قوم اپنی قومیتوں کے بڑے بڑے بانیوں، مذہبی معلموں، محب الوطنوں، اور قومی شہیدوں کی یاد کو

کبھی بھی مفقود ہونے نہیں دیتی ہو مرنے الیڈ لکھی، کالڈیا کے حجری[1] کتب خانہ میں وہ اینٹیں رکھی گئیں جن پر ناموران ملت کے مناقب و محامد کندہ تھے۔ عرب جاہلیت نے اپنے سلسلۂ انساب کا ایک حرف ضائع ہونے نہ دیا اور ذوالمجیہ اور عکاظ میں اسلاف کے مفاخر و معالی کی داستان سرائی قائم کی۔ مصریوں نے ایسے ایسے مینار بنائے جو ہزاروں برسوں کے بعد بھی اپنی تعمیر اولین کی طرح مستحکم و استوار رہیں اور پھر ان کے اندر اپنے ناموروں کی لاشوں کو حنوط (ممی) کر کے محفوظ کر دیا۔ ہندوستانین نے مہابھارت کے معرکہ کو قومی روایتوں میں داخل کر دیا اور والمیک کی سحر طرازیوں نے نسلی مفاخرہ کی روح کو پژمردگی سے بچایا۔ اقوام قدیمہ کے یہ تمام اعمال صرف ایسی حقیقت کے لئے تھے کہ اسلاف مشاہیر کی یاد زندہ و قائم رکھی جائے۔

آج اوقیانوس کا بحری مسافر واشنگٹن کے بت کو ساحل امریکہ پر دیکھ کر پکار اٹھتا ہے، یورپ کے بڑے بڑے شہروں اور ان کی محکوم نوآبادیوں کی شاہراہوں اور باغوں میں جا بجا سنگی بت نصب نظر آتے ہیں۔ شکسپیر کا مولد اب تک قائم ہے۔ ملٹن کی میز کو مرنے نہیں دیا جاتا

---

[1] حجری کتب خانہ سے مقصود تمدن بابل و کالڈیا کا وہ عہد مدنی ہے جب کہ کتابیں پتوں اور درختوں کی چھالوں کی جگہ پتھر پر کندہ کر کے لکھی گئیں اور جن کا بڑا ذخیرہ بابل کے آثار عتیقہ میں موجود ہے۔

جالسن کے آثار اب بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ میلان میں ایک جگہ یہ سنگی کتبہ تم پڑھو گے "پاک میزنی نے یہاں اپنا بچپن گزارا تھا"

یہ سب کچھ بھی اسی مشاہیر پرستی کی ایک زیادہ خوشنما و دلفریب شکل ہے جو پہلے محض قومی روایتوں اور افسانہ طرازیوں کے ذریعہ قائم رکھی جاتی تھی۔

لیکن یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اس تذکار و یادگار کا اصلی مقصد کسی واقعہ کو محض یاد رکھنا یا "کسی نام کو فراموش نہ ہونے دینا ہی نہیں تھا" بلکہ کچھ اور ہی مقصد تھا۔ کیونکہ اگر یہی مقصد ہوتا تو اس کے لئے کسی خاص نام، کسی خاص واقعہ، کسی خاص حادثہ میں کوئی ممتاز خصوصیت نہ تھی۔ پچھلوں کو اگر محض یاد ہی رکھنا ہے تو اس کے لئے بڑا چھوٹا، ادنیٰ و اعلیٰ نیک و بد سب یکساں ہیں۔ کونسی وجہ ہے کہ کاتیبج کے مشہور رہنے بال کو یاد رکھا جائے اور ٹیٹس کو یاد نہ رکھا جائے جو اسی عہد میں گزرا تھا؟

سو وہ اصلی روح جو اجتماع انسانی کی اس سب سے زیادہ پرانی رسم کے اندر کام کر رہی ہے، دراصل ناموں، وجودوں، شخصیتوں اور محض تذکرہ و یادآوری سے تعلق نہیں رکھتی، بلکہ اس سے اصلی غرض یہ تھی کہ جو اعمالِ حسنہ، عزائم مہمہ، نتائجِ عظیمہ، اور بصائر و مواعظ جلیلہ ان مشاہیر اور ناموروں کی زندگی سے وابستہ ہیں اور جن کی یاد اور تذکرہ کے اندر قوموں اور ملکوں کے لئے سب سے زیادہ مؤثر اور نافذ دعوتِ عمل و اتباع ہے ان کی یاد کو ہمیشہ حی و قائم رکھا جائے اور مختلف ذریعوں سے ایسے موقف بہم پہنچائے جائیں جن کی وجہ سے کبھی بھی آئندہ نسلیں ان اعمال حسنہ کے

نمونوں کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔

پس یادگار دراصل انسانی افراد کی نہ تھی بلکہ انسان کے بہترین اعمال کی تھی اور تذکرہ و یادآوری شخصوں اور حادثوں کی نہ تھی، بلکہ ان سچائیوں کی تھی جو وہ اپنی زندگی کے اندر رکھتے تھے، خدا نے ذات کی بڑائی اور عظمت صرف اپنی ہی کبریائی کے لئے مخصوص کر لی ہے، اور دنیا کو جو کچھ دیا گیا ہے وہ صرف عمل کی بڑائی ہے دنیا میں کوئی انسان بڑا نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ بڑا صرف ایک ہی ہے، اور وہ فاطر السموٰات والارض ہے، البتہ عمل بڑا ہو سکتا ہے اور اس کی بڑائی سے اس کے حامل کے اندر بھی نسبتی اور اضافی بڑائی آجاتی ہے۔ پس ساری تعظیمیں، ساری تقدیسیں، ہر طرح کا احترام و شرف جو دنیا میں کیا جا سکتا ہے یا تو خدا کے لئے ہے، یا پھر خدا کی سچائی اور اس کے قرار دیئے ہوئے اعمالِ حسنہ کے لئے خود انسان کی ذات کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ الحمد للہ رب العالمین میں "الحمد" کے الف لام کا یہی مطلب ہے جسے میں نے آغاز تقریر میں تلاوت کیا اور انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا، ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (۴۹: ۱۳) سے اسی پر روشنی پڑتی ہے اور یریدون ان یحمدوا بما لم یفعلوا (۳: ۱۸۸) (یہ بدبخت چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف و ثنا ان اعمال کے لئے کی جائے جو انھوں نے نہیں کئے۔ حالانکہ "حمد" کا استحقاق تو اعمال ہی کو تھا) اسی کی مزید توضیح کرتا ہے۔ وما یعقلھا الا العالمون (۲۹: ۴۳)

ایک عالمگیر غلطی

لیکن دنیا کا خسران صرف اسی میں نہیں ہے کہ وہ سچائی کی طرف نہیں بڑھتی بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ بسا اوقات اس کی جانب قدم تو اٹھاتی ہے، پر ایسا ہوتا ہے کہ راہ ہی میں گم ہو جاتی ہے اور جس طرح اس کی طرف نہ چل کر اس سے محروم تھی۔ ٹھیک ٹھیک اسی طرح اس کی طرف چل کر بھی محروم رہتی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ قرآن حکیم نے انسان کے نقصان وخسران کے جو مختلف حالات بیان کئے ہیں، ان میں سے ایک زیادہ عام اور زیادہ پیش آنے والی حالت کے لئے ضلالت، کا لفظ اختیار کیا ہے، اور اسی سورہ فاتحہ میں (جس کے ماتحت آج کی تقریر ہے) "مغضوب علیھم" کے ساتھ ایک گروہ کا باسم "الضالین" تذکرہ کیا گیا ہے۔ "ضلالت" کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ تم کو معلوم ہے کہ "گمراہی" اور راستہ میں بھٹک جانے کے ہیں اسی لئے متحیر اور غیر متعین نظر رکھنے والے پر بھی "ضال" کا اطلاق ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی متعین راہ اس کے سامنے نہیں ہوتی۔ پس قرآن کریم نے نوع انسانی کی بدحالی وتباہی کی سب سے بڑی عام حالت کو اسی لفظ سے تعبیر کیا اور اس میں بڑا نکتہ یہ ہے کہ بسا اوقات انسان کو اٹھنے اور چلنے سے انکار نہیں ہوتا وہ سفر تو کرتا ہے پر ہوتا یہ ہے کہ منزل مقصود کی حقیقی شاہراہ اس پر نہیں کھلتی اور وہ راہ ہی میں بھٹک کر رہ جاتا ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ باوجود چلنے کے منزل مقصود سے اسی طرح محروم رہتا ہے جس طرح

وہ شقی و جاہد محروم رہا جس نے چلنے کا قصد ہی نہیں کیا تھا۔ یہی حقیقت اصطلاح قرآنی میں "حبط اعمال" کی ہے، جس پر جا بجا مختلف پیرایوں میں زور دیا گیا ہے کہ فحبطت اعمالھم (۱۸: ۱۰۴) (ان کی تمام محنتیں کوششیں اور راہروی کی مشقت بالکل اکارت گئی اور اس کا کوئی پھل انھیں نہیں ملا، چنانچہ اس "ضلالت" عمل کی ایک عمدہ مثال دنیا کی عالمگیر مشاہیر پرستی بھی ہے جو مقصد کے لحاظ سے ایک نہایت اہم "عظیم المنفعت" حیات پرور اور سعادت بخش حقیقت تھی۔ لیکن با ایں ہمہ اس بارے میں ہمیشہ قوموں نے غلطی کی اور اکثر حالتوں میں سخت ٹھوکر کھائی وہ دنیا کی عالمگیر ضلالت کبریٰ جو اس کے ہر عمل میں حقیقت اور مقصد کو فنا کرتی اور ظواہر و رسوم کی اس سے پوجا کراتی ہے، افسوس کہ اس حقیقت کے لئے بھی ہلاکت بخش ہوئی اور گمراہیوں اور حقیقت شناسیوں سے اس طرح اس عملِ عظیم کو آلودہ کر دیا گیا کہ بسا اوقات ہدایت کی جگہ ضلالت کا ایک بہت بڑا پتھر ثابت ہوئی۔

انسان کی عالمگیر غلطی یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو اس کی روح کے لئے اختیار کرتا ہے لیکن آگے چل کر صرف اس کے جسم ہی کی پرستش کرنے لگتا ہے۔ مشاہیر و سلف پرستی کا اصلی مقصد تو اعمال حسنہ کی یاد اور نیکی و صداقت کے عملی نمونوں کو پیروی و اتباع کے لئے قائم رکھنا تھا۔ لیکن نتیجہ بالعموم یہ نکلا کہ عمال کی یاد مٹ گئی اور محض "انسانوں کی شخصیتوں اور ناموں کی پوجا ہونے لگی یعنی وہ چیز کہ کسی دوسرے مقصد کے لئے

واسطہ و ذریعہ تھی خود ہی مقصود بالذات بن کر لوگوں کے عقائد و اعمال میں جاگزیں ہوگئی اور حقیقت سے اس قدر بعد و نسیان ہوگیا کہ محض رسوم و اسمار کی عظمت و پرستش ہی پر ہر شخص قانع ہوگیا۔

یہی وجہ ہے کہ مشاہیر پرستی بسا اوقات دنیا میں بت پرستی کا ذریعہ ثابت ہوئی ہے اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ اعمال کی جگہ افراد و اسمار کی پرستش محض نے دو تین نسلوں کے بعد انسان کو بت پرستی تک پہنچا دیا۔

اسوۂ حسنہ

اے برادرانِ ملت! یہی حقیقت اعلیٰ ہے جسے قرآن حکیم نے "اسوۂ حسنہ" کے جامع و مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے، اور یہی مقام ہے جہاں آکر اسلام کی قوت اصلاح اور ختم نبوت کی اصلی علت آشکارا ہو جاتی ہے کہ کس طرح اس نے دنیا کی تمام صداقتوں کو لے لیا؟ اور ساتھ ہی کس طرح ان تمام خرابیوں اور ضلالتوں سے محفوظ بھی کر دیا جن کے اختلاط و آلودگی سے ان کی روحِ حقیقت اور تاثیرِ عمل بالکل فنا ہو گئی تھی؟

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید! (۴۱: ۴۲)

قرآن ایک ایسا معلم و ہادی ہے کہ نہ تو اس کے آگے باطل جم سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے اسے جگہ مل سکتی ہے۔ وہ خدائے حکیم و مجید کا اتارا ہوا

ہے۔ پھر باطل کا یہاں کیا گزر؟

ہاں باطل کیوں کر اب اس کے ساتھ مل سکتا ہے جبکہ وہ "حق خالص" ہے اور سچائی کے ساتھ جس قدر بھی گمراہی ملا دی گئی تھی اس سے انسان کے ہر اعتقاد و عمل کو بالکل صاف و پاک کر دیا ہے۔ نیز جا بجا قرآن حکیم کو "ہادی" کہا کہ وہ انسان کو اس کے سفر اعمال میں ٹھوکروں اور گمراہیوں سے بچاتا ہے اور اسی طرح "شفا" کہا کیونکہ وہ مثل مفید و نافع ادویہ کے ہے جو مریض کی اصلی قوتِ طبیعی کو مزید توانائی اور نشو و نما دیتی ہیں اور مضر اثرات مرض جو داخل طبیعت ہو گئے ہیں ان کو دور کر دیتی ہیں۔

"اسوہ" کہتے ہیں کسی فکر، کسی عمل، کسی وصف، کسی خاصہ کے ایک ایسے نمونے کو جسے تم اس لئے اپنے سامنے رکھ لو کہ اس کی پیروی اور نقل کرو گے، اور اس کی سی باتیں اپنے اندر بھی پیدا کرنا چاہو گے۔

انسانی سعادت کے لئے تعلیم محض بالکل بے کار ہے جب تک کہ اس تعلیم کے زندہ نمونے بھی انسانوں کے سامنے نہ ہوں جو اثر طبیعت منفعلہ انسانیت پر ایک انسانی نمونہ عمل کا پڑتا ہے وہ محض تعلیم کی سماعت سے نہیں پیدا کیا جا سکتا اخلاق کی کتابیں اپنی مؤثر تعلیمات سے انسانوں کو رُلا دے سکتی ہیں مگر ان کے دلوں کو نہیں پھیر سکتی، عدالت کا قانون مجرم کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال سکتا ہے۔ لیکن اس کو جرم سے باز نہیں رکھ سکتا، حکماء کے حکیمانہ نصائح نیکیوں کی بڑی بڑی تعریفیں اور بروں کی بڑی بڑی برائیاں بتلا دے سکتے ہیں، لیکن کسی برے انسان کو

نیک نہیں بنا سکتے۔

بڑھتا ہے اور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد

لیکن برخلاف اس کے کہ اگر ایک پاک اور مزکی انسان اپنی زندگی کے اندر نیکی کا عملی نمونہ رکھتا ہو اور اس کے اعمالِ حیات راست بازی کے لئے "اسوہ" کا حکم رکھتے ہوں تو وہ صرف اپنا نمونہ دکھلا کر نہ صرف افراد واشخاص کو بلکہ اقوام وامم کے اعمال کو یکسر پلٹ دے سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت خلق اللہ کے لئے صرف کتابوں اور شریعتوں ہی کو نہیں بھیجا بلکہ اس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کا (کہ ان کے حامل تھے) عملی نمونہ بھی دکھلا دیا۔ وہ جس دستور العمل کی طرف قوم کو بلاتے تھے اس کا عملی پیکر خود ان کی پاک ومطہر زندگی تھی۔ اگر شریعت بصورتِ قانون تختیوں اور کاغذوں پر منقوش تھی، تو بصورتِ وجودِ حی وقائم ان کی زندگی کے اندر پڑھی جا سکتی تھی اگر اس کی آیاتِ بینات حروف واصوات کی شکل میں دنیا کو دعوت دیتی تھیں تو انبیاء کرام کی زندگی عمل وفعل کے اندر سے اس کی تصویر دکھلا دیتی تھی، اگر قانون کہتا تھا کہ انسان کو ایسا کرنا چاہیے تو حیاتِ نبوت ثابت کر کے دکھلا دیتی تھی کہ اس طرح کیا گیا اور اس طرح کیا جا سکتا ہے۔

یہی حقیقت ہے جس کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس وقت بیان کیا تھا جب کہ ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واعمال کا حال پوچھا گیا تھا کہ "کان خلقہ القرآن" اگر تم

ان کے خلقِ عظیم کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو قرآن کو دیکھ لو، یہاں حروف والفاظ ہیں وہاں ایک پیکرِ مجسم تھا، یہاں قوت ہے وہاں فعل تھا، یہاں چراغ ہے وہاں اس کی روشنی تھی۔ حقیقت ایک ہی ہے۔ جس نے ایک جگہ علم کی اور دوسری جگہ عمل کی صورت پائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ "سنت" "کتاب" کا ایک حقیقی جزو اور مفہوم "کتاب" میں طبعاً داخل ہے کوئی علیحدہ اور مستقل وجود نہیں رکھتی۔ جو ظاہر بیں اس حقیقت سے بے خبر ہیں وہ قرآن کے ساتھ "حدیث" کا لفظ سنتے ہیں تو اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں کر سکتے وہ سمجھتے ہیں کہ "حدیث" کی پیروی، مطالبہ ایسا مطالبہ ہے جو قرآن کے علاوہ ایک دوسری قوت کا اثبات کرتا ہے۔ حالانکہ "سنت" کی اطاعت "کتاب" کی اطاعت میں داخل ہے۔ اور "سنت" علم قرآن ہی کی عملی تفسیر ہے اور اگر یہ سچ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے خوارج و منکرین کے مقابلہ میں فرمایا تھا کہ "میں قرآن ناطق ہوں" تو میں اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگرچہ کہ حقیقت ناشناس طبیعتیں سمجھتی ہیں کہ یہ بہت ہی بڑا دعویٰ تھا۔ یقیناً یہ بڑے سے بڑا دعویٰ تھا جو کوئی انسان کر سکتا ہے۔ لیکن اگر حضرت امیر نے کہا تھا تو غلط نہ تھا اگر ان کی مقدس زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "اسوہ حسنہ" کا ایک کامل عکس تھا اور ان کے اعمال کی روشنی سراج منیر رسالت ہی سے ماخوذ تھی تو کیوں انھیں یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنے تئیں قرآن ناطق کہیں؟

جو کتاب الٰہی مابین الدفتین حروف و نقوش کی شکل میں تھی اسی کی ہستی

ناطق تھی، جو اعمال حضرت مرتضوی کے اندر سے پکارتی تھی، خوارج سمجھتے تھے کہ یہ علی بن ابی طالب کی آواز ہے لیکن ابوذرؓ اور سلمان کی حقیقت شناسی جانتی تھی کہ یہ علی بن ابی طالب کی آواز نہیں ہے بلکہ "القرآن الحکیم" کی صدائے الٰہی ہے اور چونکہ "القرآن" کی آواز ہے اس لئے یقیناً خود منزل القرآن کی آواز ہے۔ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و لسانہ الذی یتکلم بہ (بخاری)

بہر حال یہ بحث بجائے خود محتاج تفصیل و نظر ہے۔ مختصر یہ کہ سعادت وہدایتِ انسانی کے لئے "تعلیم" کے ساتھ "نمونہ" اور "کتاب" کے ساتھ "سنت" ایک ضروری حقیقت ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اپنی تعلیمات کے لئے اس چیز کو ایک اساسی حقیقت قرار دیا۔

لقد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین ہ (۵:۱۸)

بلا شبہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نورِ ہدایت آیا اور کتاب الٰہی جس کی تعلیم بالکل واضح اور روشن ہے۔

اس آیۃ کریمہ میں "نور" سے مراد حاملِ قرآن (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وجود اقدس ہے اور "کتاب مبین" قرآن ہے۔ یہ "نور" وہی "اسوۂ حسنہ" ہے جو حاملِ قرآن کی مقدس زندگی میں "علم" قرآنی کا وجود عملی تھا۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (۳۳:۲۱)

بلا شبہ تمہارے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں پیروی و اتباع کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔

عربی میں "اسوہ" کا لفظ ہر نمونہ کے لئے کہا جاتا ہے اور نمونہ جس طرح خیر کا ہو سکتا ہے اسی طرح شر کا بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن حکیم نے "حسنہ" کے لفظ سے اسے متصف کیا تاکہ واضح ہو جائے کہ فضائل اور محاسن ہی کا نمونہ مقصود ہے، اسی طرح تمہیں معلوم ہے کہ سورۂ ممتحنہ میں بھی دو جگہ ملتِ حنفی و فطری کے اولین موسس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہی لفظ آیا ہے۔ قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ۔

عود الی المقصود

دنیا میں اعمالِ مقدسہ و حسنہ کی یادگار قائم کرنے کا مقصد بھی یہی اسوۂ حسنہ تھا۔ یعنی جن لوگوں نے کسی پاک و اعلیٰ عمل کا بہترین نمونہ اپنی زندگی میں پیش کیا ہے ان کی یاد کو ہمیشہ باقی رکھا جائے تاکہ ان کی یاد کے ساتھ ان کے اعمال کی یاد بھی تازہ ہوتی رہے اور اس کا نمونہ انسانوں کو عزائم امور کی طرف دعوت دے۔

اب دیکھو کہ قرآنِ حکیم نے کس طرح دنیا کی اس قدیم ترین رسم کی اصلی حقیقت لے لی اور کس طرح اس کی آلودگیوں کو اس سے بالکل الگ کر دیا؟ اس نے یادگاروں کے لئے پتھر نہیں بنائے جن کو حوادث ارضی کا ایک طمانچہ گرا دے سکتا ہے اور جن کا وجود انسان کی عظمت کے لئے ایک سخت داغ تھا اس نے اینٹ اور چونے کی عمارتیں نہیں بنائیں جو طوفان و برق کے ایک حملہ کی بھی تاب نہیں لا سکتیں اور جن کا اثر

ظواہر سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس نے سالانہ مجمعوں اور قومی تقریبوں پر زور نہیں دیا کیونکہ یہ وسائل ہمیشہ ظواہر و رسوم پرستی کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور یادگار کی معنویت مفقود ہو جاتی ہے۔ غرض کہ اس نے ان تمام وسائل تذکار سے یک قلم انکار کر دیا جو عام طور پر تمام تقریبوں میں رائج تھے اور جن کے ذریعہ خود انسانوں کی بڑائی تو کی جا سکتی تھی پر عمل کی تقدیس و تعظیم کے لئے اون کے اندر کچھ نہ تھا اور اس لئے ہمیشہ ان کا وجود انسان کی حقیقت پرستی کی راہ میں ایک سخت پتھر ثابت ہوا تھا۔

سورۂ کریمہ فاتحہ

اے عزیزانِ من!

اب میں تمام تمہیدوں اور مقدمات کی مبادیات سے گزر کر اصل موضوع کے قریب آگیا ہوں اور مجھے زیادہ تیز قدمی کرنی چاہیئے۔ مجھے یاد کرنا چاہیئے کہ میں نے اپنی تقریر کو سورۂ مبارکہ "فاتحہ" کی تلاوت سے شروع کیا تھا جسے بظاہر آج کی صحبت سے کوئی ربط نہ تھا۔ مگر وہ "السبع المثانی" ہے وہ تمام الکتاب" کا متن ہے اور وہ اس کی تمام تفصیلات کا وجود اجمالی ہے، پھر ہدایت انسانی کا کونسا مقام ہے جو قرآن کے سلطان احاطہ سے باہر رہ گیا ہو؟

غرض کہ قرآنِ حکیم نے یادگار و تذکار کے ان تمام رسمی و ضلالت آمیز طریقوں سے انکار کر دیا جو عام طور پر دنیا نے

اختیار کر لئے تھے۔

لیکن جب کہ اس نے وہ سب کچھ نہ کیا جو سب کوئی کرتے آئے تھے تو سوال یہ ہے کہ خود اس نے کیا کیا؟

اس نے "اسوۂ حسنہ" کی اصلی حقیقت کو اپنی تمام تعلیمات کا جزو اعظم بنایا اور اس کی یادگاروں کو انسان سے باہر نہیں جن کو انسان چھوڑ دے سکتا ہے بلکہ خود انسان کے اندر قائم کر دیا جو کبھی بھی اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتا اس نے مادی و جسمانی اعمال و اشکال کے اندر اس کی دعوتِ عمل و سعادت کو کم نہیں کر دیا جیسا کہ کم کر دی گئی تھی۔

....

بلکہ اس کو ایک خالص معنوی و روحانی اعتقاد بنا کر اس طرح دلوں کے اندر قائم کر دیا کہ اس کی حقیقت دائمی طور پر زندہ ہو گئی اور ہر طرح کی آلودگیوں اور رسم پرستیوں کی آمیزش سے بالکل محفوظ و مصئون بنا دی گئی۔

اس نے سب سے پہلے ہمیں ایک مقدس "دعا" بتلائی اور حکم دیا کہ دن میں پانچ مرتبہ جب اپنے پروردگار کے حضور بندگی و نیاز کے لئے حاضر ہو تو سب سے پہلے اسی دعا کو پڑھو۔ یہ وہ وقت ہو گا جب تم رب العالمین کے سامنے کھڑے ہو گے، اور اس کی رحمت کا دروازہ وا ہو گا پس ایک عاجز و درماندہ انسان فاطر السمٰوات والارض کے

حضور جا کر اپنے لئے سب سے بڑی نعمت اور سب سے زیادہ قیمتی دولت جو مانگ سکتا ہے وہ اس دعا میں مانگی گئی ہے اور چاہیئے کہ تم اسی نعمت کے سائل، اُسی مطلوب کے طالب اور اسی محبوب کے عاشق ہو!

یہ "دعا" سورۂ فاتحہ ہے جو ہر مومن دن میں پانچ مرتبہ نماز کی ہر رکعت کے اندر پڑھتا ہے۔ اور وہ نعمت، وہ دولت وہ متاع مطلوب و محبوب "الصراط المستقیم" ہے۔ جس کے مانگتے رہنے اور طلب کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اهدنا الصراط المستقیم۔ (فاتحہ)

خدایا! تو ہمیں الصراط المستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔

یہ "صراط المستقیم" کونسی راہ ہے اور اس سے مقصود کیا ہے؟ اس کی یہاں کوئی تشریح نہیں کی گئی البتہ یہ بتلایا گیا کہ:۔

صراط الذین انعمت علیھم۔ (فاتحہ)

ان لوگوں کی راہ جن پر اے پروردگار تو نے انعام کیا۔

پس اس تصریح سے صراط مستقیم وہ راہ ہوئی جو انعام یافتہ لوگوں کی راہ ہے یعنی جن لوگوں پر خدا نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں ان ہی کی راہِ عمل الصراط المستقیم ہوگی۔

چنانچہ سورۂ نساء میں "انعام یافتہ" جماعتوں کا بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ "انعمت علیھم" میں کن لوگوں کی طرف اشارہ تھا؟

ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا (۴: ۷۱)

اور جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی تو وہ سب ان خوش نصیبوں کے ساتھی ہو جائیں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ اور جن پر انعام کیا ہے وہ انبیاء ہیں، صدیقین ہیں، شہداء ہیں، اور صالحین ہیں، جس کسی کو ایسی انعام یافتہ جماعتوں کی معیت ملی تو کیا اچھی ہے اس کی معیت، اور کیا اچھے ہیں اس کے رفیق!!

اس آیۃ کریمہ نے صاف صاف بتلا دیا کہ سورۂ فاتحہ میں جس "الصراط المستقیم" کے تعین کے لئے صرف اس قدر اشارہ کیا گیا تھا کہ وہ "انعام یافتہ لوگوں کی راہ" ہے وہ کون لوگ ہیں؟ نیز ان کے مختلف مدارج ومقامات کیا کیا ہیں؟ جن جماعتوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اور انھیں "انعام یافتہ" کہا ہے، انھی کی راہ عمل وہ راہ ہدایت وسعادت ہو گی جس کا نام لسان الٰہی نے "الصراط المستقیم" رکھا ہے اور جس پر چلے بغیر کوئی فرد اور کوئی قوم "مغضوب علیہم" اور "الضالین" کی صراط مغضوبیت وضلالت سے الگ نہیں ہو سکتی۔

سورۂ نساء کی اس آیۃ کریمہ سے "انعمت علیہم" کی مزید تفسیر وتشریح کرنا ایک ایسی مسلم ومتفق علیہ تفسیر ہے جسے عہد صحابہ واہلِ بیتِ نبوت (رضوان اللہ علیہم) سے لے کر طبقات متاخرہ تک تقریباً

تمام ارباب علم و رسوخ نے اختیار کیا ہے اور مفسرین "خاصہ" و "عامہ" سب نے اسے قبول کیا ہے۔ چنانچہ جس طرح محدث ابن جریر طبری نے اس کے متعلق مفسرین صحابہ کے آثار جمع کئے ہیں اسی طرح علامہ کلینی اور شیخ طبرسی (صاحب تفسیر مجمع البیان) بھی اس سے انکار نہیں کرتے اس عاجز نے تفسیر "البیان" میں تصریحات حضرات علمائے کرام علیہم السلام و اقوال مفسرین خاصہ بھی نقل کر دئیے ہیں فمن شاء التفصیل فلیرجع الیہ۔

بہر حال یہ آیتہ کریمہ بتلاتی ہے کہ جس راہ پر چلنے کی سورۂ فاتحہ میں ہر مومن التجا کرتا ہے وہ راہ "انعام یافتہ" گروہ کی ہے۔ انعام یافتہ گروہ چار ہیں، الانبیاء، الصدیقون، الشہداء، الصالحون۔

اب دیکھو کہ قرآن حکیم نے یادگار و تذکار کے اصلی مقصد کو تمام آلودگیوں اور ضلالتوں سے صاف کر کے کس طرح قائم کر دیا ہے اور اس کے لئے کیسی دائم و قائم اور محفوظ و مصئون راہ اختیار کی ہے اس نے نیک انسانوں اور اعلیٰ ہستیوں کی یادگاریں زمین پر قائم نہیں کیں۔ لیکن ان کے اعمال کو ہر مومن کے دل پر نقش کر دیا۔ اس لئے ہر مومن باللہ پر پانچ وقت کی نماز فرض کی اور حکم دیا کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کرو، سورۂ فاتحہ کیا ہے؟ تمہید و تقدیس کے بعد ایک التجا ہے جو انسان اپنے خداوند کے حضور کرتا ہے، وہ التجا کیا ہے؟ "الصراط المستقیم" پر چلنے کی التجا ہے۔ تاکہ اس راہ کی اسے توفیق ملے

اور سعادت کونین حاصل ہو۔

اب اور آگے بڑھو دیکھو کہ "الصراط المستقیم" کونسی راہ ہے جسے ہر روز دن میں پانچ بار مومن یاد کرتا اور اپنے خدا کے حضور جا کر مانگتا ہے۔ فرمایا کہ وہ ان لوگوں کی راہ ہے جن پر اللہ نے انعام کیا۔ یہاں اس راہ کا طریقِ حصول یا اس کے عقائد و اعمال نہیں بتلائے گئے بلکہ صرف ان لوگوں کی طرف توجہ دلا دی گئی جنھوں نے ایسے عقائد ایسے اعمال ایسے عزائم ایسے اقدام کئے تھے جن کی وجہ سے خدا کی نعمتوں کے مستحق ٹھیرے تھے۔ یہی چیز "یادگار" ہے، یہی "تذکار" ہے، یہی وہ "مشاہیر پرستی" کی حقیقت اصلی ہے، جس کو تمام دنیا نے ڈھونڈا مگر نہ پایا وہ کبھی پتھر کے بتوں، کبھی اینٹوں کی عمارتوں، کبھی انسانوں کے مجسموں، کبھی ملکوں اور قوموں کی وقتی رسموں اور تقریبوں میں بھٹک کر رہ گئی اور "صراط الذین انعم اللہ علیہم" کی جگہ "الضالین" کی صراط پر چلی گئی۔

عزیزانِ من! مشاہیر پرستی کے زوائد و اباطیل کو چھوڑ دو صرف اس کی اصلی حقیقت کو اپنے سامنے لاؤ وہ کیا ہے؟ کیا صرف یہی نہیں ہے کہ جن انسانوں نے دنیا میں بڑے بڑے کام انجام دیئے ہیں۔ اور نیکی و صداقت کی راہ پر چلے ہیں ان کی یاد کو ہمیشہ زندہ رکھا جائے تاکہ ان کی یاد ان کے مقدس کاموں اور نیک عملوں کی یاد کو تازہ کر دے اور اس یاد آوری و تازگی سے قوموں کے لئے پاک ارادوں اور اعلیٰ کاموں کے کرنے کی تحریک ہو؟ اگر یہی ہے تو کیا تم نہیں دیکھتے کہ سورۂ فاتحہ کے

اندر یہی حقیقت کس طرح کار فرما ہے سورۂ فاتحہ میں انسان کی راہ سعادت وترقی کے لئے نہ تو عقائد و افکار بیان کئے اور نہ اعمال و افعال بلکہ ان انسانوں کی طرف توجہ دلائی جو انعام یافتۂ الٰہی تھے۔ یعنی جو انسان راہِ سعادت کو حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ انعام یافتہ انسانوں کی یاد کو ہر روز اپنے سامنے لائے اور ان کے عقائد و اعمال کے نمونے کو کبھی فراموش نہ کرے پھر اگر یہ دنیا کی پاک عمل ہستیوں کی سچی یادگار اور ان کا حقیقی تذکار نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ ایسا تذکار یقیناً یہ تذکار ہے جو اپنے خصائص کے لحاظ سے تمام دنیا میں کوئی نظیر نہیں رکھتا۔

پھر ان انعام یافتہ لوگوں کی تشریح کی کہ وہ انبیاء ہیں، صدیقین ہیں شہداء ہیں، صالحین ہیں، پھر ان میں سے ہر گروہ کے وہ اعمال حسنہ جابجا قرآن حکیم میں مشرح بیان کئے جن سے "الصراط المستقیم" کی راہِ سعادت متعین ہوتی ہے قصص القرآن کی اصلی غرض اسی "انعمت علیہم" کی تفسیر سمجھو، یہ چار گروہ وہ ہیں جن کے اندر نوع انسانی کا تمام اصلح واسعد حصہ آگیا اور انسانی عمل کی سچائی جب کبھی ظاہر ہوگی تو ضرور ہے کہ ان ہی انعام یافتہ چار جماعتوں میں سے کسی جماعت سے متعلق ہو، پس غور کرو کہ تم یادگار، یادگار پکار رہے ہو، تمام دنیا مشاہیر پرستی کے لئے بیقرار ہے، کرۂ ارضی کی ہر متمدن انسانی جماعت انسانی بڑائیوں کا تذکار کرنا چاہتی ہے۔ لیکن یہ کیسی یادگار کی عجیب و غریب خالص حقیقت ہے جو اس کی تمام خرابیوں کو دور کرکے قرآن حکیم نے ہمیں عطا کی ہے۔ دنیا کی

ہر قوم صرف اپنے ہی بڑوں کو تذکار کا مستحق سمجھتی ہے اور زیادہ سے زیادہ چند بڑے انسانوں کو یاد رکھنا چاہتی ہے۔ لیکن قرآنِ حکیم نے کرۂ ارضی کی تمام حقیقی بڑائیوں اور اعمالِ صالحہ کے تمام گھرانوں کو چن لیا اور حکم دیا کہ تم ان سب کے نمونوں کو اپنے ساتھ رکھو اور سب کے بڑے بڑے کاموں بڑے بڑے عزموں بڑی بڑی نیکیوں سے اپنی راہِ ایمان و اسلام کو مرکب و مقوم بناؤ۔ تم یادگاریں بنا کر سال میں ایک مرتبہ انھیں یاد کر سکتے ہو اور عمارتی و سنگی اشکال میں کبھی کبھی ایک غلط انداز نظر ڈال سکتے ہو اس سے زیادہ تمہارے تذکار کی حقیقت کچھ نہیں ہے، لیکن دیکھو تمہارے قرآن نے کیسی یادگار قائم کی جو ہر روز دن میں پانچ مرتبہ ہر مومن انسان کے سامنے آتی ہے اور صرف ایک ہی بڑے انسان کو نہیں بلکہ تمام راست باز انسانوں کو جو انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین میں گزرے، وہ یاد کرتا اور ان کے اعمال مقدسہ کے نمونوں پر چل کر راہِ سعادت کی منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہے۔

ذکرِ حسین رض

از

جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ الجامعہ دہلی

تمہید ہندوستان کی سرزمین پر جہاں ہر مذہب اور ہر ملت کے اہلِ دل ہمیشہ سے کثرت میں وحدت دیکھتے دکھاتے رہے ہیں یہ بات کہنے کے لئے کسی دلیل اور بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ حق کا نور ایک ہے، مگر دیکھنے والے ان میں جیسی اور جتنی دیدار کی طاقت ہے، اس کا جلوہ اپنے اپنے رنگ میں دیکھتے ہیں اور اس کی کیفیت اپنی اپنی زبان میں بیان کرتے ہیں۔ جب کوئی بات اس طرح کہنی ہو کہ ہر مذہب و ملت کے لوگ اسے سمجھ سکیں اور اس سے اپنے دل پر ٹھیک ٹھیک اثر لے سکیں تو ملتوں اور مذہبوں کی جدا جدا بولیوں اور الگ الگ مخصوص اصطلاحوں کو چھوڑ کر اسے انسانیت کی عام زبان میں کہنا ہوتا ہے۔ شہادتِ حسین رض کے موضوع پر کچھ لکھنے اور لکھانے کا

مقصد جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہی ہے کہ فخر انسانیت اور مایۂ نازش بشریت حسینؑ کے کارناموں کی قدر و قیمت کو انسانیت کے عام معیاروں پر پرکھا جائے اور اس کا نتیجہ انسانیت کی عام زبان میں بیان کیا جائے۔ سب جانتے ہیں کہ ایک محاورے کو دوسرے محاورے میں ترجمہ کرنا کٹھن کام ہے اور جب اس کے ساتھ یہ شرط ہو کہ ترجمے کی زبان وہ ہو جو انسانوں کے دل کی زبان ہے تو کام اور بھی کٹھن ہو جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لئے جو امام حسینؑ کا حال مذہبی رنگ میں سننے اور سنانے کا عادی ہے اسے اس نئے رنگ میں اس طرح بیان کرنا کہ اس ذکر سے جو کیفیت اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے وہی دوسروں کے دل میں پیدا ہو جائے بہت مشکل ہے۔ مگر یہ بات ہمت بندھاتی ہے کہ جب سننے والوں کے دل ہمدردی اور محبت سے سمجھنے پر آمادہ ہوں تو وہ ادھ کہی بات بلکہ بن کہی بات بھی سمجھ لیتے ہیں۔

واقعۂ شہادت اور عالم انسانیت

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عام انسانیت کے لئے حسینؑ کی شہادت کیا تخت طلبی کی بس ایک ناکام کوشش ہے جس میں آپ کو ناکام فریق سے ایک تاریخی ہمدردی سی ہے؟ یہ محض ایک مغرور المزاج سردار کی ضد یا ناعاقبت اندیشی ہے۔ جس میں ضد کرنے والا اتفاق سے آپ کے محبوبؐ اور مخدوم آقا کا جگر گوشہ ہے اس لئے آپ اس کی

ذبح کرتے ہیں۔ کیا یہ بے دردی اور سفاکی سے ایک کمزور جماعت کے مٹانے کی دل ہلانے والی کہانی ہے جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور آنسوؤں کی چند بوندیں آنکھوں سے بے اختیار ٹپک جاتی ہیں؟ دنیا کی تاریخ میں ہمدردیوں اور طرف داریوں کے لئے اتنے اور مواقع ہیں اور وہ شخصی اور جماعتی ناکامیوں اور نامرادیوں بیدردیوں اور سفاکیوں کی کہانیوں سے اتنی پُر ہے کہ صرف ان کے لئے تو دنیا کو حسینؓ کی داستان کی خاص ضرورت نہیں لیکن نہیں حسینؓ کی کہانی ان میں سے کوئی چیز نہیں، وہ تو انسانی سرفرازی اور سربلندی کی داستان ہے۔ شرف انسانیت کی کہانی ہے، انسان کے پستی سے بلندی کی طرف ارتقاء کی روداد ہے، اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معیاروں کی تفسیر ہے، یہی غلامی سے انسانی حریت کی طرف سفر کی منزل ہے، وہ دنیا میں خدائی بادشاہت کا اعلان ہے اور انسانوں میں اس کے قیام کے امکان بلکہ لزوم پر کسی جرح سے نہ ٹوٹنے والی شہادت ہے وہ منزل تکمیل انسانی کی راہ کا چراغ ہے اس چراغ کو باطل کی قوتیں جب کبھی اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتی ہیں تو حسینؓ کی یاد اس کی لَو کو روشن کر دیتی ہے جب راہِ حق و حریت میں انسانیت کے قدم ڈگمگاتے ہیں تو حسینؓ کی مثال اسے سہارا دیتی ہے۔

اور سنبھال لیتی ہے۔ جب دولت و قوت و اقتدار کی فرعونیت حق پرستوں کی تہی دست اور بے وسیلہ جمعیتوں پر عرصۂ زندگی تنگ کرتی ہے اور جب پیہم ناکامیوں کا ہجوم حق پر باطل ہونے کا وسوسہ دل میں ڈالتا ہے تو حسینؓ ہی کی مثال انھیں ثباتِ قدم کا سبق دیتی ہے اور یاس کی کفر آفرینی سے بچاتی ہے جب جماعتی زندگی کا فساد فرد کو بے حقیقت سا بنا دیتا ہے تو حسینؓ کی مثال اس فرد کو اس کی ذمہ داری یاد دلاتی ہے کہ جماعت کو اخلاقی جماعت بنانے کا فرض آخری طور پر اسی پر عائد ہوتا ہے۔ چاہے اس کوشش میں جماعت اسے زہر کا پیالہ پلائے یا سولی پر چڑھائے سنگسار کرے یا سر تن سے جدا کرکے شہادت کے خون سے زمین کو لالہ زار بنائے، زندگی کے حریص انسانوں کو حسینؓ یاد دلاتے ہیں کہ زندگی ہر حال میں جیے جانے کا نام نہیں ہے اور جتلاتے ہیں کہ۔ ع

"ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی"

جب کامیابی کے طلائی بچھڑے کی پرستش ہر سو ہو رہی ہو تو حسینؓ ناکام کا نام ہی اس سحرِ سامری کا توڑ بن جاتا ہے اور حسینؓ کی ناکامی کے روبرو باطل کی ساری فتح مندیاں سرنگوں و شرمسار نظر آتی ہیں۔

حسینی عظمت اور اس کا راز

لیکن آخر یہ سب کیوں؟ اس لئے کہ حسینؓ نے اپنی جان دے کر خدا کی خدائی اور انسان کی شرافت پر

شہادت دی ہے اور اس دستاویز پر اپنے خون سے مُہر ثبت کی ہے۔ یہ انسانی شرافت کیا ہے؟ بہائم پر انسان کو کون سی چیز برتری کا مرتبہ دیتی؟ اس کے سینے میں قانون و اخلاق کا وجدان

یہ جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں؟

اس کے دل میں اعلیٰ اقدار کا ذوق و شوق ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف جانے کا فطری قصد۔ اعلیٰ کو جان کر ادنیٰ پر قناعت سے اس کی فطری بیزاری، پھر ان اقدار اعلیٰ کا مطلق اور کامل حیثیت میں یقین اور اس پر اس کے قلب و ضمیر کی تصدیق، یہی صفات اخلاقی کے وہ مکمل نمونے ہیں جن پر ہر چیز کی قدر و قیمت پرکھی جاتی ہے مثلاً عدل، حق، خیر، حسن۔ انھیں سے اس کی شبِ تار حیات میں روشنی کی جھلک ہے۔ انھی سے اس کی بے چینی میں سکون اور پراگندگی میں دل جمعی کا سامان ہے۔ وہ بھٹکتا ہے تو یہی دلیل راہ ہوتی ہیں، زندگی کے دوراہے پر جب یہ کفر کی طرف جاتا ہے تو یہی اسے شکر کی طرف کھینچتی ہیں" اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ میں یہی اَحْسَنَ تَقْوِیْم یاد دلاتی ہے۔ انھیں بھلایا جاتا ہے مگر پھر بار بار یاد آتی ہیں انھیں دبایا جاتا ہے، مگر یہ پھر ابھرتی ہیں۔ ان سے بدکنے والے وحشی بھی۔ ع

پھر پھر کے ان کو جاتے ہیں تکتے

یہ اقدار مطلقہ حواس ظاہری سے محسوس نہیں ہو سکتیں، ان کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ چشم ظاہر ان کے نظارے سے محروم ہے۔

صرف چشمِ باطن ہی کو ان کی جھلک نظر آتی ہے۔ ہر ملک میں ایسے خدا کے بندے پیدا ہوتے ہیں جو ان اقدار کو بے حجاب اس طرح دیکھتے ہیں، جیسے ہم چاند، سورج، ستاروں کو دیکھتے ہیں اور ان کے نور سے وہ دنیا کی ہر چیز کو، زندگی کے ہر شعبہ کو انفرادی ہو کہ اجتماعی منور کرنا چاہتے ہیں، اپنے قول سے ان اعلیٰ قدروں کی تلقین کرتے ہیں، اپنے عمل سے ان کی تصدیق کرتے ہیں انھیں اپنے پر طاری کرتے ہیں اپنے اندر رچاتے ہیں اور اس طرح اپنی زندگی کی روشنی سے دوسروں کی نظریں ان تک پہنچاتے ہیں اور دوسروں کے دل ان کی طرف جھکاتے ہیں اور جب انسان کی بہیمیت ان پر نرغہ کرتی ہے تو ان کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ حفاظت میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن ان کا اصلی رنگ ناکامی میں نکھرتا ہے ان کی ظاہری کامیابی سے ان کی پیش کردہ اقدار پر یقین اتنا راسخ نہیں ہوتا جتنا اس وقت ہوتا ہی جب باطل کی یلغار اتنی شدید ہوتی ہے کہ کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، شکست یقینی ہوتی ہے اور یہ ناکامی اور شکست کے یقینی ہونے کے باوجود اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کے ساتھی نہیں بنتے، اس پر گالیاں کھاتے ہیں، ذلتیں سہتے ہیں، تکلیفیں اٹھاتے ہیں، اور اگر یہ مرتبہ بلند نصیب میں ہوتا ہے تو آخر کار جان کی نذر پیش کر کے اپنی سچائی کا

آخری ثبوت دیتے ہیں۔ اور انسانیت کو جتا دیتے ہیں کہ کامیابی اور اقتدار کی لاگ سے وہ کہیں یہ نہ سمجھ لے کہ ان اقدارِ مطلقہ کی سیوا بس اسی وقت تک ہے جب تک فتح مندیاں ہیں۔ نہیں، ان کے ساتھ رہ کر ناکامیاں دوسروں کے ساتھ کی کامیابیوں سے اعلیٰ کی خاطر بدنامیاں، ادنیٰ کے ساتھ کی نیک نامیوں سے بہتر ہیں۔ ان کی جلو کی رسوائیاں بڑی بڑی کامرانیوں سے زیادہ وقیع اور ان کی سنگت کی تنہائیاں لشکروں اور جشیوں پر قابلِ ترجیح ہیں۔ حسینؓ انھی اقدارِ مطلقہ کے علمبردار تھے۔ انھیں کے لئے جیئے۔ انھیں کے لئے لڑے اور انھیں پر اپنی جان نثار کر گئے۔ اور اپنی زندگی اور اپنی موت دونوں سے انسانیت کے لئے ایک دائمی شمعِ ہدایت روشن فرما گئے۔ اس شمع کی روشنی زندگی کے ہر شعبے میں راہ نما ہے۔ لیکن جماعتی زندگی کی گمراہیوں میں اس شمع سے اکتسابِ نور کی طرف خاص طور پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

امتیازِ حق و باطل انسان کا فرض ہے

اسلام کے نزدیک دین کی بنا راقدار کی وحدت پر ہے۔ بنیادی اقدار حکم، حکمت اور حق ہیں، حکمت اور حق بنیادی اقدار کی حیثیت سے معروف ہیں۔ میں صرف حکم کی تشریح کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے مراد ہے حکومت، اقتدارِ اعلیٰ، ذرا سوچیے تو یہ بات واضح

ہو جاتی ہے کہ نوع انسانی کی اچھی سیاسی تشکیل، عدل اور انصاف پر مبنی حکومت کا قیام، انسان کی اخلاقی زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔ اس لئے اچھی حکومت بھی ایک اخلاقی قدر رکھتی ہے اور اس کا ایک مکمل نمونہ ہماری ہدایت کے لئے ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا حکمت اور حق کا۔ اس کا نام حکم ہے۔ حکم، حکمت اور حق کو ایک ماننا اسلام کی تعلیم ہے یعنی اسلام یہ کہتا ہے کہ حکم بھی اسی ذات کے لئے ہے جو عین حق اور عینِ حکمت ہے۔ عبادت یعنی غیر مشروط اور غیر محدود اطاعت صرف اسی کی کرنی چاہیئے اور کسی کی نہیں۔ شرطوں کے ساتھ اور حدوں کے اندر دوسرے کی اطاعت بھی کی جا سکتی ہے مگر شرط اور حد یہی ہے کہ مجازی حکم، حقیقی حکم اور حکمت اور حق کے خلاف نہ ہو، اگر دنیا میں حکمِ حقیقی قائم ہو تو انسان کا کھلا ہوا فرض ہے کہ بغیر کسی شرط کے اس کی اطاعت کرے لیکن اگر حکم مجازی کا دور دورہ ہے تو اطاعت کے لئے شرطیں لگانی پڑتی ہیں۔ جن میں سب سے پہلی چیز یہی ہے کہ انسان کو کوئی کام اس حکم کے خلاف نہ کرنا پڑے، جسے وہ حکم حقیقی جانتا ہے۔ لیکن سب سے بڑی مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب حکم مجازی سراسر حکم حقیقی کے خلاف ہو اور انسان کو اس کی خلاف ورزی پر مجبور کرتا ہو۔ اس سے بڑھ کر مشکل جس کے تصور تک سے

حق پسند کا دل کانپ اٹھتا ہے یہ ہے کہ باطل کی حکومت یہ مطالبہ کرے کہ اُسے حکمِ حقیقی سمجھا جائے، جب دنیا پر یہ مصیبت آئے تو آدمی کا فرض ہے کہ وہ قول وفعل سے یہ اعلان کرے کہ یہ باطل کی حکومت سراسر حکمِ حقیقی کے خلاف ہے میں اس کے آگے ہرگز سر نہ جھکاؤں گا اور کوئی اس کے آگے سر نہ جھکائے۔ اس اعلان کا نام شہادت ہے۔ اس شہادت پر باطل کی قوتیں ٹوٹ پڑتی ہیں۔ مگر اس کے سارے ظلم سہہ کر ہی مردِ حق دوسروں کو حق و باطل کا فرق دکھا سکتا ہے میں نے ابھی کہا تھا کہ قدرِ اعلیٰ کو بے حجاب دیکھنے والے کم ہوتے ہیں اب یہ مردِ حق جو حکمِ حقیقی کو بے حجاب دیکھ رہا ہے۔ دنیا کے کم نگاہوں کو کس طرح دکھائے سوا اس کے کہ اس راہ میں قربانیاں کر کے اپنے عقیدے کی قوت سے دلوں کو پگھلائے کبھی کبھی اس راہ میں جان دے کر آخری قربانی دینی پڑتی ہے۔ جو شخص جان دے کر باطل کے مقابلہ میں آخر دم تک حق کا اعلان کرے وہی شہادت کے سب سے اونچے درجے پر فائز ہوتا ہے اور عام طور پر شہید صرف اسی کو کہتے ہیں۔

باطل سے جنگ

اب آپ تاریخ کے صفحات پلٹ کر دیکھئے۔ اسلام کا ابتدائی زمانہ جبے مسلمان سب سے

زیادہ اچھا سمجھتے ہیں، گزر چکا ہے۔ حکم حقیقی یعنی خلافت راشدہ کا دور ختم ہوتا ہے۔ حکم مجازی یعنی ملوکیت کا دور آتا ہے۔ حکم حقیقی کے خلاف ملک کے محاصل ذاتی ملک بنتے ہیں اور بادشاہ بہت بڑا خزانہ جمع کر کے دولت کے بل پر اپنی قوت بڑھاتا ہے اور عالم اسلامی کو اپنی طاعت پر مجبور کرتا ہے، کچھ لوگ ڈر سے کچھ لالچ سے سر جھکا دیتے ہیں، بعض سر ایسے ہیں جو نہیں جھکتے، انھی میں رسول اللہ کے نواسے حسینؓ کا سر ہے۔ لالچ، دھمکی، فریب، سب سے کام لیا جاتا ہے مگر حسینؓ یزید کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں۔ بھلا حسین جن کی رگوں میں علیؓ، فاطمہؓ اور محمدؐ کا خون تھا، جن کے دل میں حق کا خوف اور حق کا عشق تھا حکم باطل کو حق کیسے کہہ دیتے ہیں، حسینؓ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا گویا اعلان کر دیا کہ یزید کا حکم، حکم باطل ہے، یہ پہلی شہادت تھی۔

ان کو ان کا وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ مکہ میں بھی چین نصیب نہ ہوا۔ ترکِ وطن کر کے عراق کا قصد کیا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ مجھے یزید کے حکم کے باطل ہونے پر اس درجہ یقین ہے اور اسے قبول کرنے سے اس شدت سے انکار ہے کہ ترکِ وطن کی تکلیف اٹھانے کو تیار ہوں۔ یہ دوسری شہادت تھی۔

کوفے کی راہ میں کربلا کے مقام پر یزید کے لشکر نے حسینؓ کی راہ روکی اور ان کا چھوٹا سا لشکر گھر گیا۔ اب آخری قربانی اور آخری امتحان کا سامنا تھا۔ حسینؓ نے آخری قربانی پیش کی، آخری امتحان میں پورے اترے ان کے ساتھیوں اور عزیزوں میں سے ایک ایک مارا گیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے قتل ہوئے۔ آخر خود حسینؓ زخموں سے چور چور زمین پر گرے۔ مگر ان کے دل میں یہی تھا۔ اور ان کے زبان پر یہی تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں حکم صرف اللہ ہی کے لئے ہے یہ تیسری اور آخری شہادت تھی۔

کہتے ہیں کہ جب لشکر شام والے حسینؓ کی اہل بیت کو اسیر کر کے کربلا کے شہیدوں کے سر نیزوں پر چڑھا کر لے چلے تو راہ میں ہر جگہ حسینؓ کا سر اللہ کی وحدت اور بڑائی اور اس کے حکم کی شہادت دیتا تھا۔ مذہبی عقیدت اس بات کو لفظاً بھی صحیح مان سکتی ہے، مگر اس سے قطع نظر کر کے دیکھئے تو واقعی حسینؓ کا سر جہاں کہیں جاتا ہوگا، زبانِ حال سے حکم حق کی شہادت دیتا ہوگا۔ آج تیرہ سو برس بعد بھی حسینؓ کی مثال بلکہ حسینؓ کا نام اس کی شہادت دیتا ہے اور قیامت تک دیتا رہے گا کہ حکم صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔

جب کبھی دنیا میں حکم حقیقی کی قدر کا تسلط ہوگا تو دنیا ضرور یاد کرے گی کہ اس کے سب سے بڑے محسنؐ کے نواسےؓ نے کس طرح اس کی حمایت میں اپنی جان نذر دی تھی۔ جب دنیا میں افراد اور اقوام ان اقدار اعلیٰ کے سیوک کی حیثیت سے ارتقاء روحانی و ذہنی کے منازل سبک رفتاری سے طے کرتی ہوں گی اور ان قدروں کے حاملوں کو ناکامی سے دوچار نہ ہونا پڑے گا تو وہ ضرور یاد کرے گی کہ صدیوں پہلے ایک بے یار و مددگار حق پرست نے ناکامی کے ڈر سے بغیر ان اقدار اعلیٰ کی حمایت کی ہمت کی تھی اور جب دنیا کی طاقت و جبروت اس کے خلاف تھی تو انھیں کے خاطر اس نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا۔ جب دنیا سب ایک خدا سے ڈرے گی اور اس طرح اور سبھوں کے ڈر سے نجات پا چکی ہوگی تو وہ یہ نہ بھولے گی کہ فاطمہؓ کے لالؓ نے میدانِ کربلا میں اپنا سر کٹوا کر اس اطاعت اور سربلندی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس وقت یہ بے نوا، حکمرانوں کا حکمران دکھا دے گا یہ تاکام دین و ایمان کا پشت پناہ نظر آئے گا اور اس کا خاک و خون میں لتھڑا ہوا سر الٰہی سطوت و جبروت کا علم معلوم ہوگا۔ اور عارف اجمیری کے لفظوں میں سب پر روشن ہو جائے گا کہ ؎

شاہ است حسینؓ بادشاہ است حسینؓ
دین است حسینؓ دین پناہ است حسینؓ
سرداد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؓ

یوم حضرت مجدد الف ثانیؒ

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون ۵
الذین اٰمنوا وکانوا یتقون ۵ لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا
وفی الاٰخرۃ لا تبدیل لکلمات ذلک ھو الفوز العظیم ۵

(سورۂ یونس ع ۷)

ترجمہ۔ سن رکھو کہ جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان کو اور نہ غم کرتے ہیں۔ ان کو بشارت ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں یہی ہے بڑی کامیابی۔

ولی کس کو کہتے ہیں یہ بھی سن لو:۔

روی الطبری سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اولیاء اللہ فقال ھم الذین

امام طبریؒ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اولیاء اللہ کون ہیں آپؐ نے فرمایا

اذا رؤا ذکر الله قال بن عباس
هم الذین یذکر الله لرویتهم
اصل الولی من الولایة وهو القرب
والنصرة فولی الله هو الذی یتقرب
الی الله بکل ما افترض
علیه ویکون مشتغلا بالله
مستغرق القلب فی معرفة
نور جلال الله فان رای
رای دلائل قدرة الله
وان سمع سمع ایات الله
وان نطق نطق بالثناء
علی الله وان تحرک تحرک
فی طاعة الله وان اجتهد
اجتهد فیما یقربه الی الله
لا یفتر عن ذکر الله ولا یری
بقلبه غیر الله فهذه
صفة اولیاء الله واذا
کان العبد کذلک کان الله
ولیه وناصره ومعینه

وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے،
حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ
وہ لوگ ہیں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آئے
ولی مشتق ہے ولایت سے ولایت کے معنی
ہیں قرب کے اور مدد کرنے کے لہذا ولی اللہ
وہ ہے جو خدا سے قریب ہو جائے اپنے فرائض
کو ادا کرے اور اللہ کی یاد میں مشغول ہو
اس کا دل جلالِ الٰہی کے نور کی معرفت
میں ڈوبا ہوا ہو اگر وہ آنکھ کھولے تو دلائل
قدرت دیکھے اگر کان کھولے تو آیاتِ الٰہی
سنے زبان کھولے تو ثنائے الٰہی کرے اگر حرکت
کرے تو اطاعت الٰہی میں اور اگر کوشش
کرے تو خدا کا قرب حاصل کرنے کی۔
خدا کی یاد سے کبھی غافل نہ ہو۔ اور
سوائے اللہ کے اس کا دل کسی کو نہ
دیکھے۔ یہ ہیں اوصاف ولی اللہ کے
اور جو بندہ ان صفات کو حاصل
کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا کارساز
مددگار اور معین بن جاتا ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا التقویٰ ان یتقی العبد کل مانھی اللّٰہ عنہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اللہ اُن لوگوں کا کارساز ہے جو مومن ہیں۔ تقوی یہ ہے کہ جو باتیں منع ہیں ان کو نہ کرے۔

(تفسیر لباب التاویل)

اب ہم پر لازم ہے کہ اگر کسی بزرگ میں اوصاف بالا پائیں تو اس کی ولایت کے قائل ہوں۔ ورنہ نہیں۔ اگر کسی شخص میں یہ صفتیں نہ ہوں۔ اور ہم اس کی ولایت کے قائل ہو جائیں تو ہم خلاف کریں گے ارشادِ الٰہی اور کلامِ نبوی کے۔ ایمان اور تقوی کا کمال حالات ذیل میں دیکھو۔

حضرت امام ربّانی مجدّد الفِ ثانی رضی اللہ عنہ کے حالات

حضرت کا نام شیخ احمد ہے، وطن سرہند شریف، ملک پنجاب، نسب فاروقی شیخ، شہاب الدین علی ملقب بہ فرخ شاہ کابلی پندرھویں پشت میں آپ کے جد تھے، ان کا سلسلۂ نسب بارھویں پشت میں حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے۔ شہاب لدین علی شاہانِ کابل کے بڑے امرا میں سے تھے۔ ہندوستان میں آکر آباد ہوئے اس لئے ان کا قبیلہ کابلی کہلایا۔ حضرت شیخ المشائخ خواجہ فرید الدین گنج شکر ان ہی کی اولادیں ہیں۔

میر غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان میں حضرت امام ربانی کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

سحاب ھاطل سروی العرب والعجم اقطارہ نیر اعظم بلغ المشارق والمغارب انوارہ ملاٴ من فیضہ السموات والارضین وصلت سلسلۃ من الھند الی ماوراء النھر والروم والشام والعرب۔

ایک ابر باراں ہیں جس کی بارش نے عرب و عجم کو سیراب کر دیا اور ایک خورشید تاباں ہیں جس کے انوار مشرق اور مغرب پر چھا گئے آپ کے فیض سے آسمان اور زمین بھر گئی آپ کا سلسلہ ہندوستان سے ماوراالنہر، روم، شام اور عرب تک پہنچ گیا۔

آپ کے والد ماجد کا نام خواجہ عبدالاحد ہے۔ خواجہ صاحب علوم ظاہری میں فارغ التحصیل تھے، ہمیشہ تدریس ظاہری و باطنی میں مصروف رہتے تھے، مطالعہ کتب بھی جاری رہتا۔ تصوف کی مشہور کتابوں پر (مثلاً تعرف، عوارف المعارف فصوص الحکم) پورا عبور تھا۔ فقہ اور اصول فقہ میں خصوصاً مہارت تام حاصل تھی۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ العزیز سے طریقۂ چشتیہ میں بیعت تھی، چونکہ بیعت کے وقت تک علوم ظاہری کی تکمیل نہیں ہوئی تھی، اسی لئے شیخ کے حکم کے مطابق صحبت سے جدا ہو کر تکمیل تحصیل کے لئے جانا پڑا۔ حضرت شیخ نے اس وقت

فرمایا "درویشی بے علم راچنداں نمکے نیست" اس بارہ میں حضرت شیخ کے صاحبزادہ شیخ رکن الدین قدس سرہٗ کا مقولہ ہے "برین نسبت خانوادۂ ماست کہ فرزنداں رابکمالات صوری آراستہ سازند وآں گاہ بمجاہدات وریاضات انداختہ بپایۂ قطبیت رسانند" تحصیل علم کے بعد خواجہ صاحب حاضر آستانۂ مرشدی ہوئے اس وقت حضرت شیخ رحلت فرما چکے تھے۔ صاحبزادہ کی خدمت میں رہ کر طریقۂ چشتیہ، قادریہ کی خلافت حاصل کی۔ یہی حضرت شیخ کی وصیت تھی طریقۂ قادریہ حضرت شاہ کمال کیتھلی سے بھی حاصل کیا۔ حضرت امام ربانی نے فرمایا ہے کہ سلسلہ قادریہ میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے بعد شیخ کمال کے مرتبہ کے مشائخ خال خال نظر آتے ہیں۔ خواجہ عبدالاحد صاحب نے ۱۰۰۷ھ میں قریباً اسی برس کے سن میں انتقال فرمایا۔ قدس سرہٗ العزیز "شیخ زمین" (۱۰۰۷ھ) تاریخ وصال ہے۔

حضرت امام ربانی خواجہ صاحب کے چوتھے فرزند تھے ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت "خاشع" ۹۷۱ھ ہے، ابتدائے عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔

علوم ظاہری کی تحصیل اپنے والد ماجد سے فرمائی معقول کتابیں نہایت تحقیق کے ساتھ مولانا کمال الدین کشمیری سے سیالکوٹ جاکر پڑھیں۔ اصول کی کتاب عضدی بھی ان ہی سے پڑھی۔

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی مولانا کمال کے شاگرد تھے۔ حدیث کی بعض کتابیں شیخ یعقوب کشمیری سے پڑھیں، حدیث الرحمون یرحمہم الرحمٰن مسلسل بالاولیت کی سند نیز فن تفسیر و حدیث کی سند قاضی بہلول سے حاصل کی، قاضی صاحب شاگرد تھے، شیخ عبدالرحمٰن محدث کے جن کا گھرانہ حرمین محترمین میں حدیث کے واسطے مستند تھا رحمہم اللہ تعالیٰ۔ حضرت امام ربانی علوم ظاہری کی تحصیل سے سترہ برس کے سن میں فارغ ہو گئے تھے۔ بعد ختم تحصیل عرصہ تک درس دیا۔ اسی زمانے میں ابوالفضل اور فیضی سے ملاقاتیں رہیں اور انھوں نے آپ کے علم و فضل کو مانا۔ متعدد رسالے عربی فارسی میں تصنیف فرمائے۔ بالآخر سلوک کی جانب متوجہ ہوئے۔ چشتیہ اور قادریہ سلسلہ میں اپنے والد ماجد سے بیعت کی اور مجاہدہ فرمایا۔ طریقہ قادریہ شاہ سکندر سے بھی حاصل کیا۔ جو سجادہ نشین تھے۔ حضرت شاہ کمال کے شاہ صاحب نے خرقہ خلافت بھی حسب وصیت اپنے شیخ کے لاکر حضرت امام ربانی کو دیا۔ حضرت اپنے والد کی رحلت کے بعد دہلی تشریف لے گئے اور وہاں حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ عنہ کے کمالات کی شہرت سن کر حاضرِ خدمت ہوئے۔ خواجہ صاحب نے بہت شفقت فرمائی۔ اور چندے حاضر خدمت رہنے کی فرمائش قبول فرما کر شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے۔ عرصۂ قلیل میں آثار فیوض خاص کثرت سے نمایاں ہوئے۔ اور مراتب سلوک

بہت سرعت سے طے کئے۔ لکھا ہے کہ ڈھائی مہینے میں سلوک طے کیا تھا، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ سرعت سیر نتیجہ ہے۔ محبوب و مراد ہونے کا۔ نیز حضرت امام ربّانی کی شان میں کثیر العلم اور قوی العمل فرمایا ہے۔ بالآخر تعلیم و تربیت کے بعد خرقۂ اجازت عطا فرماکر سرہند کی واپسی کی اجازت فرمائی۔ حضرت سرہند شریف پہنچ کر طالبانِ حق کی تربیت میں مصروف ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ فیضِ تربیت سے ایک گروہ کثیر اہل اللہ کا کامیاب ہوا۔ اس کے بعد آپ پھر اپنے پیر و مرشد کے آستانہ پر تشریف لائے اور فیوض تعلیم و تربیت حاصل کئے۔ یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ باوجود اس کمال کے پیر کا ادب اور پاس و لحاظ سب سے زیادہ آپ ہی کو تھا۔ ایک روز حضرت خواجہ صاحب نے آپ کے بلانے کو آدمی بھیجا۔ پیام رساں کا بیان ہے کہ پیام سن کر آپ کا چہرہ فق ہو گیا، بدن کانپنے لگا، اسی زمانے میں خواجہ صاحب نے اپنے یہاں کے تمام طالبانِ حق کی جماعت آپ کے سپرد فرما دی اور خود تعلیم و تربیت سے کنارہ کش ہو گئے، فرمایا کہ یہ تخم ہم بخارا و سمرقند سے لائے تھے، ہندوستان میں لاکر لگا دیا۔ حضرت امام ربانی پیر بزرگوار کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تھے حاضری کے بعد حسب الامر لاہور تشریف لے گئے۔ راوی ندی کے کنارے پر بھی چشمۂ فیض رواں ہوا، اور

تشنہ لبانِ طلب رشحاتِ کرم سے سیراب ہوئے۔ یہیں حضرت خواجہ صاحب کے وصال کی خبر پہنچی اور صحبت درہم برہم ہوگئی حضرت دہلی تشریف لے گئے وہاں پسماندوں کی تسکین فرمائی، سلسلۂ ارشاد کو رونقِ تازہ بخشی، کچھ عرصے کے بعد سرہند تشریف لے آئے۔ معمول تھا کہ جمادی الآخر کے مہینے میں (جو حضرت خواجہ صاحب کی رحلت کا مہینہ ہے دہلی تشریف لے جاتے اور مزار پرانوار پر حاضر ہوتے، نقشبندی طریقہ کے سوا آپ قادری وچشتی طریقت میں بیعت لیتے تھے اور ان سلسلوں کی تعلیم فرماتے جب ان طالبین کی طرف توجہ ہوتی تو نقشبندی طریقے کے طالبین کیفیتِ قبض محسوس کرتے اس کے اظہار کے جواب میں ارشاد ہوتا کہ ہم فلاں طالبین کے جانب متوجہ تھے۔

آخر عمر میں حضرت امام ربانی کے مراتب عالیہ کا بیان بعض علمائے ظاہر کی فہم سے ماوراء ثابت ہوا۔ معاملہ بادشاہِ وقت جہانگیر کے دربار تک پہنچایا گیا۔ شاہ جہاں کو حضرت سے دلی عقیدت تھی انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ مسائل تو حضرت کے بیان سے صاف ہو جائیں گے مگر سجدۂ تعظیمی نہ کرنے سے قصہ پیدا ہو جائیگا اس لئے جب حضرت دربار میں طلب ہوئے تو شاہجہاں نے راستہ میں فاضل خاں اور مفتی خواجہ عبدالرحمٰن کو بعض فقہ کی کتابیں دیکر بھیجا، تاکہ ان کتابوں کی سند سے یہ بیان کریں، سجدۂ تحیت کا

بادشاہوں کے لئے جواز کتب مذکور میں درج ہے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ عزیمت کے خلاف ہے، چنانچہ آپ نے سجدہ نہیں کیا، بادشاہ نے اعتراض پیش کئے۔ آپ نے جواب شافی ارشاد فرمائے، موقع پاکر کسی اہلِ غرض نے یہ کہہ کر بادشاہ کا مزاج برہم کر دیا کہ شیخ نے بادشاہ کی تعظیم نہیں کی اس پر بادشاہ نے بگڑ کر قید کا حکم دیدیا، چنانچہ تین سال تک آپ گوالیار کے قلعہ میں محبوس رہے۔ لذت حبس کے متعلق ارشاد آگے آئے گا، تین برس کے بعد قید سے نکال کر اپنے لشکر کے ساتھ رکھا، جہاں شاہی لشکر جاتا آپ بھی تشریف لے جاتے اس طرح مختلف مقامات کی مخلوق کو فیوض گرامی سے فیضیاب ہونے کا موقع مل گیا، اسی دوران میں اجمیر شریف بھی تشریف لے گئے آستانۂ معلّیٰ پر مراقبہ فرمایا۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے توجہات عالیہ سے سربلند فرمایا۔ اسی زمانہ میں قبر شریف کا غلاف بدلا گیا تو خدّام نے حضرت امام ربّانیؒ کو لاکر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خواجہ صاحب کی طرف سے خلعت ہے، میرا کفن اسی چادر سے دیا جائے۔ آخر کار جہانگیر نے حضرت کو سرہند شریف کے قیام کی اجازت دیدی، اور آپ وطن مالوف میں رونق افروز ہوئے مراجعت وطن کے بعد زمانہ خلوت گزینی اور زاویہ نشینی میں گزرا۔ صرف نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ ادا فرمانے باہر تشریف لاتے جلوت گاہ

میں صرف صاحبزادگان والا تبار اور خاص احباب باریاب ہوتے اسی صحبت میں ایک بزرگ کا مقولہ ایک روز ارشاد فرمایا "چون بوعلی دقاق را مجلس عالی شد مجلس او از خلق خالی شد"، اس زمانے میں جو تحریریں دوستوں کو لکھی ہیں ان میں عمر کے اختتام کی بابتہ ایما فرمایا ہے۔ ۲۸ر صفر المظفر روز سہ شنبہ کو ۱۰۳۴ھ میں رحلت فرمائی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا۔ رفیع المراتب ۱۰۳۴ھ تاریخ وفات ہے۔ ۶۳ برس کی عمر ہوئی۔ یہ قدرتی اتباع سنت تھا وصیت اخیر یہ تھی "سنت را بدندال خواہند گرفت"۔

علو مراتب حضرت نے جو مقامات عالیہ سلوک میں طے فرمائے ان کی حقیقت اور شان سے وہی بزرگ آگاہ ہو سکتے ہیں جو فہم و بصیرت کا نور رکھتے ہوں جو کتابیں حضرت کے حالات میں لکھی گئی ہیں، نیز خود آپ کی تصانیف میں ان کا ذکر و بیان ہے اس تین سو برس سے زیادہ زمانے میں طریقہ مجددیہ نقشبندیہ نے جو فیوض و برکات عالم کو پہنچائے ہیں اور جو اولوالعزم اور بلند مرتبہ اولیا رکرام اس سلسلہ میں ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں وہ مجسّم شہادت ہیں، حضرت امام ربانی کے کمالات عالیہ کی۔ آپ مجدد الف ثانی تھے۔ یعنی ایک ہزار سال کے گزر جانے پر تجدید دین و سنت کی خدمت ادا کرنا آپ کے سپرد تھا! اگلی امتوں میں ایک ہزار برس کے بعد اولوالعزم رسول پیدا ہوتے

تھے، حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد رسول یا نبی نہیں آسکتے، اس لئے حدیث شریف میں ہے کہ اس امت میں ہر سو برس کے بعد مجدد پیدا ہوگا جو گزشتہ سو سالی کی بدعات کو دور کرکے دین کی اصلی حالت نمایاں کرے گا۔ حضرت امام ربانی الہام کی رو سے مجدد الف ثانی مقرر ہوئے اور اس کے اعلان پر مامور۔ علمائے ظاہر میں سب سے اول ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے آپ کو مجدد الف ثانی لکھا یہی شان مراتب بلندی کی باعث ہوئی، آپ قطب ارشاد تھے، قطب افراد تھے اور مراد محبوب اسی لئے آپ کثیر العلم اور قوی العمل تھے، اسی قوت خداداد نے ڈھائی مہینے میں مراتب سلوک طے کرائے۔

اتباع سنت اور ارشادات

حضرات نقشبندیہ کے طریقہ کا اصل اصول اتباع سنت ہے حضرت خواجہ بزرگ بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ العزیز نے ابتداء عمر میں خواب دیکھا تھا کہ خانہ کعبہ کے چراغ کی روشنی انھوں نے تیز فرمادی تھی۔ ایک کامل نے تعبیر کہی کہ اس سے مراد طریقت و سنت کی رونقِ تازہ ہے، اس طریقہ میں مدار سلوک اتباع سنت پر رکھا گیا ہے، چنانچہ حضرت امام ربانی نہایت عزم و قوت کے ساتھ سنت کی پیروی فرماتے تھے، ارشاد تھا کہ کوئی فضیلت حضرت رسالت مآب علیہ افضل التسلیمات والصلوات کے اتباع سے

بڑھ کر نہیں ہے اگرچہ صرف صوری مشابہت ہو، فرماتے تھے کہ بعض لوگ رات کی عبادت میں احیائے لیل (شب بیداری) وغیرہ کی نیت کو دخل دیتے ہیں، مجھ کو ان کی کوتہ اندیشی پر تعجب ہوتا ہے، ہم ہزار راتوں کی بیداری آدھی متابعت نبویؐ کے بدلے میں نہیں لیں گے اعتکاف میں بیٹھتے وقت یارانِ حلقہ کو طلب فرماکر ارشاد کیا کہ دیکھو اعتکاف کے لئے سوائے اتباع سنت کے اور کچھ نیت نہ کرنا، گوشہ نشینی اور خلوت گزینی کیا کام آئے گی ایک سنت کے ساتھ سو گرفتاریاں منظور، بغیر توسل اتباع سنت کے ہزار گوشہ نشینیاں منظور نہیں ؎

آں راکہ در سرائے نگاریست فارغ است
از باغ و بوستاں و تماشائے لالہ زار

فرماتے تھے کہ ہم کیا، ہمارا عمل کیا، جو کچھ عطا ہوا محض فضل و کرم سے مثلاً اگر کرم بہانا چاہتا تھا تو وہ متابعت ہے۔ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی میں اپنی کامیابی کا مدار اسی کو جانتا ہوں۔ جو کچھ تھوڑا اور بہت مجھ کو ملا، متابعت سنت سے ملا، اور جو نہیں ملا وہ اس وجہ سے نہیں ملا کہ بہ لحاظ بشریت اتباع سنت میں کوتاہی ہوگئی ہوگی، اسی سلسلہ میں فرمایا کہ ایک بار سہواً بیت الخلاء میں سیدھا پاؤں پہلے رکھ دیا تھا۔ اس روز بہت سے فیوض کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ یہ بھی ارشاد تھا کہ نظر کشفی سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کو

بدعت کی تاریکی نے گھیر رکھا ہے اور اس میں سنت کرمک شب تار کی طرح نظر آتی ہے راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ آج سے تین سو برس پہلے کا ذکر ہے، وائے ہمارے زمانے پر مستحبات ادا کرنے کا نہایت اہتمام فرماتے تھے، ایک روز مولانا صالح ختلانی سے فرمایا کہ تھیلی میں سے چند لونگیں لے آؤ وہ لائے تو شمار میں چھ تھیں، غصہ ہو کر فرمایا کہ ہمارے صوفی کو خبر نہیں کہ (اللہ وتر یحب الوتر (اللہ طاق ہے اور طاق شمار کو دوست رکھتا ہے) طاق کی رعایت مستحب ہے، مستحب کو لوگوں نے کیا سمجھ لیا ہے، مستحب کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے جو عمل خدا کو دوست ہو اس کے عوض اگر دنیا و آخرت دیدیں، کچھ بھی نہیں دیا۔ فرمایا کہ ہم کو استحباب کی رعایت کا اس قدر خیال ہے کہ وضو میں منہ دھونے کے وقت یہ ارادہ رہتا ہے کہ پانی پہلے سیدھے رخسارہ پر پہنچے تاکہ دست راست سے شروع کرنے کا استحباب ادا ہو جائے پاس ادب اس درجہ ملحوظ تھا کہ ایک مرتبہ ایک حافظ فرش پر بیٹھے ہوئے آپ کو قرآن شریف سنا رہے تھے جس جگہ آپ کی نشست تھی وہاں فرش پر ایک بچھونا زائد تھا۔ آپ نے فوراً وہ بچھونا نکلوا دیا تاکہ حافظ کی نشست سے آپ کی نشست بہتر نہ ہو جائے، یارانِ حلقہ کو کثرت و دوام ذکر اور حضور و مراقبہ کی تاکید اور تحریص فرماتے تھے اور یہ ارشاد فرماتے کہ

یہ دنیا دارالعمل ہے اور آخرت کی کھیتی باطن کی کاشتکاری کو رعایت آداب اور اعمال ظاہر کے ساتھ ملا کر کام میں لگے رہو باوجود فقہ اور اصول فقہ میں مہارت ہونے کے نہایت احتیاط تھی کہ اکثر مسائل میں فقہ کی معتبر کتابوں کی جانب رجوع فرماتے اور سفر و حضر میں فقہ کی معتبر کتابیں ساتھ رہتیں۔ جس فعل کے جواز اور عدم جواز میں فقہا کا اختلاف ہوتا آپ اس کو نہ کرتے۔ اپنے تمام احباب کو علو ہمت، اتباعِ سنت دوام ذکر اور حضور مراقبہ اور اخفائے حال کی تاکید فرماتے۔ اسی طرح فقہ کی کتابیں دیکھنے اور علمائے دین سے مسائل فقہ کی تحقیق کرنے کی تاکید فرماتے۔ فرماتے سنت اور بدعت کی تحقیق کرو۔ نبوت کے زمانے سے بہت دوری ہو چکی ہے اس لئے بدعتوں کا اندھیرا دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اس تاریکی میں نجات کا راستہ صرف سنت کا چراغ دکھا سکتا ہے۔ صحبت مبارک میں اکثر سکوت رہتا تھا۔ کبھی مسلمانوں کی غیبت یا عیب کا مجلس مبارک میں ذکر نہ ہوتا۔ اہلِ حلقہ ہیبت اور خوف کی وجہ سے دم نہیں مار سکتے تھے۔ تمکین اور ثبات کا یہ عالم تھا کہ کبھی نعرہ یا چیخ زبانِ مبارک سے نہ نکلتی۔ آہ سرد بھی کبھی نہ کھینچتے، البتہ کبھی کبھی چشمِ حق بیں سے آنسوؤں کے چند قطرے رواں ہو جاتے تھے۔ یا چہرۂ مبارک سُرخ ہو جاتا تھا۔ دوپہر کا کھانا سب کے ساتھ مل کر اندر محل سرا میں نوش فرماتے اس کے بعد

بہ نفسِ نفیس صاحبزادوں اور درویشوں کو کھانا بھجواتے جو موجود نہ ہوتا اس کا حصہ رکھا رہتا۔ تمام نمازیں اول وقت تازہ وضو کے ساتھ باجماعت ادا فرماتے تھے۔ بعد نماز عشاء جلد استراحت فرماتے اور اُس وقت کلام کرنا پسند نہ تھا تہجد کے واسطے کبھی نصف شب کے وقت اور کبھی ایک تہائی رات رہے بیدار ہوتے جمعہ کی نماز جامع مسجد میں اور عیدین کی عیدگاہ میں ادا فرماتے تراویح سفر اور حضر میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے۔ سفر میں سواری پر بیٹھ کر منہ پر چادر ڈال لیتے کہ نامحرم پر نظر نہ پڑے۔ تلاوتِ کلام مجید میں اس حالت میں مصروف رہتے۔ آیتِ سجدہ آجاتی تو سواری سے اتر کر سجدہ فرماتے۔ نماز کے ادا کرنے میں انتہا کا اہتمام فرماتے ارشاد تھا کہ لوگوں کو ریاضتوں اور مجاہدوں کی ہوس ہے کوئی ریاضت اور مجاہدہ اس سے بڑھ کر نہیں کہ نماز کے آداب کی رعایت کا اہتمام کیا جائے خصوصاً فرض اور واجب اور سنت نماز کے آداب کی فرماتے تھے کہ میں نے بہت سے مرتاض اور پرہیزگار آدمیوں کو دیکھا ہے کہ احتیاط میں مصروف رہتے ہیں۔ مگر آداب نماز میں سستی کرتے ہیں سوائے تراویح کے کوئی نماز نفل حضرت جماعت کے ساتھ ادا نہیں فرماتے تھے اور اس سے منع فرماتے۔ ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے تھے اور ہر نیک و بد کے جنازہ کی نماز ادا فرماتے مریض کی عیادت فرماتے اور مسنون دعائیں پڑھ کر

اس پر دم فرماتے - زیارت قبور کے واسطے تشریف لے جاتے اور دعا و استغفار اہل قبور کے واسطے فرماتے. ابتداءً اپنے والد ماجد اور پیر بزرگوار کی قبر کو ہاتھ لگاتے تھے کہ فقہار نے جائز رکھا ہے، آخر میں یہ عمل چھوڑ دیا تھا، اس لئے کہ فقہار سے منع روایت بھی آئی ہے. قبروں کے بوسے کو اچھا نہیں خیال فرماتے تھے. موتی سے استعانت کو جائز فرماتے تھے. دعوت قبول فرماتے بشرطیکہ ناجائز باتیں دعوت میں نہ ہوتیں - سماع اور رقص کی محفل میں شرکت نہ فرماتے کسی درویش کا حال اگر سرمو بھی خلافِ شرع ہوتا تو اس کو قبول نہ فرماتے - ارشاد تھا کہ حال شریعت کے تابع ہے. شریعت حال کی پیرو نہیں - اس لئے شریعت یقینی ہے کہ وحی سے ثابت ہے. حال ظنّی ہے کہ کشف سے اور الہام سے ثابت ہوتا ہے. فرماتے تھے مجھے ان خام کار درویشوں پر تعجب آتا ہے جو اپنے کشف اور الہام کی بنیاد پر شریعت باہرہ کی مخالفت کی جرأت کرتے ہیں. باہمہ عظمت و شان اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے وہ شریعتِ محمدیہ کی پیروی فرماتے اور بے سروسامان تہی دستوں کا کیا ذکر ہے. نبوت کو ولایت سے افضل مانتے تھے اگرچہ اسی نبی کی ولایت ہو، ارشاد تھا کہ طریقت اور حقیقت، شریعت کے خادم ہیں، تمام صحابہ کرام کو اولیا کرام سے افضل مانتے تھے. کتب دینی مثلاً تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری، مشکوٰۃ، عوارف، بزدوی کا درس فرماتے آخر

عمر میں اس میں کمی ہوگئی تھی، طلباء کو علوم دینیہ کی تحصیل کی ترغیب فرماتے ارشاد تھا کہ تحصیل علوم سلوک صوفیہ پر مقدم ہے سفر کرنے میں مسنون ایام کا لحاظ رہتا، نجومیوں کی ساعتوں کی جانب توجہ نہ فرماتے۔ فرماتے کہ حضرت سرور کائناتؐ کی ولادت مبارک کے بعد نحوست عالم سے دور ہوگئی۔ الحمد اور استغفار کا ورد بکثرت فرماتے، تھوڑی نعمت پر بھی بہت سا شکر فرماتے۔ اگر کبھی ترک اولیٰ ہوجاتا تو استغفار کثیر فرماتے۔ مصیبت پیش آتی تو فرماتے کہ یہ ہمارے اعمال کی شامت ہے۔ مگر بہت سے گناہوں کا صابون ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ قید کی مصیبت حضرت پر کیوں نازل ہوئی۔ فرمایا کہ ہمارے اعمالِ بد کے باعث ہے اور یہ آیۃ شریفہ تلاوت فرمائی وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ باوجود کثرت عمل اور عبادت کے یہی خیال غالب تھا کہ مجھ سے کچھ نہیں ہو سکا۔ اپنا قصور ہر وقت پیش نظر رہتا تھا، یہی تعلیم دوستوں کو تھی، فرماتے تھے خود پسندی عمل صالح کو اس طرح فنا کر دیتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو۔ ارشاد تھا کہ اپنی خفیہ برائیوں کو پیش نظر رکھ کر اچھے اعمال سے بدگمان رہنا چاہیئے۔ ایک روز صاحبزادے کی روح کو ایصال ثواب کی نیت سے کھانا پکوایا تھا۔ کمال انکسار سے فرمایا کہ یہ ہمارا کھانا کیونکر قبول ہوگا اس لئے کہ شرط قبول تقویٰ ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ اللہ پرہیزگاروں سے قبول فرماتا ہے اسی خیال میں

تھے کہ ندا آئی اَنْتَ اَلْمُتَّقِیْنَ - تم پرہیزگاروں میں شامل ہو- ایک اور موقع پر فرماتے ہیں "مقصود ازیں گفتگو اظہار نعمت حق ست سبحانہ و ترغیب طالبان ایں طریقت نہ تفضیل خود بر دیگراں، معرفت حق جل و علا برآں کس حرام ست کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند فکیف اکابر دین"

ولے چوں شہ مرا برداشت از خاک   سزد ار بگزرانم سر ز افلاک

من آں خاکم کہ ابر نوبہاری   کند از لطف بر من قطرہ باری

اگر بر روید از تن صد زبانم   چو سوسن شکر لطفش کے توانم

کسی نے مخلوق کی جفا اور ملامت کی شکایت کی تو تحریر فرمایا کہ خلق کی جفا اور ملامت گروہ فقراء کے لئے جمال اور صیقل زنگار ہے اس سے ملول اور مکدر کیوں ہوتے ہو- جس زمانے میں فقیر قلعہ میں قید تھا معلوم ہوتا تھا کہ ملامت خلق کے دل با دل شہر اور دیہات سے نورانی سحاب بن بن کر برابر چلے آتے تھے- مدت تک تربیت جمالی سے راہ طے کی ہے اب تربیت جلالی سے منزل سلوک طے کرو، مقام صبر بلکہ مقام رضا میں ثابت قدم رہو، جمال و جلال کو برابر مانو- تم نے لکھا ہے کہ جب سے فتنے کا ظہور ہوا نہ ذوق رہا نہ حال ہونا یہ چاہئے کہ ذوق و حال دو گنا چوگنا ہو جفائے محبوب میں وفائے محبوب سے زیادہ لذت ہے- عوام الناس کی سی باتیں کرتے ہو یہ کیا بلا ہے محبت ذاتی سے دور مت ہو جلال کو جمال سے بڑھ کر تصور کرو- انعام سے ایلام بہتر ہے- جمال و انعام میں محب کی خاطر کا بھی لگاؤ ہے- جلال و ایلام میں خالص مراد

محبوب ہے۔ خاطر محب کا شائبہ نہیں۔ یہاں وقت اور حال پہلے سے بہتر ہے (یعنی قید میں واللہ اعلم) رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضا عنا۔

صاجزادگان والامرتبت میں تین صاجزادے مراتب کمال کو پہنچے۔ حضرت خواجہ محمدؐ صادق۔ آپ نے والد بزرگوار کی حیات مبارک میں رحلت فرمائی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ خازنِ رحمت حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت عروۃ الوثقیٰ۔ خواجہ محمدؐ معصوم قیوم ثانی حضرت کے بعد مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور دریائے فیوض رواں فرمایا۔ رضی اللہ عنہما۔ باوجود زمانہ کثیر گزر جانے کے اب تک اولاد امجاد میں سلسلہ ارشاد جاری ہے اور یہ بھی اس سلسلہ عالیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔

صاجزادگان والاتبار کے علاوہ بہت سے خلفاء مراتب عالیہ پر فائز ہوئے۔

قدس اسرارھم و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمینؐ

میلادِ نبیٔ العالم

النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم یا نبی العالم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا مناظر احسن گیلانی کا نشریہ نشرگاہ حیدرآباد سے ۱۲۔ربیع الاول

آپ کا اصلی کام ہر ایک سے رشتہ جوڑنا

چالیس سے ستر کروڑ تک زمین کے بسنے والوں کی فکر و نظر سوجھ بچار، رنگ، ڈھنگ، چال، ڈھال، سج دھج، حیات و ممات جس ایک اور صرف ایک ذات قدسی صفات و صلوات اللہ علیہ السلام کی بدولت دنیا کی ساری قوموں کے مقابلہ میں اپنے اندر نئی شان نئی آن و بان رکھتی ہے، وہی جو کٹنا نہیں بلکہ ہر ایک سے چمٹنا چاہتی ہے کہ توڑنا نہیں بلکہ ہر ایک سے رشتہ جوڑنا۔ یہی اس کا سب سے بڑا دینی فریضہ ہے۔ شکل و صورت رنگ و روپ بول چال کے

سارے اختلافات، گھروں اور گھرانوں کے سارے امتیازات مٹا کر سچائیوں کے اس لازوال قدرتی ذخیرہ پر جو سب کا موروثی ترکہ ہے اس پر خود بھی جمنا اور ایک ہی ماں باپ (آدم وحوا) کے بچوں کو شک واشتباہ کی دلدلوں سے نکال کر یقین کی روشنی میں اسی پر جما دینا، اسی امت کا قومی نصب العین ہے، جسے اور جس کے پیشوا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دنیا کی قومیں جو بھی تعلق رکھتی ہوں لیکن وہ تو سب کے بڑوں کی بڑائی پر مذہباً مجبور ہے۔ قرآن میں اس کو سکھایا گیا ہے۔ تمہارے لئے جس دین کو خدا نے بنایا ہے یہ وہی دین ہے جس کی وصیت اللہ نے نوح (علیہ السلام) کو کی اور اس کی وحی ہم تم پر کر رہے ہیں۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) کو بھی ہم نے اس کی وصیت کی تھی اور موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو بھی حکم یہ ہے کہ استوار کرو دین کو اور اس میں بکھیر یو مت۔

اسلام کا تعلق دوسرے ادیان سے

اسی ذاتِ قدسی صفات کی پیدائش کا یہ مبارک مہینہ ہے جس کا دنیا کے کسی سچے دین اور دھرم سے تردید وتکذیب کا نہیں بلکہ صرف تصدیق وتجدید وتکمیل کا واحد تعلق ہے۔ ملنے کے بعد جو کھو یا گیا تھا وہ بھی اور آئندہ جو کچھ مل سکتا تھا سب کو اسی کے ذریعہ محفوظ ترین شکل میں عطا کر کے قدرت نے نبوت ختم کر دی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا ماننے والا سب کا ماننے والا ہے۔

ان کی کتاب کا پڑھنے والا سارے جہان کی آسمانی کتابوں کا
پڑھنے والا ہے۔ باطن کی عالمگیریوں کے ساتھ اُن کا ظاہر بھی ہمہ عزیز
تھا۔ وہ بڑے خوبصورت تھے۔ چہرۂ مبارک میں گویا آفتاب تیر رہا
ہے دیکھنے والوں نے اپنا یہ احساس ظاہر کیا ہے، سرخ دھاریوں کی
کی چادر دوش مبارک پر پڑی ہوئی تھی۔ چاندنی رات میں مقابلہ
کیا گیا ہے تو چودھویں رات کا چاند نظروں میں پھیکا پڑ گیا مسکراتے
وقت بشرۂ انور چمک اٹھتا ایسا کہ جیسے کھرے سونے یا کندن کی
کوئی تختی چمک رہی ہو، دندان مبارک سے جب گفتگو کرتے تو
معلوم ہوتا کہ ان سے شعاعیں جھانک رہی ہیں، کرنیں پھوٹ
رہی ہیں، حالانکہ بینی مبارک زیادہ بلند نہ تھی لیکن ناک کے بانسوں پر
ایک قسم کا نور لوٹتا رہتا تھا۔ جس سے شبہ ہوتا کہ آپ ہاشم یعنی غیر
معمولی اونچی ناک والے ہیں، نہ زیادہ پست بلکہ موزوں اور میانہ قد
گداز بدن گٹھا ہوا جوڑ بند مضبوط اطراف کی ہڈیاں مثلاً کہنیوں،
کلائیوں، گھٹنوں، ٹخنوں کی ہڈیاں موٹی اور بھاری ابھری ہوئی
گورا، درخشاں، سرخی آمیز چہرہ کا رنگ تھا جو بالکل گول گول تو
نہ تھا لیکن گولائی لئے ہوئے، گویا بیضوی شکل گھنی سیاہ ڈاڑھی
رخسارے نہ دھنسے ہوئے نہ پھولے ہوئے آنکھوں کے شگاف
لمبے لمبے سیاہ پتلیاں بغیر سرمہ کے سرمگین معلوم ہوتی تھیں۔ پہلی
نظر میں دیکھنے والا مرعوب ہو جاتا۔ لیکن میل ملاپ کے بعد آپ

اس کے لئے محبوب بن جاتے خوشی کے وقت نگاہیں جھک جاتیں غصہ کی حالت میں رخ پھیر لیتے۔ گھنے سیاہ بالوں سے بھرے ہوئے دونوں ابروؤں کے بیچ میں ذرا سا فاصلہ تھا، اسی میں ایک رگ تھی جو حالتِ غضب میں جنبش پذیر ہو جاتی۔ سر کے بال بھی سیاہ، نہ بالکل سیدھے، نہ بالکل گھونگر والے، درمیانی کیفیت تھی اتنے گھنے تھے کہ کنگھی کے بغیر مانگ نہیں نکلتی، کبھی کانوں کی لو تک کبھی نصف کان تک کبھی اتنی نیچے زلفیں ہوتیں کہ مونڈھوں پر لوٹتی رہتیں، جسد مبارک عموماً صاف بالوں سے پاک تھا۔ صرف کہنیوں کے نیچے اور بُن گردن سے ناف تک ایک پتلی لکیر گھنے بالوں کی تھی۔ پیشانی مبارک چوڑی، بلند، روشن، کشادہ سینہ، مونڈھے وسیع، گردن مبارک اتنی چکنی صاف جیسے چاندی کی ڈھلی ہوئی گڑیا، بلکہ سارا جسمِ مبارک بعضوں کو چاندی کا ڈھلا ہوا پتلا ہی معلوم ہوتا تھا، انگلیاں گداز پر گوشت گوری گوری، ہتھیلی بھی مضبوط اُبھری ہوئی، لیکن دیبا و حریر سے بھی زیادہ نرم، قدم مبارک بھاری بھاری، البتہ پنڈلی اور ایڑیوں میں گوشت کم تھا، پشت مبارک پر بائیں شانے کی ہڈی کے نیچے سُرخ گوشت کا ایک ابھرا ہوا ٹکڑا کبوتر یا چکور کے انڈوں کے برابر جس میں چند تل یا مسے اور چند بال بھی تھے، ہاتھ کی لکیریں ہاتھ والوں کی خصوصیتوں کی سمجھا جاتا ہے کہ ترجمان ہوتی ہیں۔ اسی طرح ختم نبوت کی

علامت پشتِ مبارک کی، یہ خاص چیز تھی، ترسٹھ سال کی عمر تک تازگی کا یہ حال کہ بہ مشکل چودہ پندرہ بال سر اور ڈاڑھی میں سفید تھے، تیل لگانے اور کنگھی کرنے سے ان کا بھی پتہ نہ چلتا، جسد مبارک کی ترکیب ایسے لطیف اور پاکیزہ عناصر سے ہوئی تھی کہ جس طرح بعض کثیف اخلاط والوں کا پسینہ سخت بدبودار ہوتا ہے برعکس اس کے آپ کے پسینہ میں ایک قدرتی خوشبو تھی۔ بعض لوگ عطر کی جگہ اسے استعمال کرتے یوں بھی بدبو سے آپ کو سخت نفرت تھی۔ کچّا لہسن اور پیاز کھا کر مسجد میں آنے کی لوگوں کو ممانعت تھی، عطر اور خوشبو آپ کو فطرۃً مرغوب تھی، جدھر سے نکل جاتے فضا معطر ہو جاتی۔

عادات مبارک

فطرتًا آپ نرم دل، نرم خو، سیر چشم، کنواری لڑکیوں سے زیادہ شرمیلے تھے، بناوٹ تکلف، تشخص، نمود، تفوق سے آپ کو دور کی بھی مناسبت نہ تھی، بچّوں، بوڑھوں، دیہاتیوں، سبھی طرح کے لوگوں سے ہنستے بولتے ابو زاہر نامی بدوی سے آپ کو خاص تعلق تھا، وہ بڑے تن و توش کے آدمی تھے، عین بازار میں پیچھے سے اکثر ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرماتے، میرے اس غلام کو کوئی ہم سے خریدتا ہے (ابو زاہر کہتے تو آپ کا سودا بڑا کھوٹا ہوگا، اے اللہ کے رسول، لیکن آپ فرماتے کہ لیکن اللہ

کے نزدیک بڑا قیمتی ہے) باوجود خادم کے گھر کے کاموں میں خود ہی ہاتھ بٹاتے جھاڑو بھی دیدیتے، جوتیاں بھی گانٹھ لیتے، پیوند بھی لگا لیتے، براہ راست باوجود پیغمبر ہونے کے عموماً خود کسی کو نہیں ٹوکتے، دوسروں سے کہلواتے یا عام طریقہ سے خطاب کرتے مجلس میں جہاں جگہ خالی ہوتی بیٹھ جاتے مصنوعی تعظیم و تکریم کو پسند نہیں فرماتے، حرام چیزوں کے سوا جائز امور میں پستی اور بلندی پر اصرار نہ تھا، جو کی روٹی، خشک کھجور ستو بھی کھا لیتے، ضرورت کے وقت پیٹ پر پتھر بھی باندھا، لیکن اس کے ساتھ دودھ، گھی، پنیر، روغن، زیتون، شہد، سرکہ، کباب، بھنی ران، انڈے، مرغ، سرخاب، شکاری جانور کے گوشت، کلیجی، گردے، کدو، چقندر، خربوزہ، ککڑی، کھیرے سب ہی چیزیں استعمال کرتے، کھانے میں سیاہ مرچ، دوسرے مسالے بھی ڈالے جاتے، ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا، غلاموں کی دعوت بھی قبول فرما لیتے، جو کی روٹیاں، پرانی چربی لاکر میزبان رکھ دیتا تو کھا لیتے، کسی کھانے کی مذمت نہ فرماتے نہ پسند ہوتا تو چھوڑ دیتے، گھر میں کھانا ہوتا تو کھا لیتے ورنہ روزہ کی نیت فرما لیتے، لباس کا بھی یہی حال تھا، جس لباس میں وفات ہوئی سب جانتے ہیں کہ پیوند لگا ہوا کمبل اور گاڑھے کی لنگی تھی۔ زرد رومال آخری بیماری میں درد سر کی شدت سے

سر میں باندھے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ قمیص (کرتہ) بہت پسند تھا شلوار پہنی نہیں، لیکن پسند فرمایا، سرخ، سبز دھاریوں کی چادریں سیاہ یا دوسرے رنگ کے عمامے تنگ آستینوں کا رومی جبّہ سیاہ رنگ کی خط دار عبا، سیاہ چمڑے کے موزے دو دو تسموں کی نعلین اس قسم کی چیزیں بھی استعمال فرماتے، چاندی کی انگوٹھی چاندی کے قبضہ کی تلوار، آہنی خود بھی پہنتے۔ مسجد میں کھلے فرش پر ہی لیٹ جاتے تکیہ لگا کر بھی بیٹھتے، خرما کی چھال سے بھرا ہوا گدّا دوہرایا ہوا ٹاٹ آپ کا عام بستر تھا۔ باغوں اور کھلیانوں کی جھونپڑیوں میں کبھی جاکر سو رہتے۔ سفر میں درختوں کے نیچے بھی سرخ چمڑے کے خیموں میں بھی آرام فرماتے۔ مکان کی البتہ نگاہ میں بہت کم اہمیت تھی۔ آخر جس مکان سے بنانے والوں کے جنازے نکلیں وہ دلچسپی کی کیا چیز ہو سکتی ہے۔ مسجد نبوی کے اطراف کے حجروں کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ دروازوں پہ ٹاٹ پڑا رہتا چھت اتنی بلند کہ ہاتھ سے چھوئی جاسکتی۔ لیکن اسی کے ساتھ دو منزلہ مکانوں میں بھی آپ فروکش ہوئے۔ مشربہ (اٹاری) بھی بنوائی تھی۔ اُم ابراہیم کے باغ میں بھی مشربہ تھا جس میں کبھی کبھی آرام فرماتے، سواری کی ضرورت محسوس فرماتے تھے۔ اسی لئے اونٹ، گھوڑے، خچّر، گدھے، عرب کی عام سواریوں پر سوار ہوتے۔ عصباء، قصواء آپ کی سانڈنی عرب کی مشہور سانڈنی تھی۔

الحاصل زندگی کے ان تمام شعبوں میں پستی و بلندی کے کسی

خاص طرز پر اصرار نہ تھا۔ تاہم مختصر گیری کے ساتھ مزدوروں ضعیفوں غریبوں خستہ حالوں کی تسلّی کے لئے غربت ہی کی حالت کو زیادہ پسند فرماتے۔ اسی کی دعا فرماتے۔ روحانی قوتوں کے سوا آخر عمر میں سارے عرب کی حکومت کی شکل میں مادی قوت آپ کو مل چکی تھی لیکن بے تکلفی کا جو حال تھا برابر باقی رہا۔

زمانہ جنگ وجدل

یوں تو آپ کی زندگی ہر زمانے میں ہر فردِ انسانی کے لئے اپنے اندر بہترین نمونہ رکھتی ہے لیکن دنیا پچھلے چند سال سے خوف ودہشت، فسادو بدامنی کے جس حال میں گرفتار رہے چاہا جائے تو اس وقت آپ کے نمونہ سے بہترین علاج نکالا جاسکتا ہے۔ ہم تو سال دو سال سے اس حال میں ہیں۔ عرب صدیوں سے فساد و خوں ریزی کا گہوارہ تھا۔ کسی کی جان ومال عزت وآبرو اس ملک میں محفوظ نہ تھی۔ نہ داد تھی نہ فریاد۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کا شکار بنا ہوا تھا۔ فساد و فتنے کے اس ماحول میں تربیت وتعلیم کے تمام ذرائع سے محروم تقریباً (۲۵) سال کی عمر تک بکریوں اور اونٹوں میں جس نے زندگی گزاری تھی اس نے کچھ نہیں صرف ایک فکری اور ذہنی انقلاب کا مطالعہ کیا مخلوقات سے منہ موڑ کر صرف خالق ہی کو اپنا آلہ اگر بناتے ہو تو عرب کی بھتی جہنم کے بدلے امن وامان کی فردوس ہی نہیں بلکہ وہ سب تمہیں مل سکتا ہے جس کی متلاشی فطرتِ انسانی ہے۔ کچھ دن کی کشمکش کے بعد لوگوں نے

بات مان لی۔ صرف دس سال کی مختصر مدت میں جن سے وعدہ کیا گیا تھا ان کی آئندہ نسلوں ہی کو نہیں بلکہ ان ہی کی اکثریت کو وہ سب کچھ دکھا دیا گیا۔ یہ تو اس زندگی میں اور دوسری زندگی میں جو کچھ دیکھیں گے ان کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناؕ

(زمین کی خلافت بخشی جائے گی۔ اس دین کو قابو بخشا جائے گا جو ان کے لئے پسند کیا گیا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا) کا وعدہ "یعبدوننی ولا تشرکون بی شیئا" (مجھی کو پوجے جاؤ میرا ساجھی کسی کو نہ بناؤ) کے ساتھ مشروط تھا۔ شرط پوری کی گئی وعدہ پورا ہوا۔ آج بھی وعدہ وہی ہے شرط پوری کرو وعدہ پورا ہوگا۔

تقریب میلاد مبارک

ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

جب زمین پیاسی ہوتی ہے تو رب السموات والارض پانی برساتا ہے۔ جب انسان اپنی غذا کے لئے بیقرار ہوتا ہے تو وہ موسم ربیع کو بھیج دیتا ہے۔ جب خشک سالی کے آثار چھا جاتے ہیں تو آسمانِ رحمت پر بدلیاں پھیل جاتی ہیں۔

اللہ الذی یرسل	وہ خدا ہی تو ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے
الریاح فتثیر سحابا	اور ہوائیں بادلوں کو اپنی جگہ سے
فیبسطہ فی السماء	ابھارتی ہیں اور جس طرح اس کی مرضی
کیف یشاء ویجعلہ	نے انتظام کر دیا ہے، بادل فضا میں پھیل جاتے
کسفا فتری الودق	ہیں پس تم دیکھتے ہو کہ ان کے اندر سے مینہ برسنے
یخرج من خلالہ،	لگتا ہے اور تمام زمین سرسبز اور شاداب ہو جاتی

فاذا اصاب بہ من عبادہ، اذا ھم یستبشرون۔ (۳۰: ۴۸)

پھر جب وہ اپنے بندوں پر جو بارش سے مایوس ہو گئے تھے پانی برسا دیتا ہے تو وہ کامیاب و خرم ہو کر خوشیاں منانے لگتے ہیں۔

خدا کی تمام شانیں اور دانائیاں جو وہ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے کھولتا ہے، ہمیشہ عام اور قدرتی مظاہر سے تعلق رکھتی ہیں تاکہ زمین کی ہر مخلوق ان کی تصدیق کر سکے اور ان سے دانائی حاصل کر سکے وہ ایسے تغیرات و حوادث اور غیر فطری و صناعی چیزوں کا ذکر نہیں کرتا جن کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے کسی خاص طرح کی زندگی خاص طرح کے علم اور خاص طرح کے گرد و پیش کی ضرورت ہو بلکہ اس کی ہر تعلیم ایسی عام اور خالص فطری حالات سے متعلق ہوتی ہے جس کو سن کر جنگل کا ایک چرواہا اور متمدن آبادیوں کا ایک فیلسوف دونوں یکساں اثر کے ساتھ خدا کی سچائی کو پا سکتے ہیں پس اگر تم نے فلسفہ و حکمت نہیں پڑھا ہے۔ اگر تم نے اجرام سماویہ کے دیکھنے کے لئے کسی رصد خانے کی قیمتی دوربین نہیں پائی ہے اگر تم کو مادہ کے خواص کا تجربہ نہیں ہے اگر تم کسی دار العلوم کے اندر برسوں تک نہیں رہے ہو اگر تم صحرائی ہو، اگر تم پہاڑوں کی چوٹیوں پر گوشہ نشین ہو۔ اگر پھونس کی ایک چھت اور بانسوں کی ایک شکستہ دیوار ہی رہنے اور بسنے کے لئے تمہارے حصے میں آئی ہے اور اس طرح تم نہیں جانتے کہ اپنے

خدا کو آسمان کے عجیب و غریب ستاروں کے اندر کیونکر دیکھو اور اس کے حسن و جمال کو عناصر و ذرات خلقت کی آمیزش اور آویزش کے اندر کیوں کر ڈھونڈھو، تاہم تم انسان ہو تم کو روح دی گئی ہے اور تم زمین پر بستے ہو، تم آسمان کی ہر بدلی کے اندر بادلوں کے ہر ٹکڑے کے اندر ہواؤں کے ہر جھو کے کے اندر، بارانِ رحمت کے ہر قطرے کے اندر اپنے خداوند حی و قیوم کو اس کی حکمت و قدرت کو اس کی رافت و رحمت کو اس کے پیار و محبت کو دیکھ سکتے ہو اور اسے پا سکتے ہو، تم میں سے کون ہے جس نے امید و بیم کی نظروں سے کبھی آسمان کو نہیں دیکھا ہے اور اس کی بجلیوں کی چمک اور بادلوں کی گرج کے اندر اپنی کھوئی ہوئی امید کو نہیں ڈھونڈا ہے؟

ومن آیاتہ ان یریکم البرق خوفاً وطمعاً ط

(اور قدرتِ الٰہی کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب زمین پیاسی ہوتی ہے اور خشک سالی کے آثار ہر طرف چھا جاتے ہیں تو وہ آسمان پر بارش کی علامتوں کو پیدا کر دیتا ہے اور تم امید و بیم کی نظروں سے انھیں دیکھتے ہو۔)

پھر وہ کون ہے کہ جب تم اور تمہاری تشنہ اور بے قرار زمین پانی کے ایک ایک قطرہ کے لئے ترس جاتی ہے، خاک کا ایک ایک ذرہ رطوبت و نمود کے لئے بے قرار ہو جاتا ہے، کرۂ ارضی اپنی بیخودانہ حرکت میں آفتاب کے آتشکدہ سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔ اس کی تمام کائنات نباتاتی اپنا حسن و جمال فطری کھو دیتی ہے پر ندا اپنے

گھونسلوں میں، ٹہنیاں درختوں میں اور انسان اپنے گھروں میں پانی کے لئے ماتم کرتا اور ہر دم آسمان کی گرم و خشک فضا کی طرف مایوسی کی نگاہیں اٹھاتا ہے تو وہ اپنی محبت و ربوبیت کے نقاب میں آتا ہے اور مایوسی کے بعد امید کا، نامرادی کے بعد مراد کا موت کے بعد زندگی کا پیام زمین کے ایک ایک ذرّہ تک پہنچا دیتا ہے۔

وینزل من السماء ماء فیحیی بہ الارض بعد موتھا، ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون ؂

(اس کی ربوبیت و رحمت کو دیکھو کہ جب تم امید و بیم کی نظروں سے آسمان کو دیکھتے ہو اور تمام زمین پر مردنی اور رہا کی چھا جاتی ہے تو وہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین پر موت کے بعد زندگی طاری ہو جاتی ہے۔ یقیناً قدرت الٰہی کی اس نمود میں صاحبانِ فکر و عقل کے لئے بڑی ہی نشانیاں رکھی گئی ہیں)

(۲)

یہ وہ انتظام الٰہی ہے جو پروردگار عالم نے انسان کے جسم کی غذا کے لئے کیا ہے پھر کیا اس نے انسان کی روح کے لئے کچھ نہ کیا ہوگا؟ وہ رب الارباب جو زمین کی پکار سن کر اسے پانی دیتا اور جسم کی بیقراری دیکھ کر اسے غذا بخشتا ہے کیا سرزمین، روح و معنیٰ کی تشنگی کے لئے کچھ نہیں رکھتا اور دل کی بھوک کے لئے اس کے خزانوں میں کوئی نعمت نہیں؟

وہ کہ اس کی محبت زمین، مٹی کو خشک نہیں دیکھ سکتی اور درختوں کی ٹہنیوں کو وہ سبز پتوں اور سرخ پھولوں کی زیبائش سے محروم نہیں رکھتا کیا

روح انسانی کو ہلاکت و بربادی کے لئے چھوڑ دیگا اور عالم انسانیت کا مرجھا جانا اُسے خوش آئے گا۔ وہ ربُ العالمین جو تمہارے جسم کو غذا دے کر موت سے بچاتا ہے کیونکر ممکن ہے کہ تمہاری روح کو ہدایت دے کر ضلالت سے نہ بچائے جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ:۔

من ربکما یا موسیٰ (۲۰ : ۵۱) تمہارا پروردگار کون ہے اے موسیٰ)

تو حضرت موسیٰ نے نہ صرف اپنے رب العالمین کی نسبت خبر ہی دی بلکہ اس کی ربوبیت کی دلیلِ قطعی و فطری بھی چند لفظوں میں فرما دی:۔

ربنا الذی اعطیٰ کل شئ خلقہ ثم ھدیٰ (۲۰ : ۵۱)

(ہمارا رب وہ ہے، جو رب ہے، اور اس لئے اس کی ربوبیت نے کائنات کی ہر چیز کو اس کی خلقی ضروریات بخشیں، پھر اس کے بعد ان کی ہدایت کر دی تاکہ صحیح اور فطری طریقہ پر کاربند رہ کر اپنی خلقت کے مقصد کو حاصل کریں)

پس اس نے کہ زمین کی مٹی کے اندر قوتِ نشو و نما رکھی اور پھر پانی برسا کر اس کی ہدایت کر دی، یعنی اس کے آگے نفوذ و عمل کی راہ کھول دی اور جس کی ربوبیت نے عالمِ ہستی کے ایک ایک ذرّے کے لئے خلقت اور ہدایت دونوں کا سامان کر دیا۔ انسان کو بھی جسم اور روح دونوں کے ساتھ پیدا کیا ہے اور اس کے لئے بھی خلقت اور ہدایت دونوں کا سامان رکھتا ہے۔ اس کی ربوبیت نے جس طرح جسم کے لئے زمین کے اندر طرح طرح کے خزانے رکھے ہیں اسی طرح روح کی غذا کے لئے بھی اس کے آسمانوں کی وسعت معمور ہے جس طرح جسم کی غذا اور زمین کی مادی حیات

نمو کے لئے آسمان پر بجلیاں چمکتیں بدلیاں پھیلتیں اور موسلا دھار پانی برستا ہے ٹھیک اسی طرح اقلیم روح وقلب کی فضا میں بھی تغیرات ہوتے ہیں یہاں اگر زمین کی مٹی پانی کے لئے ترستی ہے تو وہاں بھی انسانیت کی محرومی ہدایت کے لئے تڑپنے لگتی ہے۔ یہاں پتے جھڑتے ہیں ٹہنیاں سوکھنے لگتی ہیں اور پھولوں کے رنگین ورق بکھر جاتے ہیں۔ تو تم کہتے ہو کہ آسمان کو رحم کرنا چاہیئے۔ وہاں بھی جب سچائی کا درخت مرجھا جاتا ہے۔ نیکی کی کھیتیاں سوکھ جاتی ہیں، عدالت کا باغ ویران ہو جاتا ہے اور خدا کے کلمۂ حق وصدق کا شجرۂ طیبہ دنیا کے ہر گوشہ اور حصہ میں بے برگ و بار نظر آنے لگتا ہے تو اس وقت روح انسانیت چیختی ہے کہ خدا کو رحم کرنا چاہیئے، یہاں زمین پر موت طاری ہوتی ہے تو خدا کی بارش اسے زندگی بخشتی ہے وہاں انسانیت ہلاک ہو جاتی ہے تو خدا کی ہدایت اسے پھر اٹھا کر بٹھا دیتی ہے۔

وهو الذی یرسل الریاح بشرًا بین یدی رحمۃ حتیٰ اذا اقلت سحابا ثقالا سقناه لبلد میت، فانزلنا به الماء فاخرجنا به من کل الثمرات، کذالک نخرج الموتیٰ لعلکم تذکرون (۷: ۵۵)

(اور وہ پروردگار عالم ہی تو ہے کہ بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے جو باران رحمت کے آنے کی خوشخبری سنا دیتی ہیں یہاں تک کہ جب اس کا وقت

آجاتا ہے تو وہ وزنی بادلوں کو حرکت دیتی ہیں، اور ہم انھیں ایک ایسے شہر کے اوپر لے جا کر پھیلا دیتے ہیں جو ہلاک ہو چکا ہے اور زندگی کے لئے پیاسا ہے، پھر پانی برستا ہے اور زمین کی موت کو زندگی سے بدل دیتا ہے۔ اس کی نمو بخشی سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں اور مخلوقات اپنی غذا حاصل کر لیتی ہے، ٹھیک اسی طرح ہم مردوں کو بھی اٹھاتے ہیں اور یہ جو کچھ کہا گیا ہے سو دراصل ایک مثال ہے تاکہ تم دانائی اور سمجھ حاصل کرو)

(۳)

عالم انسانیت کی فضاء روحانی کا ایک ایسا ہی انقلاب عظیم تھا جو چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں ظاہر ہوا وہ رحمتِ الٰہی کی بدلیوں کی ایک عالمگیر نمود تھی جس کے فیضان عام نے تمام کائنات ہستی کو سرسبزی و شادابی کی بشارت سنائی، اور زمین کی خشک سالیوں اور محرومیوں کی بدحالی کا دور ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا وہ خداوند قدوس جس نے سینا کی چوٹیوں پر کہا تھا کہ میں اپنی قدرت کی بدلیوں کے اندر آتشیں بجلیوں کے ساتھ آؤں گا، اور دس ہزار قدسیوں کے ساتھ میرے جاہ و جلالِ الٰہی کی نمود ہو گی، سو بالآخر وہ آگیا اور سعیر و فاران کی چوٹیوں پر اس کی ابرِ کرم کی بوندیں پڑنے لگیں!

یہ ہدایتِ الٰہی کی تکمیل تھی، یہ شریعتِ ربانی کے ارتقا کا مرتبہ آخری تھا یہ سلسلۂ ترسیل رسل و نزول صحف کا اختتام تھا۔ یہ سعادتِ بشری کا آخری پیغام تھا، یہ وراثتِ ارضی کی آخری بخشش تھی، یہ امتِ مسلمہ کے ظہور کا پہلا

دن تھا اور اس لئے یہ حضرت ختم المرسلین و رحمۃ للعالمین محمد بن عبد اللہ کی ولادت باسعادت تھی صلی اللہ علیہ و علی الہ وصحبہ وسلم۔

(۴)

یہی واقعہ ولادت نبوی ہے جو دعوت اسلامی کے ظہور کا پہلا دن تھا۔ اور یہی ماہ ربیع الاول ہے جس میں اس امت مسلمہ کی بنیاد پڑی جس کو تمام عالم کی ہدایت وسعادت کا منصب عطا ہونے والا تھا، یہ ریگستان حجاز کی بادشاہت کا پہلا دن نہ تھا، یہ عرب کی ترقی و عروج کے بانی کی پیدائش نہ تھی، یہ محض قوموں کی طاقتوں کا اعلان نہ تھا، اس میں صرف نسلوں اور ملکوں کی بزرگی کی دعوت نہ تھی، جیسا کہ ہمیشہ ہوا ہے اور جیسا کچھ کہ دنیا کی تمام تاریخ کا انتہائی سرمایہ ہے۔ بلکہ یہ تمام عالم کی ربانی بادشاہت کا یوم میلاد تھا، یہ تمام دنیا کی ترقی و عروج کے بانی کی پیدائش تھی۔ یہ تمام کرۂ ارضی کی سعادت کا ظہور تھا، یہ تمام نوع انسانی کے شرف و احترام کا قیام عام تھا، یہ انسانوں کی بادشاہتوں قوموں کی بڑائیوں اور ملکوں کی فتوحات کا نہیں بلکہ خدا کی ایک ہی اور عالمگیر بادشاہت کے عرش جلال وجبروت کی آخری اور دائمی نمود تھی!

پس یہی دن سب سے بڑا ہے، کیونکہ اسی دن کے اندر دنیا کی سب سے بڑی بڑائی ظاہر ہوئی۔ اس کی یاد نہ تو قوموں سے وابستہ ہے اور نہ نسلوں سے بلکہ وہ تمام کرۂ ارضی کی ایک عام اور مشترک عظمت ہے جس کو وہ اس وقت تک نہیں بھلا سکتی جب تک کہ اس کو سچائی اور

نیکی کی ضرورت ہے۔ اور جب تک کہ اس کی زمین اپنی زندگی اور بقا کے لئے عدالت وصداقت کی محتاج ہے۔

(۵)

دنیا میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے ہیں۔ یہ انقلابات خاص خاص انسانوں کے وجود سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ان انسانوں کی پیدائش کے ایام کو بھی دنیا عظمت کے ساتھ یاد رکھنا چاہتی ہے اور اس اعتبار سے اس کی یادگاروں کی فہرست بڑی ہی طویل ہے۔ اس میں بادشاہوں کے زرنگار تختوں کی قطاریں ہیں، فاتحوں کی بے پناہ تلواروں کی جھنکار ہے۔ سپاہ سالاروں کے زرہ بکتر کی ہیبت ہے، حکیموں کی حکمتوں اور داناؤں کے دفاتر ہیں، فلاسفہ وعلماء کے علوم وصحائف کے خزائن ہیں، صنّاعوں کی ایجادیں ہیں وطن پرستوں کے مواعظ ہیں، قومی پیشواؤں اور ملکی داعیوں کی جانفشانیوں اور سرفروشوں کی داستانیں ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ دنیا اگر اپنی عظمت کے اصلی دن کو یاد رکھنا چاہتی ہے تو ان میں سے کس کو یاد رکھے۔

ان میں سے کون ہے جس نے دنیا کو سب سے بڑی چیز دی ہے تاکہ وہ بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اسی کی یاد کو پیار کرے؟

(۶)

آؤ ہم سب سے پہلے بڑے بڑے اولوالعزم شہنشاہوں کو

دیکھیں جنھوں نے دنیا کے بڑے بڑے رقبوں کو نوکِ شمشیر پر رکھ دیا اور ایسے ایسے عجیب و غریب ایوانوں اور محلوں میں بسے جن کی دیواریں اور چھتیں چاندی سونے اور لعل و جواہر سے بنائی گئی تھیں، انھوں نے بہت زیادہ مال و متاع جمع کیا ان کے پاس لوہے کے بہت زیادہ آلاتِ خونریزی تھے، اور ان کی اطاعت و غلامی میں انسانوں کا سب سے بڑا گلہ تھا، پس ان کی پیدائش کے واقعہ کو بھی سب سے زیادہ عظیم الشان اور ناقابل فراموش ہونا چاہیئے۔ لیکن اگر دنیا ان کی پیدائش کو یاد رکھے تو بتاؤ کہ دنیا کے لئے انھوں نے کیا کیا؟ ان کی فتوحات بہت وسیع تھیں، اور ان کی وہ دولت جو انھوں نے زمین کی بستیوں کو اجاڑ کر لوٹی تھی، بڑے بڑے وسیع رقبوں کے اندر آتی تھی، لیکن دنیا کو اس سے کیا ملا، دنیا کی گردن ان کی یاد کے آگے جھکے اگر وہ بہت بڑے فاتح تھے تو اس کو یوں کہو کہ انھوں نے سب سے زیادہ زمین کو ویران کیا، سب سے زیادہ اس کی آبادیوں کو اجاڑا، سب سے زیادہ خون کی ندیاں بہائیں، اور سب سے زیادہ خدا کے بندوں کے گلے میں اپنی غلامی کی لعنت کا طوق ڈالا، پھر کیا دنیا اپنی ویرانیوں اپنے قتل و غارت اپنے نہب و سلب اور اپنی غلامی کی لعنت کے ناپاک دنوں کو یاد رکھے؟ اور جن کی ابلیسیت نے یہ لعنت پھیلائی تھی، ان کی پیدائش کی نحوست پر خوشیاں منائے۔

سکندر دنیائے قدیم کا سب سے بڑا فاتح تھا، جس نے تمام دنیا سے

اپنے تخت کی پوجا کرانی چاہی لیکن دنیا اگر اس کی پیدائش کو یاد رکھے تو یہ یاد کن واقعات کی یاد ہوگی؟

یہ دنیا کی ویرانیوں، ہلاکتوں اور غلامیوں کی لعنتوں کا ایک بہت بڑا سرمایہ ہوگا جو اسے ہاتھ آئے گا!

دنیا میں جس قدر بادشاہ پیدا ہوئے، اگر تم ان کی زندگی کے تمام کارناموں کا حاصل معلوم کرنا چاہو تو اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ وہ جتنے بڑے بادشاہ تھے، اتنے ہی زیادہ انسانوں کو غلام بنانے والے تھے، اتنے ہی زیادہ ان کے فطری قوتوں کے لئے پتھر تھے، اتنے ہی زیادہ ان کی قدرتی حرکت و نشو کے لئے زنجیر تھے اور اتنے ہی زیادہ خدا کی عطا کردہ جبلت صالحہ اور انسان کے نوعی شرف و احترام کے لئے ان کے اندر بربادیوں اور ہلاکتوں کی نحوست تھی، پس جن کا وجود خود دنیا کے لئے ایک زخم تھا۔ وہ ان کی یاد میں اپنی گم شدہ شفا کیوں کر پا سکتی ہے۔

(۷)

حکما کی حکمت، فلاسفہ کا فلسفہ صناعوں کی ایجادیں، بلا شبہ تاریخ عالم کے اہم واقعات ہیں، لیکن اگر وہ اپنی یاد کے آگے دنیا کو جھکانا چاہتے ہیں تو انھیں بتلانا چاہیئے کہ انھوں نے اپنی حکمت سرائیوں اور عجیب عجیب ایجادوں سے دنیا کے اصلی دکھ اور زمین کی حقیقی مصیبت کے لئے کیا کیا؟ آسمان کی فضاء میں ان گنت

ستاروں کی قطاریں پھیلی ہوئی ہیں۔ بلاشبہ وہ شخص بڑا غور کرنے والا دماغ اور بڑی ہی کاوش کرنے والی نظر رکھتا تھا جس نے ہم کو سب سے پہلے بتلایا کہ یہ بڑے بڑے ستارے ہیں، ان میں ثوابت ہیں، سیارات ہیں، اور ان کی حرکتوں کے معین اوقات وایام ہیں، لیکن دنیا جب ستاروں کی یہ بہت بڑی سچائی نہیں جانتی تھی، تو اس وقت بھی بیمار تھی اور یہ معلوم کر کے بھی بیمار رہی اس کا اصلی دکھ یہ نہ تھا کہ انسان آسمان کے متعلق تھوڑا جانتا ہے بلکہ ہمیشہ سے وہ اس ایک ہی مرض میں گرفتار رہی ہے کہ انسان خود اپنی نسبت، اپنی فطرت صالحہ کی نسبت، اپنی راہِ سعادت کی نسبت کچھ بھی نہیں جانتا۔

اس صناع کو اگر تم بڑا سمجھتے ہو، جس نے انسان کے لئے فنِ تعمیر ایجاد کیا، تاکہ وہ پائدار مکانوں اور خوبصورت چھتوں کے نیچے بیٹھے تو تمہیں بتلانا چاہیئے کہ انسان درختوں کے نیچے بیٹھ کر نیک اور سچا انسان نہ تھا مگر بڑے بڑے محلوں کے اندر بس کر اس نے اپنی گم شدہ حقیقت پالی؟ دنیا کا اصلی مرض انسانیت حقیقی کی گم شدگی ہے، سعادت انسانی اور امن ارضی ہی وہ نعمت ہے جس کی ڈھونڈھ میں ابتداء سے کائنات کا ذرہ ذرہ تہ و بالا ہو رہا ہے، پھر بتاؤ کہ اگر یہ بڑے بڑے صناع اور موجد ہی انسانیت کی سب سے بڑی بڑائی رکھتے ہیں تو ان کی ایجادوں نے انسان کو کس قدر امن دیا؟ کس قدر سلامتی بخشی؟ کہاں تک صراطِ سعادت پر چلایا؟ طلسمِ حیات انسانی کا کون سا راز افشا کیا؟ خدا اور بندوں کے

رشتوں کو کہاں تک جوڑا؟ پھر اگر وہ یہ نہ کر سکے تو دنیا ان کی ایجادات کو اپنے خزانے میں رکھ سکتی ہے، پر ان کی یاد میں اس کے لئے کوئی خوشی نہیں ہو سکتی، کیونکہ انھوں نے اس کے اصلی دکھ کے لئے کچھ نہیں کیا۔

(۸)

اچھا دنیائے قدیم کے ذخیرہ میں جو کچھ ہے اسے چھوڑ دو، بلدان وبابل اور یونان واسکندریہ کے کھنڈر اور مسمار شدہ آثار کے اندر اگر دنیا کے لئے کچھ نہ تھا تو بہت ممکن ہے کہ آج لندن اور برلن وپیرس کی عجیب وغریب آبادیوں اور عقل وفہم کو مبہوت کر دینے والے تمدن کے اندر دنیا کو وہ چیز مل جائے جس کے لئے ابتدا سے خلقت حیران وسرگشتہ رہی ہے۔

موجودہ تمدن یورپ کی ابتدا جن بڑے بڑے دعووں سے ہوتی ہے۔ ضرور ہے کہ وہ سب کے سب اس وقت تمہارے سامنے ہوں کیونکہ ہماری موجودہ صحبت ان کے اعادے کی متحمل نہیں۔ ہم کو بتلایا گیا تھا کہ موجودہ تمدن کو دنیا کے قدیم تمدنوں سے کوئی مشابہت نہیں، ان کی مختلف شاخوں میں باہم ربط وعلاقہ نہ تھا ان کی بنیادیں صحت اور حقیقت پر نہ تھیں۔ وہ انسانی علم وعمل کی تمام شاخوں کو بہ یک وقت مکمل نہ کر سکی تھیں۔ انھوں نے معلومات واعمال میں کوئی نظم وترتیب پیدا نہیں کی، اور انھیں اپنے تمدن کی اشاعت اور پھیلاؤ کے وہ ذرائع حاصل نہ تھے، جن کے ذریعہ ہم نے تمام کرۂ ارضی کو علم وتمدن کا ایک گھر بنا دیا ہے، بس گزشتہ تمدنوں کی ناکامی سے استدلال

نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اسی طرح کے دعوے تھے جن سے موجودہ تمدن کی فضا بھر گئی تھی اور جن کے ذریعہ اعلان کیا جاتا تھا کہ دنیا میں سب سے بڑی طاقت موجودہ تمدن کی ہے، حالانکہ سب سے بڑا صرف خدا ہے۔

لقد استکبروا فی انفسہم و عتوا عتوا کبیرا (۲۱:۲۵)

(بلاشبہ انھوں نے یہ کہہ کر اپنے اندر بڑا گھمنڈ پیدا کیا اور بڑی سخت درجہ کی سرکشی کی)

سو اب تم دیکھو کہ دنیا اپنے اعتراف کا سر جھکانے کے لئے جب تمدن کے اس سب سے بڑے مغرور بت کی طرف جاتی ہے تو اسے کیا جواب ملتا ہے؟

آج تمدن کے ابلیسانہ گھمنڈ کا ملعون بت چور چور کر دیا گیا ہے اور خدا کا وہ زبردست اور بے پناہ ہاتھ جو قوم ثمود و عاد، اور بڑی بڑی آبادیوں اور بڑے بڑے خیموں والوں کو سزا دے چکا تھا۔ اپنے جلال اور رہونائی کی آتشین چمک دکھلا رہا ہے۔ تم یورپ کی موجودہ جنگ اور متمدن اقوام کی باہمی قتل و خونریزی پر چارپایوں کی طرح نہیں بلکہ انسانوں کی طرح نظر ڈالو اور دیکھو کہ یہ کیا ہے جو تمہارے سامنے ہو رہا ہے؟ یہ تمدن اور وحشت کی پیکار نہیں ہے، یہ علم اور جہل کی ٹکر نہیں ہے، یہ تمدن ہے جو تمدن سے ٹکرا رہا ہے، یہ علم ہے جو علم کو ذبح کر رہا ہے، یہ صناعت ہے جو صناعت کو پیس رہی ہے، یہ ایجاد کا مغرور شیطان ہے جو ایجاد ہی کے شیطان لعین کو ڈس رہا ہے اور اس طرح تمدن کا گھمنڈ ہی ہے جو تمدن کے گھمنڈ کو ریزہ ریزہ

اور پاش پاش کر رہا ہے۔

یخربون بیوتھم بایدیھم ۵ (۲۰:۵۹)

(اپنے گھروں کو وہ اپنے ہاتھوں ہی سے اجاڑ رہے ہیں)

پس اگر مسکین دنیا ان انسانوں کو یاد رکھنا چاہتی ہے، جو تمدن کے بادشاہ تھے، علم کے فرماں روا تھے، اور ایجاد و صناعت کے دیوتا تھے تو تم اس کا ہاتھ پکڑو اور اُسے آج یورپ کے ان میدانوں کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دو جہاں تمدن و علم کا تخت عظمت و اجلال آگ اور لہو کی بدلیوں اور دھویں اور زہریلی گیسوں کے مسموم فضا کے اندر بچھایا گیا ہے اور مسمار عمارتوں کے کھنڈروں سرخ سرخ خون کی ندیوں اور انسان کی تڑپتی ہوئی لاشوں کے تودوں پر اس کے سنہری ستون عظمت نصب کئے گئے ہیں، پھر اس سے کہو کہ وہ اپنی احسان مندی اور شکر گزاری کے لئے ان عظیم الشان انسانوں میں سے کسی بڑائی کو چھانٹ لے جو آج گیہوں اور جو کے لئے روتے ہیں کیونکہ ہوا میں اڑنے کے آلات اور پانی و مفرد اجزاء میں بدل لینے کا علم ان کے لئے کچھ کام نہ آیا۔

وہ ان میں سے کس کو اپنی پرستش اور یاد کے لئے چنے گی؟ کیا وہ اس سب سے بڑے فلسفی کو یاد کرے گی، جو چودھویں صدی عیسوی میں آیا اور اس نے تجربہ کی راہ کھولی، جس راہ نے کہ انسانوں کو ہلاکت اور خوں ریزی کے سب سے زیادہ روح پاش آلات تک پہنچا دیا؟ وہ کیمسٹری کے اس دیوتا کو یاد کرے گی جس پر موجودہ تمدن کو سب سے زیادہ

ناز ہے اور جس نے ایسی زہریلی گیسں، ایسے مہلک بم وشل اور ایسے بے پناہ مرکبات بنا دیئے جن کے آگے انسانی جماعتیں بالکل بے بس ہو جاتی ہیں اور منٹوں کے اندر بڑی بڑی آبادیاں موت کی لعنت سے بھر جاتی ہیں؟ اچھا بھاپ کی طاقت کے موجد کو بلاؤ، اس کی بڑائی کیسی عجیب تھی جس نے بھاپ کی غیر معمولی طاقت کو انسان کے تابع کر دیا؟ لیکن آہ! وہ اس دنیا کے لئے کیا کرے جو موت کی نہیں، بلکہ زندگی کی بھوکی ہے اور دیکھ رہی ہے کہ بھاپ کے شیطان ہی کے اندر وہ سب سے بڑی بے پناہ خباثت ہے، جس نے آج جنگ کے میدانوں میں مختلف بھیسوں اور مختلف صورتوں کے اندر موت کی سب سے بڑی پھنکار ماری ہے اور تمام انسانی علم و دانائی اس کے بچاؤ کے لئے بیکار ہے۔

پھر کیا دنیا تمدن اور علم کے ان مغرور بانیوں کی پیدائش پر خوشیاں منائے جنھوں نے اس کی موت و ہلاکت کے لئے تو سب کچھ کیا پر اس کے امن و سلامتی اور سعادت و طمانیت کے لئے کچھ نہ کر سکے، ان کے پاس انسان کے اڑنے، سمندروں کے اندر جانے، بجلی کو قابو میں کرنے، ہوا کے تموّج اور ذرّات کو اپنے نامہ و پیام کا سفیر بنانے اور خود بخود بجنے والے باجوں اور بڑی تیزی سے چلنے والی سواریوں کے لئے تو بڑا ذخیرہ ہے، لیکن انسان کو نیک اور راست باز بنانے، خدا کی عدالت و صداقت سے زمین کو معمور کرنے، امن و راحت کی بادشاہت کے قائم کرنے ظلم و فساد کے بیخ سے زمین کو صاف کرنے، طاقت اور حکم کے جبر سے ضعف و ناتوانی

کو بچانے، اور انسانوں کو درندوں اور سانپوں کی طرح نہیں بلکہ انسانوں کی طرح بسا دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔

تم نے یورپ کے تمدن کی کتوں کی طرح لوٹ کر اور بھیڑوں کی طرح چل کر ہمیشہ پرستش کی ہے اور مذہب کی تعلیمات کی ہنسی اڑائی ہے، کہ وہ آخرت، آخرت کہتا ہے، مگر یورپ کی طرح دنیا کے لئے کچھ نہیں بتاتا۔ لیکن شاید تم آج قرآن حکیم کی اس آیت کو سمجھ سکو جس کے متعلق حدیث صحیح میں آیا ہے کہ اس کی تلاوت آخری زمانے کے فتنے سے بچائے گی۔

ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا؟ الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسبون صنعا اولئک الذین کفروا بآیات ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنا (۱۰۸:۱۰۴)

(تم کو بتلاؤں کہ سب سے زیادہ ناکام و نامراد کرنے والے کون ہیں؟ وہ جن کی تمام قوت سعی صرف دنیا کی زندگی سنوارنے ہی میں کھوئی گئی اور جہل حقیقت نے ان میں یہ گھمنڈ پیدا کر دیا کہ بہت ہی خوبیوں کا کام کر رہے ہیں، یہی لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی نشانیوں اور اس کے رشتہ کو نہ سمجھا اور اس سے انکار کیا، پس ان کا تمام کیا دھرا برباد ہو گیا، اور قیامت کے دن انھیں کوئی وزن نصیب نہ ہوگا)

دوسری جگہ ارباب کفر کے اعمال یہ بتلائے۔

یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا وھم من الآخرۃ غافلون ﴿

(صرف دنیا کی زندگی کا ایک ظاہری پہلو انھوں نے جان لیا ہے اور وہ آخرت کے علاقوں سے بالکل غافل ہو گئے ہیں!)

"آخرت" سے مقصود یہ نہیں ہے کہ دنیا اور دنیا کے اعمال ترک کر دیئے جائیں، بلکہ اس کی عملی تفسیر یورپ کی موجودہ زندگی کو سمجھو جس نے اپنے تئیں صرف دنیا ہی کے لئے وقف کر دیا اور اس کے گھمنڈ میں وہ اللہ اور اس کے رشتے کے لئے کوئی وقت اور فکر نہ نکال سکی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے وہ چیز تو حاصل کر لی جس کا نام تمدن رکھا گیا ہے، لیکن وہ شئے حاصل نہ کر سکی جو انسان کے لئے امن حقیقی کی راہ، اور اسلام وسعادت فطری کی صراط مستقیم ہے۔

(۹)

تم کہہ سکتے ہو کہ یہ اُن انسانوں کا حال ہے جن کی بڑائیاں صرف جسم و مادہ تک محدود تھیں لیکن اگر دنیا کے لئے ان کی پیدایش کی یاد میں کوئی تسکین اور راحت نہیں ہے تو وہ ان تمام صفوں سے باہر آجائے گی اور دنیا کے بڑے بڑے مذہبوں کے دامن میں پناہ لے گی وہ بانیان مذہب کی عظمتوں کا نظارہ کرے گی، وہ خدا کے رسولوں اور اُس کے پاک پیاموں کے پیغمبروں کو ڈھونڈھے گی!

ہاں اگر دنیا ایسا کرے تو یہ فی الحقیقت اس کی مصیبتوں کا خاتمہ ہوگا، اُس کے دائمی درد اور بیقراریوں کے لئے سکھ اور راحت کی ایک حیات بخش کروٹ ہوگی، اور بلا شبہ منزل مقصود کو پالے گی، قرآن

حکیم نے بھی اس کے دکھ کا یہی علاج بتلایا ہے۔ اور جب کہ وہ بادشاہوں قومی پیشواؤں، کاہنوں اور علم و مذہب کے جھوٹے مدعیوں کے دامن غرور میں لپٹی ہوئی تھی، تو اسے وصیت کی کہ وہ سچائی کے رسولوں اور خدا کے داعیوں کی راہ اختیار کرے اور انھی کی زندگی کو اپنا نصب العین بنائے۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔
(خدایا تو ہمیں صراط مستقیم پر چلا وہ صراط مستقیم جو تیرے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں، صالح بندوں کی راہ عمل ہے)

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس میدان میں بھی اگر وہ کونسی زندگی ہے جس کے اعمال دعوت کے اندر دنیا کو پیام امن و سعادت مل سکتا ہے؟

دنیا میں آج جو بڑے بڑے مذاہب موجود ہیں، وہ علم الاقوام کی تقسیم کے مطابق دو قسموں میں منقسم کئے جا سکتے ہیں، ایک سمیاطیقی سلسلہ ہے جس کے ماتحت یہودی و مسیحی قومیں اب تک دنیا میں باقی ہیں، دوسرا آرین سلسلہ ہے جس سے گوتم بدھ اور ہندوستان کے تمام داعیان مذاہب وابستہ ہیں۔

پھر دنیا کے لئے اگر سب سے بڑا رسول یہودی مذہب کی تاریخ میں ہے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور ان کی پیدایش کو سب سے بڑا واقعہ قرار دے گی۔ لیکن اگر اس نے ایسا کرنا چاہا تو اُسے یہ سمجھنے کا حق حاصل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعمالِ حیات

میں اپنے لئے پیام امن ڈھونڈھ لے۔ حضرت موسیٰ کی حیات مقدس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مصر کی ایک جابر و ظالم گورنمنٹ کے پنجۂ استبداد سے بنی اسرائیل کو نجات دلائی اور اسے غلامی کی ناپاکی سے نکال کر جو انسانیت کے لئے سب سے بڑی ناپاکی ہے، حکومت اور امن و عزت کی طہارت تک پہنچا دیا۔

بلاشبہ انھوں نے اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل کی نسل کے لئے بڑا ہی مقدس جہاد کیا، اور یہ ان کا یادگار عالم کیلئے اسوۂ حسنہ ہے جس کی دنیا کو تقدیس کرنی چاہیئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انھوں نے تمام دنیا کے لئے کیا کیا؟ دنیا صرف بنی اسرائیل ہی کا نام نہیں ہے۔ غیرالٰہی عبودیت کی زنجیریں صرف بنی اسرائیل ہی کے پاؤں میں نہیں تھیں، بلکہ کرۂ ارضی کی تمام آبادی کے پاؤں اس کے بوجھ سے زخمی تھے، پس دنیا کے لئے وہی تلوار محبوب ہو سکتی ہے جو صرف فرعون کی ڈالی ہوئی زنجیروں ہی کو نہ کاٹے، بلکہ دنیا کے تمام فرعونوں کے تخت غرور کو الٹ دے۔

انھوں نے صرف بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلائی، مگر تمام دنیا غلامی سے نکلنے کی آرزومند ہے۔

دوسرا سب سے بڑا اسرائیلی مذہب مسیحی تحریک کا ہے۔ لیکن مسیحی دعوت کی تعلیم ہمارے سامنے ہے۔ اس کے علاوہ مسیحیت سے منسوب قومیں جو کچھ کہیں گی، ہم انھیں حضرت مسیح کے نام سے قبول نہیں کر سکتے حضرت مسیح نے کہا کہ میں صرف تورات کو قائم کرنے آیا ہوں، خود کوئی

نئی دعوت نہیں لایا۔ (متی ۵: ۱۷) انھوں نے تصریح کی کہ میرا مشن صرف بنی اسرائیل کی اصلاح تک محدود ہے۔ نیز انھوں نے غیر قوموں میں منادی کرنے سے روکا (۱) اور ہمیشہ اپنے کاموں اور اپنی وصیتوں میں اپنی تعلیم کو اسرائیل کے گھرانے تک محدود رکھا پس دراصل انھوں نے جو کچھ بھی خدمت کرنی چاہی وہ محض بنی اسرائیل نامی ایک مسخ شدہ قوم کی تھی۔ تمام دنیا کے لئے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

پھر ان کا ظہور اس وقت ہوا، جب کہ روم کی ظالمانہ حکومت نے شام کے مقدس مرغزاروں کو روند ڈالا تھا۔ اور بت پرست قوموں کی جابر و مستبد گورنمنٹیں دنیا کے بڑے حصے کو اپنا غلام بنائے ہوئے تھیں، لیکن انھوں نے نہ تو اس ظلم و طغیان کے متعلق کچھ کہا اور نہ اس سے کچھ تعرض کیا۔

پہلی صدی مسیحی کے بعد جس قدر مسیحی قومیں دنیا میں آباد ہوئیں ان کو حضرت مسیح کی تعلیم کی دعوت سے کچھ تعلق نہ تھا۔ اور وہ سرتاسر یونان کے ایک تعلیم یافتہ یہودی پولس کے مذہب کی پیرو تھیں، پولس نے تمام حواریان مسیح کے مذہب کے خلاف غیر اسرائیلی انسانوں کو بپتسما دینا شروع کیا اور اس طرح روم و یونان کے مختلف جزیروں اور دیہاتوں میں ایک نیا گروہ پیدا کر لیا۔ پس اگر دنیا حضرت مسیح کی طرف جھکنا چاہے گی تو دنیا کو ان کے کارنامۂ حیات کے لئے بمشکل ایک چوتھائی صدی ہاتھ آئے گی جس کے اندر ان کے ترقی یافتہ حواریوں کے اعمال نظر آسکتے ہیں۔ اور یہ چند سال

فضائل و محاسن اخلاق کا کیسا ہی عمدہ نمونہ پیش کریں، لیکن ان میں دنیا کے لئے کوئی عام پیام نجات نہیں ہے۔

پھر اس سے بھی قطع نظر کرو، نتائج کی بحث بعد کو آتی ہے، سب سے پہلے دعوت، اعلان، ادعا اور نفس تعلیم کا سوال ہے۔ دنیا حضرت مسیح کی یاد پر کیونکر قناعت کر لے جب کہ خود انھوں نے دنیا کے لئے کچھ نہ کیا، بلکہ ہمیشہ اسے ٹھکرایا، مردود کیا، اور اس کے ساتھیوں کو، اس کے دوستوں کو اور اس سے رشتہ رکھنے والوں کو خدا کی بادشاہت کی مہربانی سے محروم بتلایا؟ حتیٰ کہ ایک آخری فتویٰ دیدیا "تم خدا اور دنیا، دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے"۔ (متی ۶: ۲۵) "اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو"۔ (متی ۱۹: ۲۴) اس سے بھی درگزر کرو، اور اس کی بہتر سے بہتر توجیہ جو کر سکتے ہو کر لو۔ نیز پولس کی دعوت ہی کو حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت تسلیم کر لو۔ اور ان تمام قوموں کو جنھوں نے مسیح کے نام پر بپتسما کا پانی اپنے اوپر چھڑکا، مسیحی دعوت کا پھل مان لو لیکن پھر بھی مسیحی تحریک کی پوری تاریخ کا کیا حال ہے؟ جب تک مسیحیت دنیا پر حکمران رہی، جس وقت تک مسیحی مذہب کا دینی تسلط انسانوں سے اطاعت کراتا رہا، اور جب تک کہ مسیحی راہ نماؤں اور خلیفوں کی غلامی سے دنیا نے انحراف نہ کیا، تاریخ شاہد ہے کہ اس وقت تک اس کا وجود دنیا کے لئے، دنیا کے علم و تمدن کے لئے، آبادی و عمران کے لئے

اخلاق و پاکیزگی کے لئے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کی فطری حریت و شرف انسانیہ کے لئے ایک بدترین لعنت رہا جس نے جلایا، ویران کیا، مسمار کیا، قتل کیا جیل خانے بھرے، زبانوں پر مہریں لگائیں، انسانی دماغوں کو معطل کیا، لیکن انسان اور انسانیت کی راستی و ترقی کے لئے چند لمحوں کا بھی ایک دور پیدا نہ کیا مشہور مؤرخ گیزو، سیدیو، لامارتے اور ڈریپر، اس بارے میں ہمارے لئے بہترین راوی ہیں۔

لیکن جس وقت کہ مسیحیت کی قوت نے شکست کھائی، تمدن کا غیر دینی دور شروع ہوا، مذہبی جماعتوں اور مذہبی خلافت (پوپ) کے حلقۂ غلامی سے یورپ آزاد ہو گیا، تو اس وقت سے یورپ کی موجودہ تمدن کی بنیاد پڑی، اور مسیحی قوموں نے ترقی شروع کی۔

اگر تم کہتے ہو کہ دنیا کے لئے سب سے بڑی عظمت مسیحی مذہب کے بانی میں تھی، تو خود اس کے بانی ہی نے ہمیں معیار حق و باطل بھی بتلا دیا ہے کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" (مرقس ۱۹: ۱۶) پس دنیا اگر مسیحی مذہب کی پیدائش کے اندر اپنی خوشی کو ڈھونڈھے تو اس کو انسان کی امن و سلامتی اور فطرت کی آزادی و سعادت کی جگہ قتل و غارت اور ہلاکت و غلامی کی یادگار کا جشن منانا پڑے گا۔ کیونکہ مسیحیت کے درخت کا صرف یہی پھل ہمارے سامنے ہے۔

پھر کیا دنیا اس کے لئے تیار ہے؟

یہ جو کچھ تھا، مسیحی اقوام کی تاریخ قدیم کی بنا پر تھا لیکن اگر اس پر

گزشتہ دو صدیوں کے واقعات و نتائج کا بھی اضافہ کر دیا جائے جو اقوام یورپ کے اعمال تمدن سے وابستہ ہیں تو دنیا کی مایوسی اور زیادہ درد انگیز ہو جائے۔

اس کے بعد مذاہب عالم میں آرین نسلوں کی دعوتیں ہمارے سامنے آتی ہیں، لیکن افسوس کہ دنیا کے لئے ان کے پاس بھی کوئی پیام سعادت نہیں۔ عظیم الشان گوتم بدھ کی تمام تعلیم و وصایا کا ماحصل یہ بتلایا جاتا ہے کہ "نجات دنیا کے ساتھ رہ کر حاصل نہیں ہو سکتی"۔ پس دنیا کو جن لوگوں نے ٹھکرا دیا، دنیا ان کے پاس جا کر کیا سکھ حاصل کرے گی؟ پھر اس نے جو کچھ بھی بتلایا اور سکھایا ہو، لیکن قوموں اور ملکوں کے دائرہ ہی میں اس کی دعوت محدود رہی، ہندوستان میں اسے شکست ملی تو جاپان اور چین میں جا کر محدود ہو گئی، پس زمین اپنی اس مصیبت کے لئے جو رقبوں اور ملکوں میں محدود نہیں ہے۔ عظیم الشان بدھ سے کیا حاصل کر سکتی ہے؟

ہندوستان کے مذہبی ذخیرہ تعلیمات اور ان کی پر اثر قدامت کی وقعت سے ہم انکار نہیں کر سکتے، تاہم دنیا کے لئے ان بانیوں کی عظمت کے اندر کیا خوشی ہو سکتی ہے جب کہ کوہِ ہمالیہ کی دیواروں اور بحر عرب کی موجوں سے باہر بھی دنیا ہے، مگر ہندوستان کے مذہبی داعیوں نے صرف ہندوستان کے اندر بسنے والوں ہی کو اپنی ہدایتیں سپرد کیں۔

(۱۰)

پس دنیا اگر اپنی نجات کے لئے بے چین ہے تو اس کے لئے راحت اور تسکین کا پیام صرف ایک ہی ہے، اور صرف ایک ہی کی زندگی میں ہے، اس کا دکھ ایک ہی ہے۔ اس لئے اس کی شفا کے نسخے بھی ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتے، اس کا پروردگار ایک ہے۔ جو اپنے ایک ہی آفتاب کو اس کے خشک و تر پر چمکاتا اور ایک ہی طرح کی بدلیوں سے اس کے آباد و ویرانہ کو شاداب کرتا ہے، بس اس کی ہدایت و رحمت کا آفتاب بھی ایک ہی ہے، اور گو بہت سے ستارے اس کی روشنی سے اکتساب نور کرتے ہوں مگر ان سب کا مرکز و مبدا و نورانیت ایک ہی ہے۔

قرآن حکیم نے آفتاب کو "سراج" کہا ہے۔

وجعلنا سراجا وھاجا (۲۸: ۱۴)

(اور ہم نے آسمان میں سورج کے چراغ کو بڑا ہی روشن بنایا)

اور اسی طرح اس کے ظہور کو بھی "سراج" کہا جس کی ہدایت و رحمت کی روشنی تمام کرۂ ارضی کی ظلمتوں کے لئے پیام صبح تھی۔

انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا۔

(اے پیغمبر اسلام! ہم نے تم کو دنیا کے آگے حق کی گواہی دینے والا، سعادت انسانیت کی خوشخبری پھیلانے والا، اللہ کی طرف اس کے بندوں کو بلانیوالا، اور

دنیا کی تاریکیوں کے لئے ایک چراغ نورانی بنا کر بھیجا)

پس تمام کرۂ ارضی کی روشنی کے لئے یہی ایک آفتاب ہدایت ہے جس کی عالم تسخیر کرنوں کے اندر دنیا اپنی تمام تاریکیوں کے لئے نور بشارت پا سکتی ہے اور اس لئے صرف وہی ایک ہے جس کے طلوع کے پہلے دن کو دنیا کبھی نہیں بھلا سکتی، اور اگر اس نے بھلا دیا ہے تو وہ وقت دور نہیں جب اسے کامل عشق و شیفتگی کے ساتھ صرف اسی کے آگے جھکنا پڑیگا اور اسی کو اپنا کعبۂ امید بنانا پڑے گا۔

اس مقدس پیدائش نے دنیا میں ظاہر ہو کر یہ نہیں کہا کہ میں صرف بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے آیا ہوں بلکہ اس نے کہا کہ تمام عالم انسانیت کو غیر الٰہی غلامیوں سے نجات دلانا میرا مقصد ظہور ہے، اس نے صرف اسرائیل کے گھرانے کی گم شدہ رونق ہی سے عشق نہیں کیا۔ بلکہ تمام عالم کی اجڑی ہوئی بستی پر غمگینی کی اور ان کی دوبارہ رونق و آبادی کا اعلان کیا، اس نے اس خدا کی محبتوں کی طرف دعوت نہیں دی جو صرف سینا کی چوٹیوں یا ہمالیہ کی گھاٹیوں میں بستا ہے بلکہ اس رب العالمین کی طرف بلایا جو تمام نظام ہستی کا پروردگار ہے اور اس لئے تمام کائنات عالم کو اپنی طرف بلا رہا ہے۔ ہم کو دنیا میں سکندر ملتا ہے جس نے تمام عالم کو فتح کرنا چاہا تھا، لیکن ہم دنیا کی پوری تاریخ میں خدا کے کسی رسول کو نہیں پاتے جس نے تمام عالم کی ضلالتوں اور تاریکیوں کے خلاف اعلان جہاد کیا ہو۔ اس کا صرف ایک ہی اعلان ہے جو آغاز خلقت سے

اب تک کیا گیا ہے اور اس لئے اگر دنیا، نسلوں، قوموں اور رقبوں کا نام نہیں ہے، بلکہ مخلوقاتِ الٰہی کی اس پوری نسل کا نام ہے جو کرۂ ارضی کی پیٹھ پر بستی ہے تو وہ مجبور ہے کہ ہر طرف سے مایوسی کی نظریں ہٹا کر صرف اس ایک ہی اعلانِ عام کے آگے جھک جائے اور صرف اسی کی پیدائش کے دن کو اپنی عمر کا سب سے بڑا دن یقین کرے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا (۲۵:۱)

(کیا ہی پاک اور برکتوں کا سرچشمہ ہے ذات اس کی جس نے اپنے برگزیدہ بندہ پر الفرقان نازل کیا تاکہ وہ قوموں اور ملکوں ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام عالموں کی ضلالت کے لئے ڈرانے والا ہو!)

دنیا میں جس قدر داعیانِ حق و صداقت کے اعلانات موجود ہیں اگر دنیا ان کو بھلا دے گی، تو یہ صرف قوموں اور ملکوں کی سعادت کی فراموشی ہوگی، کیونکہ اس سے زیادہ انھوں نے کچھ نہ کہا، لیکن اگر ربیع الاول کو اس نے بھلا دیا، تو یہ تمام کرۂ ارضی کی نجات کو بھلا دینا ہوگا، کیونکہ ربیع الاول کی رحمت کسی ایک سرزمین کے لئے نہیں بلکہ تمام عالمین کے لئے تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عید میلاد

برادرانِ اسلام!

اگرچہ شریعت میں حضورؐ کے یوم پیدائش کو عید قرار نہیں دیا گیا ہے اور نہ اس کے لئے کسی قسم کے مراسم مقرر کئے گئے ہیں۔ لیکن اگر مسلمان یہ سمجھ کر کہ یہ خدا کے سب سے بڑے نبی اور دنیا کے سب سے بڑے ہادی کی پیدائش کا دن ہے اور یہ وہ دن ہے جس میں انسان کے لئے خدا کی سب سے بڑی نعمت ظہور میں آئی۔ اس کو عید کی طرح سمجھیں تو کچھ بیجا نہیں ہے۔ البتہ اس عید کے منانے کی یہ صورت نہیں ہے کہ خوب کھاؤ، پیو، چراغاں کرو جلوس اور جھنڈے نکالو، اور محض اپنی دلگی کے لئے فضول نمائشی کام کرنے لگو۔ ایسا کرو گے تو تم میں اور جاہل قوموں میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ جاہل قومیں بھی اپنی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات کی یاد میلوں ٹھیلوں اور جلوسوں سے مناتی ہیں۔ اگر تم نے بھی ان کے میلوں اور تہواروں

کی نقل اتاری تو جیسے وہ ہیں ویسے ہی تم بھی بن کر رہ جاؤ گے۔ اسلام نے تو یادگار منانے کا نیا ہی ڈھنگ نکالا ہے۔ سب سے بڑی یادگار حضرت ابراہیمؑ کی قربانی ہے۔ جسے منانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عید الاضحیٰ کی نماز اور قربانی اور حج و طواف کا طریقہ مقرر کیا ہے۔ اس پر تم غور کرو تو اندازہ کر سکتے ہو کہ مسلمانوں کو اپنی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات کی یاد کس طرح منانی چاہیئے۔ تم کو سوچنا چاہئے کہ ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ کس لحاظ سے تمہارے لئے اہمیت رکھتی ہے۔ اس لحاظ سے نہیں کہ عرب کے ایک شیخ کے گھر میں آج ایک بچہ پیدا ہوا تھا، بلکہ اس لحاظ سے کہ آج اس پیغمبر اعظم کو خدا نے زمین پر بھیجا، جس کے ذریعہ سے انسان کو خدا کی معرفت حاصل ہوئی، جس کی بدولت انسان نے حقیقت میں انسان بننا سیکھا، جس کی ذات تمام جہان کے لئے خدا کی رحمت تھی اور جس نے روئے زمین پر ایمان اور عمل صالح کا نور پھیلایا پس جب اس تاریخ کی اہمیت اسی لحاظ سے ہے، تو اس کی یادگار بھی اس طرح منانی چاہیئے کہ آج کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور دنوں سے زیادہ پھیلائیں، آپ کے اخلاق اور آپ کی ہدایات سے سبق حاصل کرو، اور کم از کم آپ کی تعلیم کا اتنا چرچہ تو کرو کہ سال بھر تک اس کا اثر باقی رہے۔ اس طرح یادگار مناؤ گے تو حقیقت میں یہ ثابت ہوگا کہ تم یوم میلاد النبی کو سچے دل سے عید سمجھتے ہو اور اگر صرف کھائی کر اور دلگیاں ہی کر کے رہ گئے تو یہ مسلمانوں کی سی عید نہ ہوگی بلکہ جاہلوں کی سی

آج کے دن کی مناسبت سے میں بھی آج کا خطبہ اسی تقریب کے متعلق دوں گا۔
اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں فرمایا ہے کہ ہم نے جو نبی بھی بھیجا ہے۔ اسی لئے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اس لحاظ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے کیونکہ آپ بھی اللہ کے نبی ہیں لیکن اس عام حکم کے علاوہ اللہ نے جو خاص احکام مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دیئے ہیں وہ میں آپ کو سناتا ہوں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔

اے نبی لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تم سے محبت کرے گا۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔

مومنوں کا کام تو یہ ہے کہ جب ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ رسول ان کے معاملات میں فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا۔

کسی مومن مرد اور عورت کا یہ کام نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو وہ پھر خود اپنے اختیار سے اس معاملہ میں کوئی حکم لگائیں جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

اے نبی قسم ہے پروردگار کی وہ اس وقت تک ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ تجھ پر نہ چھوڑ دیں اور پھر جو فیصلہ تو کرے اس پر اپنے دل میں بھی وہ برا نہ مانیں بلکہ سیدھے سادے طریقہ سے اس کے آگے سر جھکا دیں۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

جو لوگ نبی کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیئے کہ کہیں وہ فتنے میں نہ پڑ جائیں، تمہارا یہ کام نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو اذیت دو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں اللہ ان پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت بھیجے گا۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔

رسول کی بات کو تم ایسا نہ سمجھ لینا جیسے آپس میں تمہاری ایک دوسرے کی بات ہوتی ہے،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔

اے ایمان لانیوالو! نبی کی آواز کے مقابلہ میں آواز بلند نہ کرو اور نہ اس سے اس طرح سختی کے ساتھ بات کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے کر جاتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سب اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ۔

تم کہیں ایسے لوگ نہ پاؤ گے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہوں اور پھر ایسے لوگوں سے دوستی بھی کریں جو اللہ اور رسول کے دشمن ہوں چاہے وہ ان کے باپ اور بیٹے اور بھائی اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔

اے نبی لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تمہیں اپنے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے نقصان کا تم کو خوف ہے اور وہ گھر بار جو تمہیں پسند ہیں اللہ اور اس کے رسول اور راہِ خدا میں جہاد کی بہ نسبت زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو اس وقت کا جب اللہ اپنا فیصلہ سنائے گا۔

اس مضمون کی ساری آیتیں یہاں بیان کرنا مشکل ہے میرا مقصد صرف اس قدر ہے کہ آپ مسلمان ہونے کی حیثیت سے صرف یہ سمجھ لیں کہ آپ کا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق کیا ہے۔ یہ بات ان چند آیتوں سے آپ کو معلوم ہو گئی، جو میں نے آپ کو سنائی ہیں۔ ان سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ کوئی شخص مسلمان ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری نہ کرے اگر حضور کوئی حکم دیں اور اس کے جواب میں آدمی کہے کہ میں اس کو نہیں مانتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ

وہ دل ہی میں ایمان نہیں رکھتا۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ حکم سنے اور سیدھی طرح سر جھکا دے چوں اور چرا کے ساتھ ایمان نہیں رہ سکتا۔

اچھا اب سنتے جائیے کہ حضورؐ نے خدا کی طرف سے آپ کو کیا احکام دیئے ہیں، پھر ہر شخص اپنی اپنی جگہ سوچتا جائے کہ وہ کتنا مسلمان ہے اور کتنا ایمان اپنے دل میں رکھتا ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، یعنی جو نہ زبان سے اپنے مسلمان بھائیوں کو تکلیف دے اور نہ ہاتھ سے۔

آپؐ نے فرمایا:۔ لا یومن احدکم حتٰی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ تم میں سے کوئی شخص با ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ یعنی جس طرح تم خود اپنی بھلائی چاہتے ہو اسی طرح اپنے مسلمان بھائی کی بھی بھلائی چاہو اور جس طرح تم اپنی برائی نہیں چاہتے اسی طرح اپنے بھائی کی بھی برائی نہ چاہو۔

حضرت ابوذر غفاریؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص سے میرا کچھ جھگڑا ہو گیا اور میری زبان سے ماں کی گالی نکل گئی۔ حضورؐ نے سن لیا اور فرمایا کہ انک امرؤ فیک جاھلیۃ تم میں اب تک جاہلیت کا اثر باقی ہے۔ پوری طرح اسلام نہیں آیا۔

حضورؐ کا فرمان ہے کہ منافق کی چار خصلتیں ہیں، جس میں چاروں موجود ہوں وہ پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت ہو اس میں ایک حصہ نفاق کا بھی ہے۔ پہلی خصلت یہ ہے کہ جب اس پر بھروسہ کر کے کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔ دوسری خصلت یہ ہے کہ جب وہ بات کرے تو اس میں جھوٹ ضرور ملائے۔ تیسری خصلت یہ ہے کہ جب وہ کسی سے وعدہ یا عہد و پیمان کرے تو اس سے پھر جائے۔ چوتھی خصلت یہ ہے کہ جب کسی سے اس کا جھگڑا ہو تو وہ بدکلامی پر اتر آئے یا اپنے مخالف کو ناجائز طریقوں سے نیچا دکھانے کی کوشش کرے۔

آپ نے فرمایا کہ المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه ومن کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته ومن فرج عن مسلم کربة فرج الله عنه کربة من کربات یوم القیمة ومن ستر مسلما ستره الله یوم القیمة۔ یعنی مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ نہ اس پر خود ظلم کرے گا اور نہ اس کو کسی ظالم کے حوالے کرے گا، جو شخص اپنے کسی بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے، اور جو شخص کسی مسلمان کو کسی مصیبت سے بچائے گا، اللہ اس پر روز حشر کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف کم کر دے گا، اور جو شخص کسی مسلمان کا عیب چھپائے گا، اللہ بھی قیامت کے روز اس کا عیب چھپائے گا۔

حضورؐ نے فرمایا "اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم"

صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ہم مظلوم کی مدد کریں گے مگر ظالم کی مدد کیسے کریں؟ فرمایا، اپنے ظالم بھائی کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لو تاکہ وہ ظلم نہ کر سکے۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ اتق دعوۃ المظلوم فانھا لیس بینھا وبین اللہ حجاب۔ مظلوم کی بددعا سے ڈرو کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ یعنی وہ سیدھی عرش الٰہی تک پہنچتی ہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جس نے اپنے کسی بھائی کی حق تلفی کی ہو یا اس کی عزت یا اس کے مال یا کسی اور چیز کو نقصان پہنچایا ہو وہ اسی دنیا ہی کی زندگی میں اسی کی تلافی کر دے ورنہ اگر اس دن پر اٹھا رکھا جس میں روپیہ پیسہ کچھ نہ ہوگا، بلکہ انسان کے پاس صرف اعمال ہی اعمال ہوں گے تو اس دن اسے یا تو اپنے نیک اعمال میں سے اس کو بدلا دینا ہوگا یا پھر مظلوم کے گناہوں میں سے کچھ بوجھ اس پر سے اتار کر ظالم پر ڈال دیا جائے گا۔

آپؐ نے فرمایا کہ جس نے کسی کی بالشت بھر زمین بھی مار لی اس کے گلے میں قیامت کے روز سات زمینوں کا طوق ڈالا جائے گا۔

حضورؐ نے فرمایا کہ تین گناہ سب سے بڑے ہیں۔ ایک خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا۔ دوسرے والدین کی نافرمانی اور ان کے حق سے بے پروائی کرنا تیسرے جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا۔

حضورؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے ہمسایہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے لئے

مجھ سے اتنے بار کہا کہ مجھے شک ہونے لگا کہ کہیں ہمسایہ کو وراثت میں شریک تو نہیں کر دیا جائے گا، ایک دوسری حدیث میں حضورؐ نے فرمایا کہ وہ شخص ہرگز ایمان نہیں رکھتا، ہرگز ایمان نہیں رکھتا، ہرگز ایمان نہیں رکھتا جس کا ہمسایہ اس کی شرارت سے ڈرتا ہو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص ایمان رکھتا ہو وہ اپنے ہمسایہ کو تکلیف نہ دے، اپنے مہمان کے ساتھ عزت سے پیش آئے اور جب زبان کھولے تو بھلائی کے لئے کھولے ورنہ چپ رہے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز خدا کے ہاں بدترین آدمیوں میں سے وہ شخص ہوگا جو دو منہ رکھتا ہو یعنی دو مخالف فریقوں میں سے ایک کے پاس جائے تو اس کی سی کہے اور دوسرے کے پاس جائے تو اس کی سی کہنے لگے۔ آدمی کے منہ پر کچھ بات کہے اور پیٹھ پیچھے کچھ اور کہے۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ بین العبد وبین الکفر ترک الصلوٰۃ۔ آدمی اور کفر کے درمیان ترک نماز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام سے کفر تک پہنچنے کے لئے ایک ہی درجہ بیچ میں ہے اور وہ نماز چھوڑ دینے کا درجہ ہے اگر تم نے نماز چھوڑ دی تو گویا تم کفر اور اسلام کے بیچ میں لٹک رہے ہو۔ ایک قدم آگے بڑھے اور کفر کی حد میں پہنچ گئے۔

ایک موقع پر حضورؐ نے فرمایا کہ جو لوگ اذان کی آواز سن کر گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔

نماز کی تاکید میں حدیثیں تو بہت ہیں، مگر صرف یہ دو حدیثیں میں نے

آپ کو سنائی ہیں جن سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ حکم کیسا زبردست ہے اور اس کی نافرمانی کے کیا معنیٰ ہیں۔ یہ بات تو اس فرض کے متعلق ہے جس سے آج کل مسلمان عام طور پر غافل ہو رہے ہیں۔ دوسری بات اس گناہ کے متعلق بھی سن لو جو مسلمانوں کو سب سے زیادہ تباہ کر رہا ہے، یعنی سود، حضورؐ نے صاف فرمایا ہے کہ سود کا لینا دینا، اس کی دستاویز لکھنا اور اس پر گواہی دینا سب حرام ہے۔ اور ان میں سے جو فعل بھی انسان کرے گا، اس کی سزا جہنم ہو گی۔

بھائیو! عید میلاد النبیؐ آپ مناتے ہیں، بڑی خوشی کی بات ہے مگر صرف اتنا عرض کروں گا کہ اپنے سرکار کے دربار میں حاضر ہوتے وقت ذرا یہ بھی سوچ لیا کیجئے کہ کیا منہ لے کر ہم اس روح پاک کا سامنا کر رہے ہیں۔ ایک خادم سے معمولی قصور ہو جائے تو وہ اپنے صاحب کے سامنے جاتا ہوا ڈرتا ہے اور منہ چھپاتا پھرتا ہے۔ پھر کیا منہ لے کر ان کے سامنے جائیں جن کے ایک دو نہیں خدا جانے کتنے فرمانوں کی روز نافرمانی کرتے ہیں۔ خدایا! مجھ کو بھی اپنے نبی کی اتباع کی توفیق دے اور میرے بھائیوں کو بھی۔

محفل میلاد النبیؐ اور اقبالؒ

میلاد مبارک کی محفلوں کو ایک جماعت نے اپنے نادانشمندانہ غلو سے کام لے کر محض مجموعہ رسوم بنا دیا ہے۔ دوسری طرف اس کے مقابلہ میں ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی ہے جو سرے سے ان محفلوں ہی کو مٹا دینا چاہتی ہے، حضرت اقبال نے ایک موقع پر اس باب میں جو خیالات ظاہر فرمائے ہیں، وہ اتنی بڑی حد تک معقول و معتدل ہیں کہ ان کی تقریر کی رپورٹ کو "زمیندار" کے صفحات سے لے کر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(مرتب)

زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے، انسانوں کے طبائع، اُن کے افکار اور ان کے نقطہائے نگاہ بھی زمانہ کے ساتھ ہی بدلتے رہتے ہیں، لہٰذا تیوہاروں کے منانے کے طریقے اور مراسم بھی ہمیشہ متغیر ہوتے رہتے ہیں اور ان سے استفادہ کے طریق بھی بدلتے رہتے ہیں، ہمیں چاہئے کہ ہم بھی اپنے مقدس دنوں کے

مراسم پر غور کریں اور جو تبدیلیاں افکار کے تغیرات سے ہونی لازم ہیں ان کو مدنظر رکھیں۔

منجملہ ان مقدس ایام کے جو مسلمانوں کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ ایک میلادالنبی کا مبارک دن بھی ہے، میرے نزدیک انسانوں کی دماغی اور قلبی تربیت کے لئے نہایت ضروری ہے، اُن کے عقیدے کی رو سے زندگی کا جو نمونہ بہترین ہو وہ ہر وقت ان کے سامنے رہے چنانچہ مسلمانوں کے لئے اسی وجہ سے ضروری ہے کہ وہ اسوۂ رسول کو مدنظر رکھیں تاکہ جذبۂ تقلید اور جذبۂ عمل قائم رہے۔ ان جذبات کو قائم رکھنے کے تین طریقے ہیں، پہلا طریق تو درود وصلوٰۃ ہے جو مسلمانوں کی زندگی کا جزو لاینفک ہو چکا ہے۔ وہ ہر وقت درود پڑھنے کے موقعے نکالتے ہیں۔ عرب کے متعلق میں نے سنا کہ اگر کہیں بازار میں دو آدمی لڑ پڑتے ہیں اور تیسرا بہ آواز بلند، اللّٰھم صل علیٰ سیدنا وبارک وسلم پڑھ دیتا ہے تو لڑائی فوراً رک جاتی ہے اور متخاصمین ایک دوسرے پر ہاتھ اٹھانے سے فوراً باز آجاتے ہیں۔ یہ درود کا اثر ہے اور لازم ہے کہ جس پر درود پڑھا جائے اس کی یاد قلوب کے اندر اپنا اثر پیدا کرے۔

پہلا طریق انفرادی۔ دوسرا اجتماعی ہے۔ یعنی مسلمان کثیر تعداد میں جمع ہوں اور ایک شخص جو حضور آقائے دو جہاں صلعم کے سوانح حیات سے پوری طرح باخبر ہو۔ آپ کے سوانح زندگی بیان کرے تاکہ ان کی تقلید کا ذوق، شوق۔ مسلمانوں کے قلوب میں پیدا ہو۔ اس طریق پر

عمل پیرا ہونے کے لئے ہم سب آج یہاں جمع ہوئے۔

تیسرا طریق اگرچہ مشکل ہے، لیکن بہر حال اس کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ یادِ رسول اس کثرت سے اور ایسے انداز میں کی جائے کہ انسان کا قلب نبوت کے مختلف پہلوؤں کا خود مظہر ہو جائے یعنی آج سے تیرہ سو سال پہلے جو کیفیت حضور سرورِ عالم کے وجود مقدس سے ہویدا تھی، وہ آج تمہارے قلوب کے اندر پیدا ہو جائے حضرت مولانا روم فرماتے ہیں:۔

آدمی دید ست باقی پوست است
دید آنست آں دید دوست است

یہ جوہر انسانی کا بہترین کمال ہے کہ اسے دوست کے سوا اور کسی چیز کی دید سے مطلب نہ رہے۔ یہ طریقہ بہت مشکل ہے کتابوں کے پڑھنے یا میری تقریر سننے سے نہیں آئے گا۔ اس کے لئے کچھ مدت تک نیکوں اور بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر روحانی انوار حاصل کرنا ضروری ہے اگر یہ میسر نہ ہو تو پھر ہمارے لئے یہی طریقہ ہے جس پر ہم آج عمل پیرا ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس طریق پر عمل کرنے کے لئے کیا کیا جائے؟ پچاس سال سے شور برپا ہے کہ مسلمانوں کو تعلیم حاصل کرنی چاہیے لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے تعلیم سے زیادہ اس قوم کی تربیت ضروری ہے اور ملی اعتبار سے یہ تربیت علماء کے ہاتھ میں ہے۔ اسلام ایک

خالص تعلیمی تحریک ہے، صدر اسلام میں اسکول نہ تھے کالج نہ تھے، یونیورسٹیاں نہ تھیں، لیکن تعلیم و تربیت اس کی ہر چیز میں ہے، خطبہ جمعہ خطبۂ عید، حج، وعظ، غرض تعلیم یا تربیت، عوام کے بیشمار مواقع اسلام نے بہم پہنچائے ہیں۔ لیکن افسوس کہ علماء کی تعلیم کا صحیح نظام قائم نہ رہا۔ اور اگر کوئی رہا بھی تو اس کا طریق عمل ایسا رہا کہ دین کی حقیقی روح نکل گئی، جھگڑے پیدا ہو گئے، اور علماء کے درمیان جنھیں پیغمبر علیہ السلام کی جانشینی کا فرض ادا کرنا تھا، سر پھٹول ہونے لگی، مصر، عرب، ایران افغانستان ابھی تہذیب و تمدن میں ہم سے پیچھے ہیں، لیکن وہاں علماء ایک دوسرے کا سر نہیں پھوڑتے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک نے اخلاق کے اس معیار اعلیٰ کو پا لیا ہے، جس کی تکمیل کے لئے حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تھے اور ہم ابھی اس معیار سے بہت دور ہیں۔

دنیا میں نبوت کا سب سے بڑا کام تکمیل اخلاق ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا۔ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" یعنی میں نہایت اخلاق کے اتمام کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس لئے علماء کا فرض ہے کہ وہ رسول اللہؐ کے اخلاق ہمارے سامنے پیش کیا کریں تاکہ ہماری زندگی حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی تقلید سے خوشگوار ہو جائے اور اتباع سنت زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں تک جاری و ساری ہو جائے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے خربوزہ لایا گیا تو آپ نے کھانے سے

انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے معلوم نہیں رسول اللہؐ نے اس کو کس طرح کھایا ہے۔ مبادا میں ترک سنت کا مرتکب ہو جاؤں سہ

کامل ابطام در تقلید فسمرد
اجتناب از خوردن خربوزہ کرد

افسوس کہ ہم میں بعض چھوٹی چھوٹی باتیں بھی موجود نہیں ہیں جن سے ہماری زندگی خوشگوار ہو اور ہم اخلاق کی فضا میں زندگی بسر کرکے ایک دوسرے کے لئے باعثِ رحمت ہو جائیں۔ اگلے زمانے کے مسلمانوں میں اتباع سنت سے ایک اخلاقی ذوق اور ملکہ پیدا ہو جاتا تھا اور وہ ہر چیز کے متعلق خود ہی اندازہ کر لیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ اس چیز کے متعلق کیا ہو گا۔

حضرت مولانا روم بازار میں جارہے تھے، آپ کو بچوں سے بہت محبت تھی کچھ بچے کھیل رہے تھے، ان سب نے مولانا کو سلام کیا اور مولانا ایک ایک کا سلام الگ الگ قبول کرنے کے لئے دیر تک کھڑے رہے ایک بچہ کہیں دور کھیل رہا تھا۔ اس نے وہیں سے پکار کر کہا کہ حضرت ابھی جائیے گا نہیں، میرا سلام لیتے جائیے تو مولانا نے بچہ کی خاطر دیر تک توقف فرمایا اور اس کا سلام لے کر گئے، کسی نے پوچھا حضرت آپ نے بچہ کے لئے اس قدر توقف کیا آپ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کا واقعہ پیش آتا تو حضور بھی یوں ہی کرتے۔

گویا ان بزرگوں میں تقلید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

اتباع سنت سے ایک خاص اخلاقی ذوق پیدا ہوگیا تھا۔ اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں علماء کو چاہیے کہ ان کو ہمارے سامنے پیش کریں۔ قرآن وحدیث کے غوامض بتانا بھی ضروری ہے، لیکن عوام کے دماغ ابھی ان مطالب عالیہ کے متحمل نہیں، انھیں فی الحال صرف اخلاق نبویؐ کی تعلیم دینی چاہیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکرِ محبوب

(یعنی وہ بیان جو مولانا الحاج محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی المخاطب بہ صدر یار جنگ بہادر نے گیارھویں شریف کی تقریب میں ٹولی مسجد حیدر آباد میں بعد نماز جمعہ کیا)

اطاعتِ خدا اور رسول

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (آل عمران)

محبۃ العبد للہ عبادۃ عن اعظامه واجلاله وایثار

طاعتہ واتباع امرہ ومجانبۃ نھیہ اللہ تعالیٰ سے بندہ کے محبت کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی تعظیم کرے اور برتر مانے اور اس کی فرماں برداری کو سب سے مقدم رکھے حکم پر چلے اور نہی سے باز رہے (تفسیر خازن) محبۃ العبد للہ ایثار طاعتہ علی غیر ذلک بندہ کی محبت اللہ تعالیٰ سے یہ ہے کہ اس کی اطاعت کو سب سے مقدم رکھے۔

حضرت حسنؓ نے فرمایا کہ آپ کے عہد مبارک میں بعض اقوام نے دعویٰ کیا کہ اللہ کو محبوب جانتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تصدیق کے واسطے ایک معیار قرار دیا تاکہ قول کی تصدیق عمل سے ہو۔ جو دعوی دار محبت (الہیٰ) ہو اور سنت رسول کے خلاف کرے وہ بڑا جھوٹا ہے اور قرآن شریف اس کی تکذیب کرتا ہے۔ دوسری آیت میں جو حکم اطاعت ہے وہ علامت محبت ہے (تفسیر مدارک) محبت کا طریقہ بھی کہلائے امت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی ایک میرا مرید ایک قدم بڑھا کر بیت المقدس سے بغداد آیا ہے۔ میں نے اس سے توبہ لی۔ شیخ صدقہ نامی ایک بزرگ حاضر مجلس مبارک تھے انھوں نے دل میں کہا کہ جو شخص بیت المقدس سے بغداد ایک قدم پہنچ جائے اس کو توبہ کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے ان کے خطرے پر مطلع ہو کر فرمایا کہ اے شخص ہوا میں اڑنے والے کو ضرورت ہے کہ اس فعل سے توبہ کرے وہ اس بات کا محتاج ہے کہ اس کو محبت خدا کا طریقہ بتایا جائے۔ فتوح الغیب کے چھتیسویں مقالہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اسی آیت کی تفسیر میں اللہ پاک نے

اس آیت میں طریقِ محبت بیان فرمایا ہے اور وہ اتباع نبوی ہے قول میں اور فعل میں"۔ اسی مقالے میں فرماتے ہیں کتاب اور سنت کو اپنا پیشوا بناؤ ان پر نگاہ رکھو اور ان کے مطابق عمل کرو۔ قیل وقال اور ہوس کے دھوکے میں مت پڑو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (جو تم کو رسول دے اس کو لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کرے باز رہو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کی مخالفت نہ کرو کہ جو وہ لائے ہیں اس کو چھوڑ دو اور اپنے لئے ایک اور عمل اور عبادت اختراع کرو، اسی مقالے کے آخر میں فرماتے ہیں "سلامت کتاب اور سنت کی معیت میں ہے اور ہلاکت ان کی غیر معیت میں"۔ کتاب اور سنت کی مدد سے انسان ولایت کے درجہ ابدال وغوث تک ترقی پا سکتا ہے۔"

حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ جو محبوبین الٰہی میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں اتباعِ سنت سے اس درجۂ عالی پر فائز ہوئے آج کا جلسہ حضرت کی گیارھویں شریف کی تقریب سے ہے اس لئے مناسب ہے کہ حالات مبارکہ مختصراً کسب شرف وسعادت کے واسطے بیان کئے جائیں۔

نسب و ولادت حضرت حسنی وحسینی سادات کرام سے ہیں۔ آبائی سلسلہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے اور مادری نسب حضرت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کا نسب بلحاظ مختلف قرابتوں کے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہم سے بھی ملتا ہے۔

اس لئے آپ صدیقی، فاروقی اور عثمانی بھی ہیں۔ آپ کا وطن گیلان ہے جس کو
جیلان، جیل اور گیل بھی کہتے تھے۔ والد ماجد کا نام نامی ابو صالح موسیٰ جنگی دوست
ہے۔ والدہ ماجدہ کا اسم شریف ام الخیر امۃ الجبار فاطمہ۔ نانا ابو عبداللہ الصومعی
اولیاء کرام میں سے تھے۔ اسی لئے حضرت جب تک گیلان میں رونق افروز
رہے سبط ابو عبداللہ کے لقب سے مشہور تھے۔ ولادت مبارک سنہ ۴۷۱ھ
میں ہوئی۔ تاریخ ولادت (عشق ۴۷۰ھ) ہے۔ اٹھارہ برس کی عمر تک وطن ہی میں
قیام رہا۔ وہاں مکتب میں پڑھتے رہے، بالآخر جاذبۂ ربانی ظہور پذیر ہوا اور ایما
فرمایا گیا کہ کس کام کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ ۴۸۸ھ میں والدہ ماجدہ سے اجازت
چاہی کہ بغداد جائیں اور صلحا کی زیارت اور حصول علم سے مستفید ہوں
مخدومہ نے اجازت فرمائی۔ شوہری ترکہ میں سے اسی اشرفیاں باقی تھیں
چالیس حضرت کو دیں چالیس دوسرے فرزند کو۔ حضرت کے حصے کی ایک مرقع
(گدڑی) میں بغل کے نیچے سی دیں۔ چلتے وقت فرمایا میں نے اپنا حق معاف
کیا اب قیامت تک تمہاری صورت دیکھنے کو نہ ملے گی۔ یہ عہد لیا کہ ہر حال میں
سچ بولنا۔ حضرت والدہ ماجدہ سے رخصت ہو کر قافلے کے ساتھ روانہ
ہوئے۔ ایک مقام پر ساٹھ سوار قافلے پر حملہ آور ہوئے۔ سب قافلے
والوں کو گرفتار کر لیا۔ آپ سے تعارض نہیں کیا۔ بالآخر ایک راہزن
نے پوچھا تمہارے پاس کیا ہے۔ فرمایا چالیس اشرفیاں۔ پوچھا کہاں ہیں۔
فرمایا گدڑی میں بغل کے نیچے سلی ہوئی ہیں۔ وہ سمجھا کہ مذاق ہے چلا گیا۔
ایک دوسرے ڈاکو سے بھی یہی گفتگو ہوئی۔ پھر تیسرے سے۔ آخر

انھوں نے اپنے سردار سے یہ ماجرا بیان کیا۔ اس نے بلا کر آپ سے پوچھا حضرت کا وہی جواب تھا۔ ڈاکو اس وقت ایک ٹیلہ پر مال تقسیم کر رہے تھے۔ جواب سن کر سردار نے کہا۔ گدڑی ادھیڑو۔ ادھیڑی گئی۔ پوری چالیس اشرفیاں نکلیں۔ تعجب سے پوچھا اپنا راز کیوں فاش کیا۔ فرمایا والدہ نے عہد لیا ہے کہ ہر حال میں سچ بولنا۔ میں ان کے عہد میں خیانت نہیں کر سکتا۔ یہ کلام پُر تاثیر زبان سے نکلا تھا کہ سردار کے دل میں اتر کر گیا۔ رویا اور کہا۔ تم اپنی ماں کے عہد میں خیانت نہیں کرتے ہیں اپنے پروردگار کے عہد میں سالہا سال سے خیانت کر رہا ہوں۔ اسی وقت توبہ کی۔ رفقا نے یہ دیکھ کر کہا کہ تم رہزنی میں سردار تھے تو توبہ کے بھی سردار ہو۔ یہ کہہ کر سب نے توبہ کی اور مال قافلے والوں کو واپس دے دیا۔ حضرت نے فرمایا ہے یہ پہلا گروہ تھا جس نے میرے ہاتھ پر توبہ کی۔ حضرت نے یہ واقعہ خود زبانِ مبارک سے اس وقت بیان فرمایا تھا جب کسی نے سوال کیا تھا کہ آپ کی ترقی کی بنیاد کیا ہے فرمایا صدق۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ اس زمانے میں بھی جب میں چھوٹا تھا اور مکتب میں پڑھتا تھا۔

تحصیل علم

بغداد پہنچ کر پوری محنت اور کوشش سے تحصیل علم کی۔ اول قرآن مجید کو پوری روایت و درایت کے ساتھ حاصل کیا یعنی قرائتیں سیکھیں اور سمجھ کر پڑھا۔ پھر ممتاز محدثین سے علم حدیث کی تحصیل اور دوسرے علوم کی بھی تکمیل کی۔ اس طرح اصول و فروع

مذہب اور اخلاقیات غرض جملہ علوم کی تکمیل کی۔ اس شان اور امتیاز کے ساتھ نہ صرف بغداد بلکہ تمام ممالک کے علمار سے ممتاز اور فائق ہو گئے اور مرجع علمار بن گئے۔

سلوک راہ سلوک میں ریاضات شاقہ فرمائیں اور مجاہدات عظیم کئے خود فرمایا ہے کہ پچیس برس تک میں عالم تفرید میں عراق کے جنگل اور ویرانوں میں پھرتا رہا ہوں نہ مجھ کو کوئی پہچانتا تھا نہ میں کسی کو چالیس برس عشار کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے۔ پندرہ برس تک عشار کے بعد ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر دیوار کی کھونٹی پکڑ لیتا اور کلام مجید کی تلاوت شروع کرتا۔ صبح تک ختم کر دیتا۔ گیارہ برس بغداد کے ایک برج میں مصروف عبادت رہا۔ میرے اس قدر قیام کی وجہ سے اس کا نام برج عجمی ہو گیا۔ فرماتے ہیں دورانِ سیاحت میں ایک بار سارا افق روشن ہو گیا۔ اس میں ایک عجیب صورت مجھ پر ظاہر ہوئی اس نے بہ آواز بلند مجھ سے کہا کہ اے عبدالقادر میں تیرا پروردگار ہوں جو دوسروں پر حرام ہے وہ میں نے تجھ پر حلال کر دیا جو چاہو گے وہ پاؤ گے۔ جو چاہو کرو۔ میں نے کہا اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم یہ پڑھتے ہی روشنی کا نور تھی اور تاریکی میں وہ صورت غائب۔ دور جا کر کہا اے عبدالقادر اپنے علم اور فقہ کی وجہ سے تم مجھ سے بچ گئے میرے اسی فریب میں پھنس کر ستر آدمی ایسے تباہ ہوئے کہ پھر راستہ نہ ملا۔ تم کو اللّٰہ تعالیٰ نے کیسا علم اور ہدایت

عطا فرمائی ہے۔ میں نے کہا للہ الفضل والمنۃ ومنہ الھدایۃ فی البدایۃ والنھایۃ (یہ اللہ ہی کا فضل اور احسان ہے اور ابتدا و انتہا میں اُسی کی ہدایت ملتی ہے)

تزکیہ و تصفیہ خود حضرت کا بیان مروی ہے کہ عراق کے جنگل اور ویرانوں کی سیاحت کے دوران میں تجرید کا یہ عالم تھا کہ میں مخلوق سے اور مخلوق مجھ سے بیگانہ تھی۔ دنیا کی خواہشیں اور زینتیں رنگارنگ صورتوں میں مجھ پر عیاں ہوتیں۔ اللہ پاک ان کی جانب التفات کرنے سے مجھ کو محفوظ رکھتا۔ شیاطین انواع و اقسام کی صورتیں بنا کر آتے مقابلہ کرتے ڈراتے اللہ تعالیٰ مجھ کو قوت دیتا میں فتح پاتا۔ میرا نفس متشکل ہو کر میرے سامنے آتا۔ کبھی روتا کبھی آرزو کا اظہار کرتا۔ کبھی لڑتا۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو فتح دیتا۔ غرض ایک ہزار فن برتے ہیں۔ جب تمہاری دنیا سے نجات ملی ہے۔ اس زمانے میں مجھ کو کوئی گونگا بتاتا کوئی احمق اور کوئی مجنون۔ اس راہ میں کوئی مرحلہ پیش نہیں آیا جس کو میں نے طے نہ کیا ہو۔ نہ نفس کی خواہش مجھ پر کبھی غالب آئی نہ دنیا کی زیب و زینت نے کبھی مجھ کو فریفتہ کیا۔ یہی حال بچپن میں تھا۔ کانٹوں اور پتھروں میں پھرتا کچھ پرواہ نہ ہوتی۔ شیطان سے ایک بار میں نے کہا کہ میں تیرے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہوں۔ اس نے کہا یہی بہت سخت ہے۔ اسی عالم میں ایک بار میں نے دیکھا کہ بہت سے تسمے اور جال میرے چاروں طرف لگے ہوئے ہیں۔

میں نے دریافت کیا یہ کیا ہے جواب ملا دنیا کے جال جن میں تمہارے مثل آدمی پھانسے جاتے ہیں ایک سال میں ان کی طرف متوجہ رہا۔ یہانتک کہ وہ جال اور تسمے پارہ پارہ کرکے پھینک دیئے۔ پھر دیکھا کہ بہت سی رسیاں ہر طرف لٹکی ہوئی ہیں پوچھا یہ کیا ہے جواب ملا مخلوق کے علائق اور تعلقات ایک سال ان کی جانب توجہ کی ان کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کرکے دل کو ان سے چھڑایا۔ اب بھی میں نے دیکھا کہ نفس زندہ ہے اور اس کے امراض باقی ہیں۔ ایک سال اس پر توجہ کی اور اس کے امراض کی دوا کی۔ آخر ہوائے نفسانی کی آگ بجھ گئی۔ شیطان نفس مسلمان ہوگیا۔ وصار الامر کلہ للہ (اور حکومت اللہ کی ہوگئی) اب میں تنہا رہ گیا۔ مخلوق کو پس پشت ڈال دیا۔ ابھی مطلوب دور تھا۔ توکل کے دروازے پر پہنچا۔ وہاں اژدہام دیکھا آگے بڑھ گیا شکر کے دروازے پر پہنچا اژدہام دیکھا۔ آگے چلا گیا فنا کے دروازے پر پہنچا وہاں بھی اژدہام تھا۔ آگے بڑھا۔ مشاہدے کا دروازہ جھانکا۔ وہاں بھی یہی عالم تھا۔ آگے بڑھ کر فقر کے دروازے پر پہنچا۔ دیکھا اژدہام سے خالی ہے۔ اس میں داخل ہوا کہ مطلوب تک پہنچوں۔ دیکھا کہ جو کچھ پیچھے چھوڑا تھا سب کچھ وہاں موجود ہے۔ کنز اکبر کا دروازہ کھلا۔ غنائے سرمدی اور حریت خاصہ ہاتھ لگی۔ نفس اور صفات بشری جو کچھ باقی رہے تھے وہ بھی صاف ہوگئے ایک نیا وجود موجود ہوگیا (مؤلف حقیر کہتا ہے اسم بامسمی عبدالقادر ہوگئے) رضی اللہ عنہ۔

اس کا ظہور مثال سے سمجھو۔ ایک بار مدرسہ نظامیہ میں قضا و قدر پر گفتگو فرما رہے تھے چھت سے ایک بڑا سا سانپ حضرت کی گود میں گرا۔ فقہاء و فقراء کی جو جماعت موجود تھی خوف سے بھاگ گئی۔ آپ نے سلسلہ گفتگو جاری رکھا۔ سانپ سے فرمایا کہ میں قضا و قدر پر گفتگو کر رہا ہوں تو ایک کیڑا ہے جس کو قضا و قدر کے ہاتھ جنبش دیتے ہیں، ساکن کرتے ہیں۔ فرماتے تھے۔ جب میرے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو میں اس کو ہاتھ میں لے کر کہتا ہوں۔ یہ میرا مال نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اس کو دل سے نکال دیتا ہوں۔ اس لئے میری اولاد میں سے جب کوئی مرتا ہے تو مجھ کو صدمہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کو میں پہلے ہی دل سے نکال چکا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب کوئی حضرت کی اولاد میں سے وفات پاتا تو وعظ ترک نہ فرماتے۔ بدستور منبر پر رونق افروز ہوتے۔ جب تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ مجلس میں لایا جاتا۔ آپ منبر سے اتر کر نماز پڑھا دیتے۔ عراق کی شدید سردی میں لوگوں نے دیکھا کہ ہلکے لباس میں جسم مبارک سے پسینہ جاری ہے، پنکھا جھلا جاتا ہے۔

الغرض فراغ علم اور ریاضت و مجاہدہ کے بعد حضرت قیام بغداد (جو اس وقت مرکز عالم تھا) اور ترک سیاحت پر مامور ہوئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلوق پر ظاہر فرمایا۔ قبول عظیم اور عظمت تمام عطا فرمائی۔ ایک عظیم الشان مدرسہ تیار ہوا۔ اسی میں درس و فتویٰ فیض حضرت نے جاری فرمایا۔ مجالس وعظ جاری ہوئیں۔ علماء و فقہاء اور صلحاء کی

ایک جماعت کثیر وہاں جمع ہوگئی جو کلام مبارک اور صحبت شریف سے مستفید ہوتی۔ عراق میں ذات مبارک مریدین کی تربیت کا مرجع بن گئی حکم اور علم میں آپ قطب وقت ہوئے۔ گردنیں آپ کے سامنے جھک گئیں حق کی نصرت قول اور فعل سے فرمائی۔ مفید کتابیں تصنیف فرمائی۔ فوائد بے نظیر املا فرمائے۔ علم اصول و فروع کو براہین سے مضبوط فرمایا احکام کو عقل و نقل دونوں سے واضح فرمایا۔ یہاں تک کہ سارا آفاق صیتِ کمال سے گونج اٹھا۔ حضرت سے ۳۳ برس افتاء کا فیض جاری رہا۔

حلیہ مبارک بدن نحیف، قد میانہ، رنگ گندم گون، سینہ مبارک چوڑا ریش اقدس عریض و طویل، ابروئے مبارک پیوستہ، صورت مبارک شاندار باوقار، آواز بلند اور اس میں ایک گونہ سرعت دور اور نزدیک یکساں سنی جاتی، قرب و بعد کا اثر نہ ہوتا۔ آپ کے کلام فیض انضمام کے رعب سے سننے والے پر ہیبت طاری ہو جاتی۔ سوائے سکوت اور خاموشی کے کوئی چارہ نہ رہتا۔ کیسا ہی قسی القلب انسان ہوتا جمال مبارک دیکھ کر اس کا دل نرم ہو جاتا۔

مجالس وعظ حضرت نے چالیس برس وعظ فرمایا ہے۔ ۵۲۱ھ سے ۵۶۱ھ تک خود ارشاد فرمایا ہے کہ ابتداءً میرے وعظ میں تین چار آدمی ہوتے تھے۔ ہجوم بڑھا تو شہر میں ایک وسیع موقع پر وعظ ہونے لگا۔ کثرت حاضرین نے یہ مقام بھی تنگ کر دیا۔ تو شہر سے باہر عیدگاہ میں وعظ ہونے لگا۔ سواریوں پر اس کثرت سے

حاضرین اس قدر آتے کہ مجلس کے چاروں طرف سواریوں کا حصار
ہو جاتا۔ ستر ہزار تک حاضرین کا اندازہ ہوا۔ چار سو عالم دوات قلم لے کر
بیٹھتے کہ بیان شریف قلم بند کریں۔ انداز وعظ یہ تھا کہ حضرت ایک بلند منبر پر
تشریف فرما ہوتے۔ نیچے کے زینوں پر دو دو کی تعداد میں بہت سے نقیب
بیٹھے (جو کلام مبارک سامعین کو پہنچاتے) اولیاء یا اصحاب حال کے سوا
اور کوئی اس مقام پر نہ بیٹھ سکتا۔ منبر کے متصل ایک جماعت ہوتی جو ہیبت
میں شیروں کی طرح ہوتی۔ قاری ایک آیت کی تلاوت کرتا آپ اس کے متعلق
بیان فرماتے۔ ارشاد ہے کہ میں دوسرے واعظوں کی طرح نہیں ہوں
میں اللہ جل وعلا کے حکم سے وعظ کہتا ہوں ایک بار کا واقعہ ہے کہ آپ کے
فرزند ابو عبداللہ عبدالوہاب نے بلاد عراق کا سفر فرمایا۔ انواع واقسام کے
علوم وفنون حکمت حاصل کئے۔ واپسی پر حضرت سے حضوری میں وعظ کہنے
کی اجازت طلب کی منظور فرمائی گئی۔ وعظ کہا۔ بہت سے علمی مطالب
اور مواعظ بیان کئے کچھ اثر نہ ہوا۔ اب اہل مجلس کے شور اور اصرار پر حضرت
نے وعظ فرمایا۔ چند جملے زبان مبارک سے نکلے تھے کہ محفل میں ہنگامہ برپا
ہوگیا۔ ختم بیان کے بعد صاحبزادے نے سبب دریافت کیا تو فرمایا ابھی
تم نے وہاں کا سفر نہیں کیا ہے۔ عرض کی کہاں کا۔ انگشت مبارک سے
آسمان کی جانب اشارہ فرمایا، پھر فرمایا۔ اے فرزند جب منبر پر بیٹھتا ہوں
تجلی ربانی دل پر ہوتی ہے جس سے بسط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اُس بسط
کی حالت میں جو کلام منہ سے نکلتا ہے ذوق و وجد پیدا کرتا ہے جیسا کہ

تم نے دیکھا ایک دوسرے موقع پر ان سے فرمایا تھا تم غیر کی مدد سے کلام کرتے ہو میں حق کی مدد سے مجلس وعظ یہود و نصاریٰ سے کبھی خالی نہ رہتی ایک بار فرمایا، اب تک پانچ سو سے زیادہ یہود اور نصاریٰ مجلس وعظ میں میرے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں۔ اہلِ بدعت، قطاع الطریق وغیرہ توبہ کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ وعظ بیان فرماتے فرماتے ارشاد ہوتا مضی القال ورجعنا بالحال (قال ختم ہوا اور ہم نے حال کی جانب رجوع کیا) یہ ارشاد ہوتا کہ لوگوں میں اضطراب عظیم پیدا ہو جاتا اور وجد و حال کا ہنگامہ برپا۔ کوئی روتا کوئی کپڑے پھاڑتا اور جنگل کو نکل جاتا کوئی بے ہوش ہو کر جان دے دیتا۔ بسا اوقات مجلس مبارک سے جنازے نکلتے۔ یہ اثر غلبۂ شوق اور حضرت کے تصرّف ہیبت اور قہرمانِ عظمت و جلال کا تھا۔ ان مجالس میں حضرت از راہِ شفقت فرماتے "اے غلام" جب میں یہاں بیٹھوں حاضری میں سستی مت کر، ولایت یہاں ہے، درجات یہاں ہیں اے توبہ کے طالب بسم اللہ آ، اے عفو کے طالب بسم اللہ آ، اخلاص کے طالب بسم اللہ آ، ہفتہ میں ایک بار آ، یہ نہ ہو سکے تو مہینہ میں ایک بار آ، یہ بھی نہ ہو سکے تو سال میں ایک بار آ۔ یہ بھی نہیں ساری عمر میں ایک بار آ جا اور لے ہزاروں چیزیں، اے عالم ایک ہزار مہینے کا راستہ طے کر کے آ، اس لئے کہ مجھ سے ایک بات سن لے۔ یہاں اگر اپنے عمل پر زہد و تقویٰ پر اور احوال پر نظر

مت رکھ پھر تجھ کو تیری قسمت کا حصہ میرے یہاں سے ملے گا۔"

حیف ہم پر کہ حضرت کے صحیح احوال اور پر فیض اقوال سال بھر میں ایک بار بھی نہ سنیں۔ وعظ میں ایک بار فرمایا، میری تلوار مشہور ہے، میری کمان چڑھی ہوئی ہے، میرا تیر بہ ہدف ہے۔ میرا نیزہ بے خطا ہے، میرے گھوڑے پر زین بندھا ہوا ہے، میں آتش سوزان الٰہی ہوں میں احوال کا سلب کرنے والا ہوں، میں دریائے بیکراں ہوں، میں اپنے وقت کا رہنما ہوں، میں اپنے سے غیر میں بات کرنے والا ہوں۔ مجھے دن رات میں ستر بار کہا جاتا ہے (وانا اخترتک ولتصنع علی عینی) (میں نے تجھ کو پسند کر لیا اور تاکہ تو میری آنکھوں کے سامنے تربیت پائے) مجھ سے کہا جاتا ہے کہ اے عبدالقادر اس حق کی قسم جو میرا تم پر ہے کھاؤ اور پیو اور کلام کرو۔ تم رد سے محفوظ ہو۔ خدائے عزوجل کی قسم میں نے کچھ نہیں کیا اور نہیں کہا، جب تک اس پر مامور نہیں ہوا۔ (اخیر کا فقرہ مرض موت میں ارشاد ہوا تھا)

آخر عمر میں لباس بہت نفیس فرماتے، ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ میت کا کفن ہے، میت کو کفن اچھا دیا جاتا ہے۔ پھر یہ کفن ایک ہزار موت کے بعد ہے۔

خوارق وکرامات خوارق وکرامات عظیم الشان کا ظہور بکثرت آپ سے ہوا۔ حضرت کی نسبت فاروقی تھی اور حضرت عمرؓ کی موسوی اسی مناسبت سے کرامات وتصرفات عظیم کا ظہور ذات

اقدس سے ہوا، شیخ دہلوی فرماتے ہیں کہ طفولیت سے رحلت تک برابر کرامتوں کا ظہور ذاتِ گرامی سے ہوتا رہا اور یہ اکیانوے برس کا زمانہ ہے ہر قسم کی کرامتیں ظاہر ہوئیں، ظاہر خلق میں تصرف۔ باطن میں تصرف جن وانس پر حکم کا اجرار، دل کی باتوں پر اطلاع، بھیدوں کا اظہار دل کی باتوں پر گفتگو وغیرہ۔

کرامات عظیمہ اخلاق شریفہ باوجود جلالت قدر اور مرتبہ کے علاوہ علم کی وسعت اور شان کی رفعت کے ہمیشہ ضعیفوں کے ساتھ نشست فرماتے، فقراء کے ساتھ تواضع فرماتے، بڑی عمر والوں کی توقیر فرماتے چھوٹوں پر شفقت، سلام میں ابتداء فرماتے، مہمانوں اور طلباء کی ہمنشینی پر صبر فرماتے اور ان کی لغزشوں سے درگزر اور برائیوں سے چشم پوشی۔ کوئی قسم کھاتا قبول فرمالیتے، خواہ کتنا ہی جھوٹ بولتا۔ اپنے علم و کشف کا اس موقع پر اظہار نہ فرماتے۔ مہمانوں اور ہمنشینوں کے ساتھ اس قدر انکسار اور خوش خلقی کا برتاؤ فرماتے کہ کوئی نہ کرتا آپ کے ہمعصر مشائخ میں سے کوئی بھی حُسنِ خلق، وسعت صدر، کرم نفس، دل کی شفقت، پابندیٔ اوقات اور عہد کی حفاظت میں ہمسر آپ کا نہ تھا۔ فاسقوں، فاجروں، مغرور اور مالدار آدمیوں کے لئے کبھی قیام نہ فرماتے امیروں اور وزیروں کے دروازے پر کبھی تشریف نہ لے جاتے۔ چہرہ مبارک ہمیشہ تروتازہ اور تابناک رہتا ہروقت خندہ پیشانی رہتے برتاؤ میں نرمی تھی۔ اور حیا شدید، اغلاق

وسیع کریم۔ خصلت پاکیزہ، نہایت مہربان، نہایت شفیق، نہایت باعطوفت۔ ہمنشین کا اعزاز فرماتے، مغموم آپ سے مل کر خوش ہوجاتا بیان اور کلام نہایت واضح تھا، آنسو آنکھوں سے جلد رواں ہوجاتے خشیتِ الٰہی بہت تھی اور ہیبت کثیر۔ فحش سے بہت دور تھے! احکام الٰہی کی توہین ہوتی تو شدید غضب ناک ہوتے۔ اپنے معاملے میں کبھی غصہ نہ فرماتے نہ نگاہ بدلتے۔ سائل کو رد نہ فرماتے۔ اگرچہ تن کے کپڑے مانگتا۔ خلاصہ آداب شریعت کی پابندی آپ کا ظاہر تھا اور اوصاف حقیقت باطن۔

ارشادات

فرماتے تھے، مستحق اور غیر مستحق سب سے سلوک کرو تاکہ حق تعالیٰ تم کو استحقاق بے استحقاق عطا فرمارہے فرماتے تھے منصور حلاّج کے وقت میں کوئی نہ تھا جو لغزش سے بچا لیتا۔ میں ہوتا تو دستگیری کرتا اور نوبت اس حد تک نہ پہنچتی۔ حضرت کی تصانیف غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب سے چند حالیہ ضروری مطالب کا انتخاب لکھا جاتا ہے۔ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں۔

حسنِ معاشرت

اپنے بھائیوں کے ساتھ حسنِ معاشرت اچھی رکھنی چاہیئے ان کے سامنے کشادہ پیشانی رہے ترش رو نہ ہو اگر خلاف شرع گناہ اور حد سے متجاوز نہ ہو تو ان کی مرضی کے خلاف کوئی فعل نہ کرے۔ ان سے جھگڑا نہ کرے۔ ضد نہ کرے۔ ہمیشہ اپنے بھائیوں کا مددگار رہے بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو۔ ان کی باتوں پر جو خلاف مزاج ہو

تحمل کرے اور اذیت پر صبر۔ ان پر حسد نہ کرے۔ برائی فریب اور کھوٹ کا برتاؤ ان سے نہ کرے۔ غائبانہ غیبت کرے نہ رو در رو برا کہے۔ اس کی غیبت میں اس کے حقوق کی حفاظت رکھے۔ جہاں تک ممکن ہو اس کا عیب چھپائے۔ اگر بیمار ہو تو مزاج پرسی کرے اگر حالت مرض میں کسی مجبوری سے نہ جا سکے تو صحت کے بعد جائے اور مبارکباد دے اگر وہ اس کی بیمار پرسی کو نہ آئے تو برا نہ مانے، دل میں اس کی جانب سے معذرت کرے اگر وہ اس کے بعد بیمار ہو جائے تو بدلا نہ لے بلکہ مزاج پرسی کرے۔ جو قطع تعلق کرے اس سے ملے جو محروم کرے اس کو بخشے۔ جو زیادتی کرے اس کو معاف کرے۔ اگر کوئی برائی سے پیش آئے تو اس کی طرف سے مناسب عذر اپنے دل میں کرے۔ بدخیالی پر اپنے نفس کو ملامت کرے۔ اپنا مال دوستوں کا مال سمجھے لیکن دوسروں کے مال پر بلا اجازت دست اندازی نہ کرے۔ اپنے تمام حرکات اور سکنات پر پرہیز گاری کا خیال رکھے۔ اگر کوئی بھائی اس کے ساتھ خوشی سے سلوک کرے تو جلد خوشی خوشی اس کے خوش کرنے کو قبول کرے اور سلوک کا احسان مانے۔ کوئی شئے کسی سے عاریت نہ لے۔ کسی کو خود عاریۃً دے۔ تو واپسی کا تقاضا بامکان نہ کرے جب لینے والے نے کوئی چیز اپنی ضرورت سے طلب کی ہے تو مردانگی کے خلاف ہے کہ تقاضا کرکے واپس لے لے۔ اپنی ضرورت جہاں تک ممکن ہو بھائیوں سے چھپائے۔ تاکہ اس کی وجہ سے ان کے

دل پریشان نہ ہوں اور دقت میں نہ گر پڑیں۔ اگر صدمہ یا غم لاحق ہو تو دوستوں پر ظاہر نہ کرے تاکہ وہ مشوش نہ ہوں اور ان کا فرح و سرور درہم برہم نہ ہو۔ اگر دوستوں میں سے کسی کو صدمہ پہنچ جائے اور وہ اُس کو ضبط کر کے اپنے آپ کو مطمئن و مسرور ظاہر کرے تو چاہیئے کہ یہ بھی فرحت و سرور کا اظہار کرے اور اس کو ناگوار حالت نہ دکھائے اور اپنا حال اس سے مختلف نہ بنائے۔ زندگی خوبی سے بسر کرنی لازم ہے جب دل پر وحشت ہو تو حسن قلب پر گفتگو کر کے اپنے دل کو اس کی جانب متوجہ کر دے تاکہ وحشت دور ہو جائے۔ ہر شخص کے ساتھ برتاؤ ایسا ہو کہ اس کو اپنی مرضی کا تابع بنانے کی کوشش نہ کرے بلکہ اس کی خوشی کا لحاظ رکھے۔ جہاں تک خلاف شرع نہ ہو۔ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم انبیاء کو حکم ہے کہ انسان کی فہم کے مطابق ان سے گفتگو کریں۔ یہ بھی واجب ہے کہ چھوٹوں پر شفقت کرے اور بڑوں کی تعظیم۔ برابر والوں سے سلوک۔ ایثار اور احسان۔

صوفی اور متصوف متصوف وہ ہے جو بے تکلف صوفی بنے تاکہ صوفی ہو جائے اور ان کے مرتبہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ پس جب وہ تکلف کرے اور صوفیوں کا کرتہ (قمیص) پہنے تو وہ متصوف کہلائے گا۔ جب وہ زہد میں پورا اور کامل ہو جائے تمام چیزیں اس کے نزدیک ناپسندیدہ بلکہ فنا ہو جائیں اور تعلقات بریدہ تب اس کو

زاہد کہیں گے۔ اب اس کا یہ عالم ہو گا کہ جو چیز اس کے سامنے آئیگی خود اس سے وہ بے تعلق ہو گا۔ نہ پسند نہ ناپسند۔ حکم الٰہی کی پیروی کرے گا اور اس کے فرمان کا انتظار۔ اب وہ حقیقی صوفی ہے۔ صوفی مشتق ہے مصافاۃ سے یعنی ایسا بندہ جس کو اللہ عزوجل نے صاف فرما دیا ہو۔ لہٰذا صوفی اس کو کہیں گے جو آفات نفس سے صاف اور خالی ہو۔ ستو دہ راستہ پر چلنے والا ہو اور حق سے پلٹنے والا۔ خلائق میں کسی سے اس کا دل لگا ہوا نہ ہو۔ صوفی کی یہ تعریف بھی کی گئی ہے کہ صوفی وہ ہے جو حق کے ساتھ صادق ہو۔ خلق کے ساتھ نیک اور اچھے اخلاق رکھتا ہو۔ صوفی اور متصوف میں یہ فرق ہے کہ متصوف بتدی، صوفی منتہی جب ریاضتیں متصوف کا نفس گلا دیں۔ ہوا و ہوس دور ہو جائے اور امیدیں فنا ہو جائیں۔ اس طرح جب پاک صاف ہو جائے گا تو صوفی کا لقب حاصل کر لے گا۔ اب وہ حکم ربانی کا مجمل مشیئت کی گیند، عالم قدس کا تربیت یافتہ، علوم وحکمت کا سرچشمہ اور امن وکامیابی کا گھر ہے۔ اولیاء اور ابدال کی پناہ ملجا وماوی۔ جو مرید متصوف ہے وہ اپنے نفس سے شیطان سے اور مخلوق سے تدبیر کے ساتھ لڑتا ہے۔ نیز دنیا و آخرت سے، شش جہات سے فارغ ہو کر اپنے رب کی عبادت کرتا ہے تمام اشیاء سے منہ موڑ لیتا ہے۔ نہ کسی چیز کی خاطر کام کرتا ہے نہ موافقت کرتا ہے نہ قبول اپنے باطن کو اس کی جانب میل کرنے اور مصروف ہونے سے پاک کر لیتا ہے اس طرح شیطان کی مخالفت کرتا ہے۔ دنیا کو

چھوڑ دیتا ہے ہمسروں سے منہ موڑ لیتا ہے۔ مخلوق سے دور ہو جاتا ہے یہ سب کچھ بہ حکم ربانی آخرت کی طلب کے واسطے کرتا ہے۔ اس کے بعد بہ حکم ربانی نفس اور خواہش کے ساتھ مزید جنگ کر کے قدم بڑھاتا ہے۔ اب آخرت کو بھی چھوڑ دیتا ہے بلکہ اپنے مولیٰ کے شوق میں جنت اور اُس کی نعمتوں کو بھی۔ اب وہ کون و مکان سے نکل جاتا ہے آلودگیوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ خالص پروردگار عالم کا ہو جاتا ہے۔ اس کے آگے اور بلند مراتب بیان فرمائے ہیں جو فہم عام سے بالاتر ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کے واسطے پانچ شرطیں ہیں۔ اوّل جس چیز کا حکم دے یا جس چیز سے منع کرے اس کا عالم ہو۔ دوم خالصۃً لوجہ اللہ امر یا نہی ہو اس سے مقصود دین کا اعزاز امرالٰہی کی بلندی ہو خود نمائی اور حمیت نفسانی کے لئے نہ ہو۔ برائی کے زائل کرنے میں اس کی کوشش جب ہی کامیاب منصور ہوگی کہ وہ صادق اور مخلص ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم۔ (اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون (اللہ ان کے ساتھ ہے جو پرہیزگار ہیں اور ان کے ساتھ جو نیک کردار ہیں) جب وہ شرک سے بچ کر اور روک ٹوک کرنے کے وقت مخلوق کی نگاہ سے قطع نظر کر کے اس کام کو حسن و خوبی اخلاص کے ساتھ کرے گا تو اس کی فتح ہوگی۔ اگر اس کی حالت

اس کے خلاف ہو گی تو خود تو ناکامیاب اور خوار و ذلیل و حقیر ہو گا اور برائی بحال خود رہے گی، بلکہ بڑھے گی اور زیادہ شدید ہو جائے گی۔ گنہگار گناہوں کے پیچھے اور زیادہ دوڑیں گے۔ شیاطین جن و انس اللہ تعالیٰ کی مخالفت پر طاعت ترک اور محرمات کے ارتکاب پر اور زیادہ متفق ہونگے سوم امر اور نہی نرمی اور محبت کے ساتھ ہو، درشت کلامی اور سخت دلی کے ساتھ نہ ہو۔ بلکہ اپنے بھائی کی بھلائی اور خیر خواہی کے لئے لطف و خلوص کے ساتھ ہو۔ اس کو یوں سمجھائیے کہ شیطان مردود ہے وہ کس طرح موافقت کر رہا ہے حالانکہ وہ اس کے دین و عقل پر حاوی ہو کر اس کے پروردگار کی نافرمانی کو اور حکمِ الٰہی کی مخالفت کو خوش نما صورت میں اس کے سامنے جلوہ گر کر رہا ہے، شیطان کا مقصود اس سے اس کو ہلاک کر دینا جہنم میں ڈال دینا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما یدعوا حزبہ لیکونوا من اصحاب السعیر (وہ اپنے یاروں کو اس لئے بلاتا ہے کہ جہنمی ہو جائیں) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے نبی سے فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظا القلب لانفضوا من حولک (تم اللہ کی رحمت سے ان کے واسطے نرم ہو گئے۔ اگر تم سخت کلام اور سخت دل ہوتے تو وہ تمہارے پاس سے بھاگ جاتے) جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون کے پاس بھیجا تو فرمایا وقولا لہ قولا لینا لعلہ یذکر او یخشی (اس سے نرم بات کہنا تاکہ وہ نصیحت حاصل کرے اور ڈر جائے) حضرت اسامہؓ کی روایت کے بموجب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کسی کو درست نہیں کہ امر بالمعروف کرے اور نہی عن المنکر جب تک اس میں تین صفتیں نہ ہوں جس بات کے کرنے کا حکم دیتا ہو اور جس بات سے منع کرتا ہو اس کی نسبت حکم الٰہی جانتا ہو۔ حکم دینے اور منع کرنے میں لطف کا برتاؤ کرے۔

چہارم ناصح کو چاہیئے کہ صابر، حلیم، بردبار، متواضع، نفسانی خواہشوں سے یکسو، دل کا مضبوط اور برتاؤ کا نرم ہو، گویا طبیب ہو کہ مریض کا علاج کرتا ہے۔ حکیم ہو کہ خلل دماغ کا معالج ہے، پیشوا اور رہنما ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وجعلنا منہم ائمۃ یہدون بامرنا لما صبروا (اور ہم نے ان میں سے پیشوا بنائے جو صبر کرکے ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے) یعنی جب انھوں نے اللہ کے دین کی نصرت واعزاز اور اس کی معیت پر قائم رہنے میں اپنی قوم کی ایذائیں اٹھائیں تو ہم نے ان کو پیشوا اور رہنما بنا دیا جو دین کے اطبا اور اہلِ ایمان کے سردار تھے۔ اور اللہ تعالیٰ حضرت لقمان کے قصے میں فرماتا ہے وامر بالمعروف وانہیٰ عن المنکر واصبر علیٰ ما اصابک ان ذلک من عزم الامور (اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے روک اور جو مصیبت تجھ پر پڑے اس پر صبر کر، یہ اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے)

پنجم جس بات کا حکم دے اس پر خود بھی عامل ہو۔ اور جس بات سے منع کرے اس سے خود بھی پاک وصاف ہو۔ اس میں لتھڑا ہوا نہ ہو۔

ورنہ شکست کھائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں مذموم ہوگا اور ملامت کردہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون (کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو اور حال یہ ہے کہ تم کتاب پڑھتے ہو آیا اس پر بھی نہیں سمجھتے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت انس ابن مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے معراج کی شب میں ایسے آدمی دیکھے جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جاتے تھے۔ پوچھا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں۔ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا۔ تمہاری امت کے وہ واعظ ہیں جو لوگوں کو حکم دیں گے اور اپنی جانوں کو بھلا دیں گے، حالانکہ کتاب پڑھتے ہوں گے۔ ایک شاعر کا قول ہے؎

لاتنہ عن خلق وتاتی مثلہ عادی علیک اذا ایتت عظیم

(جس بات کا تو خوگر ہے اس سے مخلوق کو منع مت کر اوروں کو منع کرے اور خود کرے تو بڑے شرم کی بات ہے) حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں۔ ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ تورات میں لکھا ہے کہ آدم کے بیٹے لوگوں کو تو میری یاد دلاتا ہے مگر خود مجھ کو بھول جاتا ہے اوروں کو میری جانب بلاتا ہے مگر خود مجھ سے بھاگتا ہے۔ تمہارا ایسا ڈرانا بیکار ہے۔ اس ارشاد میں وہ لوگ مراد ہیں کہ دوسروں کو اچھی باتیں کرنے کا حکم دیں بری باتوں سے روکیں، لیکن اپنے نفس کو چھوڑ رکھیں اور اللہ تعالیٰ اس کا سب سے بڑا عالم ہے۔

آداب شرع کی نگہداشت

ہر مومن پر واجب ہے کہ ان آداب پر ہر حال میں عمل کرے اور ان کو چھوڑے نہیں

امیر المومنین عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے تادبوا ثم تعلموا (پہلے ادب حاصل کرو پھر پڑھو) ابو عبداللہ بلخی کا قول ہے ادب العلم اکثر من العلم (علم کا ادب علم سے زیادہ ہے) عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ "جب میں سنتا ہوں کہ کسی شخص کو اگلوں اور پچھلوں کا سارا علم حاصل ہے تو مجھ کو اس سے نہ ملنے کا افسوس نہیں ہوتا۔ لیکن جب یہ سنتا ہوں کہ فلاں شخص کو ادب نفس حاصل ہے تو اس سے ملنے کی تمنا ہوتی ہے اور نہ ملنے کا افسوس"۔ جو شخص ادب کا لحاظ اور اہتمام رکھتا ہے اس کی مثال ایسے شہر کی ہے جس کی پانچ شہر پناہیں ہوں۔ پہلی سونے کی دوسری چاندی کی، تیسری لوہے کی، چوتھی پختہ اینٹ کی، پانچویں کچی اینٹوں کی جبتک شہر کے نگہبان کچی اینٹ کی شہر پناہ کی حفاظت رکھیں گے۔ دشمن پختہ اینٹ کی شہر پناہ کی ہوس نہیں کرے گا، لیکن اگر اس طرف سے اہتمام اٹھالیا تو پھر دوسری شہر پناہ دشمن کی شکار ہوگی، پھر تیسری، یہاں تک کہ سب شہر پناہیں تباہ ہوجائیں گی۔ اسی طرح ایمان پانچ شہر پناہوں کے اندر ہے پہلی یقین، دوسری اخلاص، تیسری ادائے فرائض، چوتھی سنتوں کی بجاآوری پانچویں آداب (مستحبات) کی نگہداشت۔ جب تک بندہ مستحبات کے اہتمام اور حفاظت میں ہے۔ شیطان کو سنتوں کی طمع نہیں، جب مستحبات ترک ہوئے تو سنتوں کو شیطان تاکے گا، پھر فرائض کو، پھر اخلاص کو، پھر یقین کو،

پس انسان کو لازم ہے کہ سارے امور میں مستحبات کا لحاظ رکھے۔ وضو میں، نماز میں، بیع میں، شریٰ میں وغیر ذلک۔

حسد کی برائی

فتوح الغیب مقالہ (۳۷) میں ارشاد ہے۔ اے شخص! میں کیوں دیکھتا ہوں کہ تو اپنے پڑوسی سے حسد کرتا ہے۔ اس کے کھانے میں، پینے میں، لباس میں، نکاح میں، مکان میں، دولت میں اور اس کے مولا کی دی ہوئی دوسری نعمتوں میں جو اس کی قسمت میں اس کے مولا کی جانب سے آئی ہیں۔ کیا تو یہ نہیں سمجھتا کہ اس سے تیرا ایمان ضعیف ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے تو اپنے مولا کی نظر سے گرتا ہے اور تیرا حسد رب کریم کو تجھ سے ناراض کر دے گا۔ کیا تو نے یہ حدیث نہیں سنی الحسود عدو نعمتی (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، حاسد میری دی ہوئی نعمت کا دشمن ہے) اور کیا تو نے یہ قول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سنا ان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب (حسد نیکیوں کو یوں کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو) پھر تو اے مسکین کس چیز پر اس سے حسد کرتا ہے۔ اس کی قسمت پر یا اپنی قسمت پر۔ اگر تجھ کو اس کی قسمت پر حسد ہے تو منجانب اللہ ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا (دنیاوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے بانٹی ہے) تو اس پر تو ظلم کرتا ہے۔ ایک شخص اپنے مولیٰ تعالیٰ کی بخشی ہوئی اور قسمت میں لکھی ہوئی نعمتوں کو برت رہا ہے اس کے حصے کی نعمتوں میں

اللہ تعالیٰ نے نہ کسی اور کو شریک کیا ہے نہ حصہ دیا ہے۔ ایسی حالت میں اگر تو حسد کرے تو تجھ سے زیادہ ظالم، بخیل، رعونت پسند اور ناقص العقل کون ہوگا۔ اگر تجھ کو اپنی قسمت کی وجہ سے حسد ہے تو یہ تیرے جہل کی انتہا ہے۔ تیری قسمت نہ دوسرے کو مل سکتی ہے نہ تجھ سے مل کر دوسرے کی طرف جا سکتی ہے۔ حاشا للہ۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے ما یبدل القول لدیّ وما انا بظلام للعبید (میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی اور نہ میں بندوں کے حق میں ظالم ہوں) اللہ تعالیٰ تجھ پر ظلم نہیں کرے گا۔ جو تیرے حصے اور مقصد کو لے کر دوسروں کو دیدے۔ یہ تیرا جہل ہے اور اپنے بھائی پر ظلم۔ آگے یہ بیان مفصل فرمایا ہے کہ تجھ کو کیا معلوم ہے کہ جس بھائی کے مال و دولت پر تجھ کو دنیا میں حسد ہے وہ کل قیامت کے دن حساب و کتاب کی مصیبت میں پھنسا ہوا ہو اور تو بے مائگی کی بدولت حساب کتاب سے فارغ عرش کے سایہ میں بیٹھا ہو۔

سالک کا روحانیوں کے زمرے میں داخل ہونا کب صحیح ہوتا ہے

مقالہ (چالیسواں) اے سالک تو اس بات کی طمع مت کر کہ تو روحانیوں کے سلسلے میں اس وقت تک داخل ہو جائے گا جب تک کہ تو اپنے آپ کا بالکلیہ دشمن نہ ہو جائے۔ سارے اعضاء و جوارح سے قطع تعلق نہ کرلے نیز اپنے وجود سے، حرکات سے، سکنات سے، سمع سے، بصر سے،

کلام سے، گرفت سے، سعی سے، عمل سے، عقل سے اور ہر اس چیز سے جو وجود روح سے پہلے تیری تھی اور جو نفخ روح کے بعد سے تیری ہوئی۔ اس کے لئے کہ یہ سب کے سب تیرے لئے تیرے رب سے حجاب ہیں۔ اب جب کہ تو بھیدوں کا بھید اور غیب کا غیب ہو کر ساری چیزوں سے اپنے باطن میں قطعاً جدا ہو جائے۔ سب کو دشمن اور حجاب و ظلمت خیال کرے، جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا فانھم عدو لی الا رب العالمین (پروردگار عالم کے سوا وہ سب میرے دشمن ہیں) اور یہ انھوں نے اصنام کی نسبت فرمایا تھا، تو اب چاہیئے کہ تو اپنی ساری ہستی اور اعضا کو اور ساری مخلوق کو بُت قرار دے اور ان میں سے کسی کی فرماں برداری مت کر اور نہ پیروی کر اب تو اسرار علوم لدنی اور ان کے عجائبات پر امین کیا جائے گا۔ اور مومنوں کو جنت میں جو قدرت تکوین اور خرق عادات کی بخشی جائے گی۔ اسی قسم کی تجھ کو یہاں عطا ہو جائے گی۔ تیری یہ حالت ایسی ہو گی کہ گویا تو آخرت میں مرنے کے بعد پیدا کیا گیا اور تیری ساری ہستی قدرت بن جائیگی۔ تو اللہ کی قوت سے سنے گا تو اللہ کی قوت سے دیکھے گا۔ تو اللہ کی قوت سے بولے گا، تو اللہ کی قوت سے پکڑے گا، اللہ کی قوت سے چلے گا اللہ کی قوت سے سمجھے گا، اللہ کی قوت سے اطمینان پائے گا۔ اللہ کی قوت سے چین پائے گا، ما سوا اللہ سے اندھا ہو جائے گا، بہرا ہو جائیگا

اور غیر اللہ کا وجود تجھ کو نظر نہ آئے گا۔ با وجود ان سب حالات کے تجھ کو حدود شرع کی حفاظت رکھنی پڑے گی اور امر و نواہی کا پابند رہنا ہو گا۔ اگر تو اپنے اندر حدود شرعی کی بجا آوری میں کچھ بھی کوتاہی پائے تو تو سمجھ لے کہ تو فاتر العقل ہے، شیاطین نے تجھ کو اپنا کھلونا بنا لیا ہے۔ لہذا تجھ کو حکم شرع کی جانب لوٹنا چاہیئے اور اس سے چمٹ جانا۔ اور اپنی ہوا و ہوس کو چھوڑ دینا جس حقیقت کی تصدیق شریعت سے نہ ہو وہ زندقہ (الحاد) ہے۔

تصوف اور اس کی بنیاد

(مقالہ ۷۵) میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں کہ ان باتوں پر مضبوطی سے قائم رہ۔ اللہ کا خوف اور اس کی اطاعت، ظاہر شرع کی پابندی، سینے کی پاکیزگی، نفس کی فیاضی، کشادہ روئی، مال کی سخاوت، ایذا دہی سے پرہیز، اذیت اور افلاس کی برداشت، مشائخ کے ادب کی نگہداشت، بھائیوں کے ساتھ اچھی معاشرت چھوٹے اور بڑوں کی خیر خواہی، جھگڑے سے پرہیز، لطف اور مدارا، ایثار کی پابندی، جوڑ جوڑ کر رکھنے سے بیگانگی جو لوگ صوفیا کے طبقے سے نہ ہوں اُن کی صحبت سے پرہیز، دین اور دنیا کی ضرورتوں میں آدمیوں کی مدد۔

فقر یہ ہے کہ اپنے جیسے انسانوں کا محتاج نہ رہے غنا یہ ہے کہ اپنے جیسے انسانوں سے مستغنی ہو جائے تصوف قیل وقال سے حاصل نہیں ہوتا۔ بھوک اور نفس کی مرغوب اور

پسندیدہ چیزوں کے ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اولیاء کرام کو جہاں نصیحت فرمائی ہے وہاں فرماتے ہیں :۔
اے ولی، جان لے کہ تجھ سے تیری حرکات وسکنات کا حساب ہوگا جو بات فی الوقت بہتر ہے، اس میں مصروف رہ۔ اعضا کے فضول تصرفات سے بچ، اللہ اور اس کے رسول اور اس کے دوستوں کی اطاعت واجب ہے، اللہ کا جو حق تجھ پر ہے وہ ادا کر تیرا جو حق اللہ پر ہے اس کو مت مانگ اور ہر حال میں چھوڑ دے۔ مسلمانوں کی نسبت اپنا گمان نیک رکھ اور نیت بخیر۔ ان کی بھلائی میں کوشش کر، تیری رات اس حالت میں نہ گزرے کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے شر ہو یا حسد ہو یا بغض، جو تجھ پر ظلم کرے اس کے حق میں دعائے خیر کر اور اللہ عزوجل کا مراقب رہ، مقالہ (۷۶)

حضرت نے اکیانوے (۹۱) برس کی عمر میں ۵۶۱ھ میں رحلت فرمائی۔ تاریخ وصال (کمالِ عشق ۵۶۱ھ) ہے۔ عمر مبارک کے سنین کی تعداد لفظ کمال سے واضح ہوتی ہے۔ حضرت کے بارہ فرزند تھے اور ایک دختر نیک اختر۔ پانچ سو برس کی خرابیاں دور فرماکر حضرت کا ظہور چھٹی صدی ہجری کے آغاز میں ہوا۔ حضرت نے تجدید دین فرمائی۔ اسی لئے محی الدین لقب شریف ہے۔ علوم ظاہر اور باطن میں جلالت مرتبہ جس پایہ پر تھی اس کو اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔

اسی لئے ذوالفریقین، ذوالسراجین، ذواللسانین وغیرہ آپ کے القاب مبارک ہیں جو ظاہری و باطنی کمال کی خبر دیتے ہیں۔

اقوال مبارک سے کسی کو سرتابی کی مجال نہیں ہو سکتی۔ میں نے حضرت کے اقوال فیض اشتمال علمار اور مشائخ دونوں کے متعلق نقل کئے ہیں۔ تاکہ ان دونوں گروہوں کے فرائض اور اوصاف عامہ مسلمین کو معلوم ہو جائیں اور اس معیار پر مدعیان علم تصوف کے دعووں کو جانچیں۔ جو اصحاب حضرت کے مقرر فرمودہ معیار کے مطابق ہوں ان کے آگے سر تسلیم جھکا دیں جو معیار پر ٹھیک نہ اتریں اون کو نہ عالم مانیں نہ عارف اور متاع دین کو ان کے پنجے سے بچائیں۔ مولانائے روم نے آج سے صدہا برس پہلے لکھا تھا اور ہوشیار کیا تھا سہ

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست

وائے بر حالِ زمانۂ ما۔

میرے بیان بالا کا ماخذ حضرت کی کتابیں غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب ہیں، اور حضرت شیخ دہلوی کی کتاب اخبار الاخیار اور بہجۃ الاسرار مؤلفہ شیخ نور الدین اللخمی اور خلاصۃ المفاخر، امام شافعیؒ کا فارسی ترجمہ ہے، حتی الامکان ترجمہ لفظی کیا ہے۔ تاکہ میں تصرف سے محفوظ رہوں۔ حضرت کی نسبت کا فاروقی ہونا۔ مولوی

سید نور الحسن خاں بھوپالی مرحوم کے رسالے سے ماخوذ ہے اللہ تعالیٰ اس کا نفع اس عاجز کو اور تمام مسلمانوں کو بخشے ۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین ۵

یوم صدیق رضؓ

(۲۳-جمادی الثانی)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک قبلِ اسلام اور دوسرا بعد اسلام۔

مسلمان ہونے سے پہلے بھی وہ رئیس قریش تھے اور دولت مند تاجر ریاست اور دولت کے ساتھ ساتھ حسن اخلاق ہمدردی وسعت معلومات دانشمندی اور معاملہ فہمی میں صاحب امتیاز تھے۔ ان ہی صفات کے اثر سے قوم میں محبوب اور معتمد تھے گزشتہ واقعات سے واقف تھے۔ حال کے حالات کا سفر اور تجارت کے ذریعہ سے تجربہ حاصل تھا۔ ان کی صفات کی شہرت نواح مکہ تک محدود نہ تھی بلکہ ابن الدغنہ کا قول ثابت کرتا ہے کہ ان کی اخلاقی خوبیاں دور دور تک مسلم تھیں۔ شراب کبھی نہیں پی۔ شعر پر پوری قدرت تھی۔ یہ اوصاف اور حالات بتاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر زمانہ جاہلیت میں بھی

ایک سلیم الطبع غمخوار، دانشمند اور زندہ دل انسان تھے، جس انسان میں یہ صفات ہوں وہ بہترین ہمدم و رفیق بن سکتا ہے۔

آفتاب رسالت کے طلوع ہونے سے ایک سال پہلے سے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی آمد و رفت تھی۔ جس طرح طلوع آفتاب سے قبل نور کا ظہور ہو جاتا ہے اسی طرح قرب وحی کے زمانہ میں انوار رسالت کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ خلوت گزینی و عبادت مزاج اقدس کو بہت زیادہ مرغوب ہو گئی تھی، رویا، صادقہ (سچے خواب) نظر آتے تھے۔ غرض بیداری و خواب دونوں حالتوں میں ظہور نور تھا، ظاہر ہے کہ اس زمانے کی صحبت بھی بے اثر نہ رہ سکتی تھی۔ اس طرح حضرت صدیق اکبر نزول وحی سے پہلے قبول اسلام رفاقت و خلافت کی قابلیت و استعداد سے مشرف ہو چکے تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ جب اسلام کی صدا کان میں آئی مانوس محسوس ہوئی! دھر حضرت صادق امین صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تبلیغ اسلام ہوئی۔ ادھر بے تامل حضرت صدیق اکبر نے آمنا کہا اور تصدیق کی اور اس قوت کے ساتھ کہا جو صدیقیت کی خلعت سے مشرف ہوئی۔

شرف اسلام کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی زندگی اطاعت و استقامت کا مرقع ہے اور ارشاد ربانی یا ایہا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ (یعنی اے ایمان والو اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ) کی تا بحد بشر تعمیل جسم و جان شان، عقل و فراست، اولاد، مال، جائداد،

آرام و آسائش، غرض جو کچھ ان کی بساط میں تھا۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر قربان تھا۔ اسی لئے حضرت فاروق اعظم اور حضرت علی شیرِ خدا کی شہادت ہے ما استبقنا الی خیر قط الا سبقنا ابوبکر۔ (ہم جب نیکی کی طرف جھپٹے اس میں ابوبکر ہم سے آگے بڑھ گئے۔) اپنی وجاہت کے اثر سے سابقین اولین کے اعلیٰ افراد کو خدمت مبارک میں قبول اسلام کے واسطے لا کر پیش کیا۔ مال خدمتِ اسلام کے لئے وقف تھا۔ مالی سرمایہ آخر عمر تک تجارت کے ذریعہ سے بڑھایا اور اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں صرف کیا۔ کمزور مسلمانوں کو خرید خرید کر ظالم آقاؤں کے پنجے سے چھڑایا مجاہدین کی خدمت میں بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جو کچھ تھا سب لا کر حاضر کر دیا حضرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھ کر فرماتے "اے ابوبکر بال بچوں کے لئے کیا چھوڑا؟" جواب میں عرض کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کو رکھ چھوڑا ہے اللہ اکبر کیسا پاکیزہ سرمایہ رکھا، صدیق اکبر کی ان دس اشرفیوں کی قیمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے جو مسجد نبویؐ کی زمین کا زرِ ثمن تھیں اس پاک سرزمین کا ایک ٹکڑا روضۂ جنت ہے۔ یہ منبر شریف اور قبر مبارک کے درمیان میں ہے دوسرا عرش سے بھی افضل ہے جو جسمِ اطہر کو مس کر رہا ہے۔ جان و مال کی اصل طہارت یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے مال اور اپنے نفس کو اپنی ملکیت نہیں جانتے تھے بلکہ دونوں کو حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت جانتے اور

مانتے تھے۔ جب ارشادِ مبارک ہوا ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر (کسی کے مال نے کبھی مجھ کو وہ نفع نہیں دیا جو ابوبکر کے مال نے دیا) تو یارِ غار نے رو کر عرض کی یا رسول اللہ کیا میں اور میرا مال آپ کے نہیں ہیں۔

اسی تسلیم و رضا کا اثر تھا کہ حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مال مثل اپنے مال کے بے تکلف صرف فرماتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ جب تک زندہ رہے خدمتِ دین کے واسطے کماتے رہے جب زندگی کے ساتھ خدمت کا سلسلہ قطع ہوا تو مال بھی ختم ہوا۔ وفات کے بعد نقد ایک حبہ پاس نہ تھا اور کفن کے لئے کوڑی نہیں چھوڑی۔

اولاد بھی اللہ اور اس کے رسول کی مرضی پر قربان تھی۔ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سے خاطرِ اقدس ملول تھی تو اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ کے عقد میں دیدیا۔ حضرت عبدالرحمٰن جب تک کافر رہے ان کو دشمنِ جانی کی طرح دیکھا، تعلق کجا، بدر میں جب ان کو لشکرِ کفار میں دیکھا تو نہایت خشمگین ہو کر کہا این مالی یا خبیث (اے پلید میرے حقوق کیا ہوئے) دیکھو حقوق یہی تھے کہ لشکرِ اسلام کی صف میں لڑیں اور اسلام پر قربان ہوں۔ غزوۂ احد میں تلوار میان سے نکال کر ان کے مقابلے کے لئے تیار ہو گئے تھے مگر دربارِ رسالت سے میدان میں جانے کی اجازت نہیں ملی۔ جب انھوں نے مسلمان ہو کر ایک مرتبہ کہا

کہ ابّا جان ایک موقع پر غزوۂ بدر میں آپ میری زد پر آ گئے تھے۔ مگر میں نے بچا دیا۔ سن کر فرمایا کہ بیٹا تم میری زد پر آ جاتے تو میں ہرگز نہ چھوڑتا ایک دوسرے صاحبزادے حضرت عبد اللہ غزوۂ طائف میں کام آئے اور خلعتِ شہادت سے سرخ رو ہوئے رضی اللہ عنہ۔ دو صاحبزادیوں نے باپ سے حدیث روایت کی یعنی حضرت عائشہ اور حضرت اسمار رضی اللہ عنہما۔ فتح مکہ کے وقت اپنے نوے سالہ بوڑھے اور نابینا باپ کو خدمت میں لاکر حاضر کیا کہ شرف اسلام سے مشرف ہوں۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا کہ ابو بکر بڑے میاں کو کیوں تکلیف دی میں خود ان کے پاس چلتا عرض کی انھیں کو حاضر خدمت ہونا چاہیے تھا۔

ہجرت کے واقعات پر غور کرو خونخوار دشمنوں کا نرغہ ہے۔ بارہ[۱۲] منزل دور مدینہ طیبہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں اہل وعیال اور مال وجائداد کا کوئی ظاہری محافظ نہیں، گھر میں بال بچوں کے حلقہ میں بیٹھے ہیں کہ اسی اثنار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاکر ارشاد فرماتے ہیں "ابو بکر ہجرت کا حکم آ گیا" بے اختیار منہ سے نکلتا ہے، "اور میری رفاقت کا؟" ارشاد ہوتا ہے۔ "اس کی بھی اجازت کا" یہ مژدۂ جاں فزا سن کر جوشِ مسرت سے بے تاب ہو جاتے ہیں اور نہایت شوق سے سامانِ سفر کا اہتمام کرتے ہیں، بی بی، بچے، مال اور مکان سب آنکھوں کے سامنے ہیں ان کی مصیبت اور تباہی بھی شاید ذہن میں آئی ہو گی، لیکن ہمدمی حبیب (روحی فداہ) کے ذوق کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں۔ کوئی سیرت یا تاریخ

پتہ نہیں دیتی کہ مژدۂ ہجرت اور ہجرت کے درمیان جو وقت ملا اس میں انھوں نے اپنی اولاد یا جائداد کی آسائش و حفاظت کا کچھ بھی انتظام کیا ہو۔ انتہا یہ کہ باپ کو بھی خبر نہ کی، جو نقد سرمایہ تھا وہ خدمت کے لئے ساتھ لے لیا اور خونخوار کفار کے نرغہ میں سب کچھ چھوڑ کر رکاب سعادت میں باطمینان قلب روانہ ہو گئے۔ ان کی تسلیم و رضا کا پرتو ان کے گھر والوں پر بھی اس قدر تھا کہ بجائے پریشان ہونے کے دوسروں کی پریشانی رفع کرتے تھے جب بوڑھے دادا مضطرب ہو کر آئے تو پوتی نے تدبیر سے ان کی تسکین کر دی۔ حالانکہ اسی پوتی کو بے کسی میں ابوجہل کی شقاوت کا صدمہ پہنچا تھا۔ شرف اسلام کے بعد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک پروانہ وار شمع رسالت (بامی وامی) پر قربان و نثار تھے۔ تمام جاں فروشی کے موقعوں پر غزوات میں شمشیر بکف ہمرکاب رہے۔ بدر میں جو شان شجاعت دکھائی اس نے حضرت شیر خدا کی زبانِ مبارک سے "اشجع الناس" کا خطاب دلوایا۔ اُحد کے حوصلہ فرسا ہنگامہ میں سب سے اول حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت مجروحی شہدا کی لاشوں میں دیکھ کر شناخت کیا۔ جب ان کے بیٹے عبدالرحمٰن نے کفار کی طرف سے میدان میں آکر حریف طلب کیا تو تلوار میان سے نکال کر مقابلے کے لئے تیار ہو گئے اور اجازت طلب کی فرمان رسالت ہوا شم سیفک واستغنابک

(تلوار میان میں کر لو اور ہم کو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو) یہ فرمان سنا تو قصد ملتوی کر دیا۔ لڑائی اور صلح سب میں آپ ہی کی خوشنودی مطلوب تھی۔ غزوۂ خندق میں ایک دستہ حضرت صدیقؓ کے ماتحت تھا۔ دیکھو صداقت کی برکت۔ جس موقع پر یہ دستہ متعین تھا وہاں ایک مسجد بنی جو صدیوں تک قائم رہی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے زمانے تک موجود تھی یعنی بارہویں صدی ہجری میں حدیبیہ کے معرکے میں جو وقت معرکہ کا تھا اس میں حضرت فاروق اعظمؓ تک بے تاب تھے۔ مگر حضرت صدیق اکبرؓ کی تسلیم و رضا کا یہ جلوہ تھا کہ اضطراب کجا جب حضرت عمرؓ نے ان سے جا کر ماجرا بیان کیا تو صرف اس قدر کہا کہ رکاب سعادت تھامے رہو۔ تبوک میں جائزۂ فوج، امامت اور بڑا نشان یہ سب خدمات حضرت صدیق اکبرؓ کے سپرد تھیں۔ اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا وقت کیسا ہوش ربا وقت تھا۔ دنیا میں ایسے اشخاص کی وفات سے جو سرگروہ اور کارفرما ہوتے ہیں ایک تلاطم برپا ہو جاتا ہے چہ جائیکہ اس ذات پاک کی رحلت جو دونوں عالم کی مرکز تھی، جس پر صحابہ کرام جان سے قربان تھے جس کے وجود باوجود کی برکت سے وحی کا سلسلہ قائم تھا، انوار قدس کی بارش اس عالم خاکدان پر ہو رہی تھی اور اس فیض و برکت کو اس قدوسی گروہ کا ہر فرد محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ اپنے خلافت کے

دور ہیں جب حضرت صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ کو ساتھ لے کر اُم ایمن
کے پاس بہ اتباع سنتِ نبوی گئے تو وہ روئیں اور رونے کی وجہ
یہ بتائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے سلسلۂ وحی
منقطع ہو گیا، اس حادثہ کا اثر یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
اجمعین وقفِ حیرت تھے مسجد میں صحابہ کرام کا مجمع تھا، اور حضرت عمرؓ
اس مجمع میں یہ تقریر فرما رہے تھے کہ منافق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے وفات پائی، واللہ وفات نہیں پائی ہے بلکہ اپنے رب کے
پاس موسیٰؑ کی طرح گئے ہیں، جو چالیس روز غائب رہ کر واپس آ گئے
تھے۔ حالانکہ ان کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پا گئے اسی طرح
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراجعت فرمائیں گے اور ان لوگوں کے
ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں کہ آپ نے وفات پائی۔ اب حضرت
ابو بکرؓ کی حالت پر نظر ڈالئے، جب ان کو اس سانحہ ہوش ربا کی
خبر پہنچی تو گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور سیدھے حجرۂ مبارک پر
پہنچے، چہرۂ اقدس سے چادر اٹھائی پیشانی کو بوسہ دیا اور رو کر
کہا آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ کی حیات اور
وفات دونوں پاک ہیں جو موت خدائے تعالیٰ نے آپ کے
لئے مقرر فرمائی تھی، اس کا ذائقہ آپ نے چکھ لیا اب اس کے
بعد آپ کبھی وفات نہیں پائیں گے اس کے بعد مسجد نبوی میں آئے
تو حضرت عمر کو کلام بالا کہتے ہوئے سنا ان سے کہا سنبھلو اور

خاموش ہوجاؤ۔ وہ خاموش نہ ہوئے تو خود سلسلہ کلام شروع کرکے حاضرین کو اپنی طرف مخاطب فرمالیا۔ اور کہا:۔

اے لوگو جو شخص محمدؐ کو پوجتا تھا تو (وہ سمجھ لے کہ) محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو پوجتا تھا تو (وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا (اللہ تعالیٰ کا ارشاد) "اور نہیں محمدؐ مگر ایک رسول ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں تو کیا وہ اگر مرجائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم برگشتہ ہوجاؤ گے، اور جو شخص برگشتہ ہوجائے گا تو وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب جزاء دے گا۔" اس کلام کو سن کر آنکھوں کے سامنے سے حیرت کا پردہ اٹھ گیا اور حقیقت واقعہ منکشف ہوگئی۔ حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا انکشاف ہوا تو فرطِ غم سے بیٹھ گئے۔ اہلِ معرفت نے اس خطبے کو توحید کا اعلیٰ مظہر مانا ہے۔ غور کرو اگر حضرت ابوبکرؓ کی قوتِ ایمانی اس وقت اس حیرت کو رفع نہ کردیتی تو مثل اور انبیاءؑ کے آپ کی رحلت کا واقعہ چیستان بن کر رہ جاتا۔ دین وملت کا سارا شیرازہ درہم برہم ہوجاتا۔ بنی سعدہ کے سقیفے کا حال تم جانتے ہو۔ وہ چند گھنٹے ایسے خطرناک اور قیمتی تھے کہ ان کے فیصلے نے اُمت کو تباہی سے بچالیا۔ خود حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ واقعہ سقیفہ دفعتہً ہوا۔ مگر اس نے مسلمانوں کو تباہی سے بچایا یہ بھی دیکھو کہ اس جدّ وجہد سے صدّیق اکبرؓ کا مقصد ذاتی

رفعت نہ تھی بلکہ محض امت کی خدمت تھی۔ جب انتخاب اور بیعت کا وقت آیا تو حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کو پیش فرما دیا ان میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو، دونوں خلافت کے اہل ہیں۔ خلیفہ ہونے کے بعد صاف کہہ دیا کہ نہ خلافت کی مجھ کو تمنا تھی نہ میں نے پوشیدہ اس کے لئے دعا کی۔

خلافت کا زمانہ قوتِ ایمانی کے اعلیٰ ظہور کا زمانہ ہے۔ اس عہد کے واقعات بلند آہنگی سے یہ شہادت دے رہے ہیں کہ شانِ صدیقیت اور ایمانی قوت میں وہ مبارک ذات ممتاز تھی۔ واقعات خلافت کہہ رہے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ قول بالکل صحیح تھا کہ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کی قوت عاملہ انبیاء و رسل کے مشابہ تھی۔ خلافتِ صدیقی کا زمانہ قوتِ عمل کا کارنامہ تھا۔ ابتدائی خطبہ دیکھو۔ اس میں یہ الفاظ ہیں جو تم میں کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے۔ انشاء اللہ اس کا حق دلواؤں گا اور تم میں جو قوی ہے وہ میری نظر میں کمزور ہے اس سے انشاء اللہ حق لے کر چھوڑوں گا۔ اس کے ساتھ وہ فقرہ ملائیے جو ہنگامہ روت کے وقت فرمایا تھا انہ قد انقطع الوحی وتم الدین اینقص وانا حیٌّ (ظاہر ہے وحی کا سلسلہ قطع ہو گیا۔ دین کمال کو پہنچ گیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میری زندگی میں اس کو قطع برید کی جائے)

ان دونوں مقولوں سے واضح ہے کہ خلافت سے حضرت ابوبکرؓ کا

مقصود حفاظت دین اور خدمت خلق تھی عملاً یہ ثبوت ہے کہ ان دو خدمتوں کے سوا کوئی تیسرا کام انھوں نے خلافت میں نہیں کیا۔

آغاز خلافت میں جھوٹے مدعیان نبوت کی وجہ سے عرب میں ارتداد خانہ جنگی و بغاوت کا طوفان ہر طرف بپا تھا۔ مؤرخ ابن اثیر کا قول ہے کہ جو بیس قبیلہ مرتد ہو کر میدان جنگ میں سرگرم کارزار تھے سرحد کی دو جانب قیصر و کسریٰ مسلمانوں کی تاک میں تھے، اس حالت کا نقشہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ ”اس وقت مسلمان بکریوں کے اس گلّے سے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سرد رات میں بحالتِ بارش میدان میں بے گلہ بان کے رہ جائے“ حضرت ابوبکرؓ نے غایت تدبّر سے ان تمام مشکلات کا صحیح اندازہ فرمایا اور اس کی کامل تدبیر فرمائی اور یہی ایک مدبّر کا کمال ہے۔ دیکھو خلافت کے دسویں دن جو قاصد ارتداد کی خبریں لے کر مدینہ طیبہ میں آئے ان سے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ”صبر کرو اس کے بعد جو خط آئیں گے ان میں اس سے زیادہ سخت خبریں ہوں گی“۔ مسلمانوں کو قیصر و کسریٰ کے شر سے محفوظ رکھنے کا یہ اہتمام تھا کہ فتنۂ ارتداد سے فارغ ہوتے ہی ان کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔ اس زمانے میں ایک صحابی نے اپنے قبیلے کے ایک معاملے کی جانب ان کی توجہ دلائی تو غصہ ہو کر فرمایا کہ میں تو ان دونوں شیروں کے زیر کرنے کی فکر میں ہوں جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور تم میری توجہ معمولی کاموں کی طرف مائل کرتے ہو۔ خلافتِ صدیقی کا زمانہ صرف سوا دو سال

ہے۔ اسی قلیل عرصے میں ارتداد کا وہ فتنہ فرو کیا جاتا ہے جس کی آگ یمن سے لے کر نواحِ مدینہ طیبہ تک مشتعل تھی۔ اس حالت پر غور کرو کہ یمن سے لے کر مدینہ طیبہ تک مرتدوں کے لشکر پڑے ہوئے ہیں، خود مدینہ طیبہ مرتدوں کے نرغہ میں ہے۔ اس ہنگامۂ قوت کے ساتھ مرتدین خلیفۂ رسول اللہ کو یہ پیام دیتے ہیں کہ ہم سے نماز پڑھوا لو مگر زکوٰۃ معاف کر دو، گویا بنیاد اسلام کا ایک پایہ ڈھا دینا چاہتے ہیں اس طرف یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کا چیدہ لشکر حضرت اسامہؓ کی سرداری میں رومیوں کے مقابلے میں روانہ ہو جاتا ہے حضرت ابو بکرؓ صحابہ کرام سے مشورہ کرتے ہیں جن میں فاروق اعظمؓ بھی شریک ہیں۔ سب کی رائے ہوتی ہے کہ نرمی مناسب وقت ہے۔ حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ تھے "یا خلیفۃ رسول اللہ تألف الناس وارفق بھم (یعنی اے خلیفہ رسول اللہ ان لوگوں کے ساتھ تالیف قلوب اور نرمی کا برتاؤ کیجئے) اس مشورے کو سن کر حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :-

اجبار فی الجاھلیہ وخوارٌ فی الاسلام انہ قد انقطع الوحی وتم الدین اینقص وانا حی۔ واللہ لاجاھدنھم ولو منعونی عقالاً۔

یہ کیا تم جاہلیت میں تو بڑے سرکش تھے مسلمان ہو کر ذلیل و خوار ہو گئے۔ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور دین کمال کو پہنچ گیا کیا میری حیات میں اس کی قطع برید کی جائیگی واللہ اگر لوگ ایک رسی کا ٹکڑا بھی (فرضِ زکوٰۃ میں سے) دینے سے انکار کریں گے تو میں ان پر جہاد کروں گا۔

یہ فرما کر مرتدوں کے ایلچی اسی جواب کے ساتھ واپس کر دیئے جاتے ہیں۔ اُن کے جانے کے بعد باوجود ظاہری بے سروسامانی کے مدینہ منورہ کی حفاظت فرمائی جاتی ہے اور حملہ آوروں کے حملے نہ صرف روکے جاتے ہیں بلکہ ان پر حملہ کر کے شکست دی جاتی ہے اور سیلاب ارتداد کے فرو کرنے کی قوت کے ساتھ تدبیر کی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۱ھ کے ختم تک یعنی صرف تو ماہ میں یہ ہنگامہ فرو ہو گیا اور اس خوبی کے ساتھ کہ پھر آج تک نہیں برپا ہوا۔ ۱۲ھ میں کسریٰ کی قوت کا کسر و انکسار شروع ہوا اور اختتام سنہ مذکورہ سے قبل بجوز، مہم عراق ختم ہو گئی۔ اس کے ختم ہونے ہی قیصر کی نوبت آئی۔ اسلام کے لشکر شام پر بڑھے، اور معرکۂ یرموک کے سر ہونے سے رومیوں کو قوتِ اسلام کا اندازہ ہو گیا اسی واسطے خطبۂ وفات میں حضرت شیرِ خدا نے فرمایا تھا "ان اوصاف و فضائل کی قوت سے تم نے باطل کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ اس کے بعد راستہ صاف تھا، مشکل آسان تھی اور فتنہ و فساد کی آگ سرد، جنگی معرکوں کے ساتھ ملکی انتظام بھی تھے، عراق فتح بھی ہوا اس میں خراج کا بندوبست بھی ہوا، اور خراج وصول ہو کر اسلام کے مقاصد کی تکمیل میں بھی صرف ہونے لگا، لشکر کو یہ ہدایتیں تھیں:-

"خیانت نہ کرنا، دھوکا نہ دینا، سردار کی نافرمانی نہ کرنا، کسی شخص کے اعضا نہ کاٹنا، کسی بچے، بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا، کھجور اور میوہ دار درخت نہ کاٹنا، نہ جلانا، اونٹ بکری یا گائے کو سوا غذا کی ضرورت کے

نہ مارنا۔ عیسائیوں کے گوشہ گیر اہلِ عبادت کو نہ ستانا یغتیں کھا کر خدا کو نہ بھول جانا۔" دیکھو عین معرکۂ کارزار میں دین و اخلاق کا سبق یاد رکھنے کی تاکید ہے۔ ترحم و کرم کا دائرہ انسان، حیوان، نباتات سب کے لئے وسیع ہے مؤرخ ابن اثیرؒ نے (جن کی وفات ۶۳۸ھ میں ہے) لکھا ہے کہ "خلافت صدیقی کے احکام بالا آج تک مسلمانوں کے لشکر کے دستور العمل ہیں۔" یورپ کی حالیہ جنگ عالمگیر کے ہولناک مناظر دیکھ کر قدرتی طور پر یہ تمنا قلب سلیم میں پیدا ہوتی ہے کہ کاش تعلیم صدیقی کا فیض مغرور یورپ نے حاصل کر لیا ہوتا تو بنی نوع انسان پر یہ مصیبت نازل نہ ہوتی۔

اس موقع پر ذرا شانِ صدیقی کا مرقع دل کی نگاہ کے سامنے لے آؤ۔ مسیلمہ کذاب سے معرکہ ہے۔ روم و ایران کے شیروں سے مقابلہ ہے محلہ کی لڑکیوں کی فرمائش سے بکریاں دوہی جا رہی ہیں۔ راستہ میں بچے بابا بابا کہہ کر لپٹ رہے ہیں۔ نواح مدینہ میں ایک اپاہج اندھی بوڑھیا کی خدمت اس اہتمام سے ہو رہی ہے کہ حضرت عمرؓ بھی سبقت نہیں لے جا سکے، کاندھے پر کپڑے کی گٹھڑی ہے اور مدینہ کے بازار میں خرید و فروخت کر کے اہل و عیال کی روزی کا سامان کرتے ہیں مدینہ پر حملہ ہوتا ہے تو لشکر کی کمان بھی کرتے ہیں، میدانِ جنگ کا پورا خاکہ تیار کر کے امیرانِ لشکر کے حوالے فرماتے ہیں۔ عراق کی مہم میں یہ بھی اہتمام ہے کہ ملک کی آبادی میں فرق نہ آئے، زراعت اور اہلِ زراعت تباہ نہ ہوں، بندوبست اراضی کی ہدایتیں جاری ہوتی ہیں، کلام مجید

اور حدیث کی خدمت ہو رہی ہے۔ فقہ کے اصول مرتب ہوتے ہیں۔ دین کے مشکل مسئلے حل کئے جاتے ہیں۔ ذکر کی تلقین ہوتی ہے۔ غرض ایک ہی وقت میں بادشاہ اور درویش، مفسر، محدث، فقیہہ، اولوا لعزم اور مسکین، سپہ سالار اور مالیات کے حاکم، تاجر سب کچھ ہیں، اور جب دنیا سے جاتے ہیں تو دنیا سے بالکل پاک صاف، نہ ملک ورثار کے لئے چھوڑتے ہیں نہ روپیہ نہ جائداد۔ پرانی چادریں دھوئی جاتی ہیں اور خلیفۂ رسول اللہ اُن میں دفنائے جاتے ہیں اور دیکھو یہ سب کچھ محض اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کے لئے ہے۔

علمی خدمات

قرآن مجید بشکل کتاب یک جا لکھوا کر محفوظ فرما دیا اور اس کا نام مصحف رکھا، معانی کلام مجید کے متعلق جو مشکلات پیش آئیں ان کو حل کیا، حدیث کی روایت کی، زکوٰۃ کی مقادیر کی بابت سب سے زیادہ معتبر روایت حضرت صدیقؓ کی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر مہمات مسائل میں حضرت ابو بکرؓ کی روایتیں سند ہیں۔ فقہ میں قاعدۂ اجتہاد مقرر کیا جو سارے مجتہدوں کا دستور العمل بنا۔ مشکل مسائل فقہ کو حل کیا۔ تعبیر رویا میں ان کی شان جلالت مسلم ہے۔

تصوف میں ذکر کلمہ طیبہ کا طریقہ سب سے اول تلقین کیا۔ کشف المحجوب میں صدیق اکبرؓ کو امام تصوف لکھا ہے۔ طریقہ نقشبندیہ کا سلسلہ بواسطہ حضرت امام جعفر صادقؒ حضرت صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ اہلِ معرفت کا قول ہے کہ نسبت صدیقی نسبتِ ابراہیمی تھی۔ اسی لئے غلبۂ توحید علی وجہ الکمال تھا۔

کلام مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لقب "اواہ ملیب" ہیں یعنی درد مند اور اللہ پاک کی طرف رجوع کرنے والے صحابہ کرام میں حضرت ابوبکرؓ کا لقب "اواہ" تھا۔ (درد مند) یہ بھی نسبتِ ابراہیمی کا اثر تھا حضرت سرورِ عالم کے ساتھ مرتبۂ ضمنیت کبریٰ حاصل تھا۔ لہذا کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر اتم حضرت ابوبکرؓ تھے، شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے، حضرت صدیق کے قلب پر شعاع غیبی کا ظہور لطیفۂ قلبیہ سے ہوتا تھا۔ لہذا حقیقت حال بصورت عزیمت ظاہر ہوتی نہ بہ رنگ تخیل۔ حدیث ما صب اللہ فی صدری شیئا الا صببتہ فی صدر ابی بکر (یعنی جو کچھ اللہ نے میرے سینہ میں ڈالا میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا) اس مرتبہ پر شاہد ہے۔

واقعۂ وفات پر غور کیجئے، ایک انسان کی اصلی حالت کا معیار غالباً اس زمانے سے بڑھ کر دوسرا نہیں ہوسکتا جو موت کے قریب ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ جسمانی حیثیت سے کبھی قوی نہ تھے۔ اس ضعف کے ساتھ ترسیٹھ برس کی عمر میں علیل ہوتے ہیں۔ پندرہ روز بخار آتا ہے۔ انتہا یہ کہ مسجد جانے کی قوت نہ رہی حالانکہ گھر کی کھڑکی مسجد میں تھی۔ اس سے تم جسمانی ضعف کا اندازہ کرسکتے ہو۔ اس شدتِ ضعف اور مرض میں عزیمت کا کیا حال ہے۔ بعض ہمدرد طبیب کے بلانے کا مشورہ دیتے ہیں تو فرماتے ہیں، طبیب دیکھ چکا۔ استفسار کرتے ہیں، دیکھ کر کیا کہا، فرماتے ہیں یہ کہا ہے :-

"اُنی فعال لما ارید" (یعنی میں جو ارادہ کرتا ہوں کر ڈالتا ہوں)

دیکھو صدیق اکبرؓ کی نبض کس کے ہاتھ میں تھی۔ یہ تسلیم و رضا کا بہترین سبق ہے۔ ایام مرض اس گھر میں بسر کرتے ہیں جو دربار نبوی سے مرحمت ہوا تھا۔ جب مرض نے زیادہ زور پکڑا تو جانشین کی فکر ہوئی۔ سوچا۔ مشورہ کیا۔ بالآخر حضرت فاروق اعظم کو منتخب فرمایا۔ اس انتخاب پر اُن فیوض و برکات نے آفرین کہی جو عالم پر دور فاروقی میں عدل فاروقی سے نازل ہوئے۔ منشاء انتخاب کیا تھا وہ بھی سن لو۔ جب ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو سخت مزاج خیال کرکے اعتراض کیا تو نہایت جوش صداقت کے ساتھ جواب دیا۔

اباا للہ تخوفنی اذا لقیت اللہ قلت استخلفت علی اھلک خیر اھلک۔ — یعنی کیا تم مجھ کو خدا سے ڈراتے ہو۔ میں جس وقت اللہ کے روبرو جاؤں گا تو کہوں گا کہ میں تیری مخلوق پر سب سے بہتر آدمی کو اپنا جانشین مقرر کر آیا ہوں۔

اس کی تشریح اس دعا کے الفاظ میں بھی ہے۔ جو حضرت عمرؓ کے حق میں بعد وصیت فرمائی۔

اللھم انی لم ارد بذلک الا صلاحھم وخفت علیھم الفتنۃ فعملت فیھم بما انت اعلم و اجتھدت لھم رایا ولیت — اے اللہ میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے ارادے سے کیا ہے اور اس اندیشہ سے کہ ان میں فساد نہ ہو۔ میں نے وہ عمل کیا ہے جس کو تو بہتر جانتا ہے۔ میں نے خوب غور و فکر کے بعد بہترین اور قوی ترین شخص کو ولی عہد کیا ہے۔

علیھم خیرھم وا قویھم و   جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا
احرصھم علیٰ ما ارشدھم   خواہشمند ہے۔

عین وفات کے قریب حضرت مثنیٰ عراق سے فوجی کمک حاصل کرنے مدینہ آتے ہیں تو خلیفہ کو بستر وفات پر پاتے ہیں۔ اس پر بھی حضرت ابوبکرؓ ان سے مفصل حالات سنتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو بلا کر فرماتے ہیں:۔

"جو میں کہتا ہوں اس کو سنو اور عمل کرو۔ مجھ کو توقع ہے کہ آج میری زندگی ختم ہو جائے گی۔ دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے اور رات میں نکلے تو صبح ہوتے ہوتے مسلمانوں کو ترغیب دے کر مثنیٰ کی مدد پر آمادہ کرنا کسی مصیبت کی وجہ سے دین کی خدمت اور حکم ربانی کی تعمیل سے نہ رکنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھ کر کیا مصیبت ہو سکتی ہے۔ تم نے دیکھا ہے اس روز میں نے کیا کیا تھا قسم ہے رب کی اگر میں اس روز حکم الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا اور مدینہ میں آگ بھڑک اٹھتی۔ اگر خداوند تعالیٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالد کے لشکر کو عراق بھیج دینا اس لئے کہ وہ کار آزمودہ اور وہاں کے حالات سے ناواقف ہے۔"

اُسی دورانِ مرض میں یہ محاسبہ ہوتا ہے کہ بیت المال سے وظیفہ کیا ملا۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ ملا۔ واجبی ملا۔ حق المحنت تھا جو صحابہ کرام کی تجویز سے ملا۔ تاہم صفائی محاسبہ پیش نظر تھی اس لئے اپنی ایک جائداد فروخت کرا کے کل رقم بیت المال کی بیباق کر دی۔ بعد بیعت کے جو اضافہ مال میں ہوا تھا یعنی ایک حبشی غلام جو بچوں کو کھلاتا تھا اسی کے ساتھ مسلمانوں کی تلواروں کی

صیقل کرتا تھا۔ ایک چادر سوا روپے قیمت کی اور ایک اونٹنی جس پر پانی آتا تھا) اس کی نسبت حکم ہوا کہ بعد وفات سب چیزیں خلیفہ کے پاس پہنچا دی جائیں۔ جب اس حکم کی تعمیل ہوئی تو حضرت عمرؓ روئے اور فرمایا "اے ابوبکرؓ تم اپنے جانشینوں کے لئے کام بہت سخت کر گئے۔

اتباع سنت دیکھو

قریب وفات حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے پارچہ کا کفن دیا گیا۔

کہا۔ تین پارچہ کا۔

فرمایا میرے کفن میں بھی تین ہی کپڑے ہوں دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھولی جائیں ایک چادر نئی لی جائے (مسلمانو! تمہارے خلیفہ کے توشکخانہ میں صرف دو چادریں تھیں)

ایثار ملاحظہ ہو:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر کہا کہ "ہم ایسے تنگ دست نہیں کہ نیا کپڑا نہ خرید سکیں۔

فرمایا "جانِ پدر! نئے کپڑے مردوں سے زیادہ زندوں کے لئے موزوں ہیں۔ کفن تو پیپ اور لہو کے واسطے ہے۔"

قدرتی اتباع سنت دیکھئے۔

انتقال کے روز فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دن رحلت فرمائی۔ لوگوں نے کہا دوشنبہ کو فرمایا مجھے امید ہے کہ میری موت بھی

آج ہی ہو گی (یہ دوشنبہ کا دن تھا) سنو۔ ادب محبوب عین سکرات کے وقت جب دم سینہ میں آچکا تھا حضرت عائشہؓ نے حسرت سے یہ شعر پڑھا ؎

وابیض تستقی الغمام بوجھہ ربیع الیتامیٰ عصمۃ للارامل

یعنی وہ نورانی صورت جس کی تازگی سے ابر سیراب ہو یتیموں کی پناہ بیواؤں کی محافظ

سن کر آنکھیں کھول دیں اور کہا:۔

"یہ شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ ابوبکر اس کا مستحق نہیں" رضی اللہ عنہ۔

خدارا ان واقعات پر غور کرو اور کہو کہ حضرت صدیقؓ کے دل میں سوائے اللہ اور اس کے رسولؐ کے کسی کی بھی محبت تھی؟ واللہ نہ تھی۔ ہرگز نہ تھی ؎

بہ پردہ ہائے دل وچشم من نہاں حسرت
من وخدائے کہ جز جلوۂ نگارم نیست

رضی اللہ عنہ وجزاہ عنا خیر الجزاء وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ۝

حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ

(بانی سلسلہ چشتیہ)

(آپ کا عرس ہر سال چھٹی رجب کو اجمیر شریف میں منایا جاتا ہے)

صوفیار اور اولیار کی جماعت میں حضرت خواجہ بزرگ کو خصوصی امتیاز حاصل ہے ہندوستان میں کفر کی تاریکی کو دور کر کے اسلام کی شمع روشن کرنے والوں میں آپ کو اولیت حاصل ہے۔ اس ملک کے گوشہ گوشہ میں آپ نے اہلِ دل اور صاحبِ حال بزرگوں کو بھیج کر اسلام کی تبلیغ فرمائی۔

اسم مبارک خواجہ معین۔ دنیائے اسلام میں آپ قطب المشائخ، ہند الولی، خواجۂ خواجگان اور سلطان الہند کے القاب سے مشہور ہیں۔ والد کا نام غیاث الدین حسن تھا۔ جدی اور مادری سلسلہ ہائے نسب علی الترتیب حضرت امام حسین اور حضرت امام حسن علیہما السلام تک پہنچتے ہیں، اس لئے آپ کو حسنی الحسینی کہا جاتا ہے۔

ماہ رجب ۵۳۶ھ یا ۵۳۷ھ میں علاقہ سیستان کے شہر سنجر میں تولد ہوئے۔ سیستان میں سیاسی بدنظمی اور ابتری پھیل گئی تو آپ کے والد ماجد نے وطن کو

خیرباد کہا اور وہاں سے خراسان تشریف لائے۔ اس وقت خواجہ صاحب کی عمر ۱۳ سال کی تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں آپ نے زمانہ کے بہت سے انقلاب دیکھے۔ علماء اسلام اور اہل اللہ کی مظلومی اور دین کی بے حرمتی سے آپ سخت متاثر ہوئے۔ ۵۵۱ھ میں جبکہ آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ والد بزرگوار کا انتقال ہوا۔ ترکہ میں آپ کو میوہ دار باغ اور ایک ہوائی چکی ملی تھی۔ یہی میراث آپ اور آپ کے خویش و اقربا کی معیشت کا سہارا تھی، باغ کی آبیاری اور نگہداشت خود ہی فرمایا کرتے تھے۔

سنجر اور خراسان پر ترکان غز کے متعدد حملے ہوئے جن کے نتیجے کے طور پر یہ مقامات تباہ و برباد ہوئے۔ ان حادثات نے آپ کے دل میں خدا پرستی و عبادت سے اُنس پیدا کر دیا۔ چنانچہ ابتدائی عمر ہی سے ریاضت آپ کی روزمرہ زندگی کا سب سے نمایاں مشغلہ تھا۔

ایک روز حضرت خواجہ صاحب اپنے باغ میں درختوں کو پانی دے رہے تھے کہ ایک صاحب باطن بزرگ ابراہیم قندوزی کا ادھر سے گزر ہوا خواجہ صاحب نے بڑے تپاک سے ان کا استقبال فرمایا ایک سایہ دار درخت کے سایہ میں بٹھا کر بطور تواضع میوہ کی ڈالی پیش کی اور خود مؤدب ہو کر ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ حضرت قندوزی نے اپنے کمسن میزبان کی خاطر مدارات سے خوش ہو کر چند دانہ ہائے انگور تناول فرمائے بعد میں اپنی جھولی سے خشک روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا، پہلے اپنے دانتوں میں چبایا اور پھر خواجہ صاحب کے منہ میں ڈال دیا۔ اس روٹی کا حلق سے اترنا ہی تھا

آپ کا سینہ نور سے معمور ہو گیا اور آن کی آن میں علم باطن کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ اب دنیا کی کوئی وقعت نظر میں باقی نہ رہی، باغ اور چکی فروخت کر کے اس کا روپیہ غربار و مساکین میں تقسیم فرمایا اور حصول علم کے شوق میں سمرقند و بخارا کی راہ اختیار کی۔ چوبیس سال کی عمر تک بخارا میں حسام الدین کی خدمت میں حاضر رہے۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کی تحصیل فرمائی، وہاں سے خراسان اور نیشاپور سے ہوتے ہوتے ہوئے عراق کے قصبہ ہارون میں پہنچے جہاں حضرت شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ رفتہ رفتہ یہ ملاقات عقیدت میں تبدیل ہو گئی، چنانچہ خواجہ صاحب نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ قصبۂ ہارون میں چند سال کے قیام کے بعد اپنے شیخ کی بیعت میں خانۂ کعبہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور مدینہ منورہ میں حاضری دی وہاں سے بغداد کا قصد کیا جو ان دنوں علم و فضل کا مرکز تھا۔ یہاں آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی کے علاوہ دیگر اکابر علماء و مشائخ سے ملاقات کی جب شیخ عثمان ہارونی بغداد تشریف لائے تو وہاں آپ کو منصب خلافت سے سرفراز کیا اس کے بعد آپ خراسان واپس ہوئے یہاں چند ماہ قیام فرما کر ماورالنہر، تبریز اور سبزوار کا سفر کیا۔

جس زمانہ میں سبزوار میں آپ کا ورود ہوا، وہاں فرقہ باطنیہ[۱] کے پیرو

---

[۱] پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں ایک فرقہ عجمی مسلمانوں میں ایسا پیدا ہوا تھا جس کا عقیدہ تھا کہ دین کی ہر بات کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور باطن کا دنیا میں صرف چند آدمیوں کو علم ہوتا ہے جن کو اختیار حاصل ہے کہ دین میں اپنی مرضی کے مطابق کمی بیشی کریں ۱۲

"یادگار محمدؒ" کی حکومت قائم کی تھی جو فاسق و فاجر ہونے کے علاوہ اولیاء کبار سے بغض و عناد رکھتا تھا۔ حضرت خواجہ صاحب نے اسی کے باغ میں قیام فرمایا۔ شام کے وقت جب وہ حاکم تفریح کی غرض سے باغ میں داخل ہوا تو حضرت کو وہاں دیکھ کر اپنے خدمت گاروں کو ڈانٹا کہ انھیں باغ میں آنے کی اجازت کیوں دی گئی۔ اس کے کلمات سن کر حضرتؒ نے جلال و غضب کے ساتھ اس پر نظر ڈالی جس کے ساتھ ہی وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا، جب اس کی حالت بہت خراب ہونے لگی تو اس کے مصاحبین نے خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں التجا کی، آپ نے تھوڑا سا پانی پڑھ کر یادگار محمد کی پیشانی پر چھڑک دیا جس سے وہ فوراً ہوش میں آ گیا۔ اٹھ کر حضرت کی قدمبوسی کی اور فسق و فجور سے توبہ کر کے آپ ہی کے دست مبارک پر بیعت کی۔ بیعت کے بعد اپنی تمام جائداد اور اسباب حضرت کے سامنے نذر کے طور پر پیش کیا۔ حضرت نے قبول فرمانے سے انکار کر دیا۔ اور اسے نصیحت فرمائی کہ مال و اسباب کا جو ذخیرہ رعایا پر ظلم اور زبردستی کر کے جمع کیا گیا ہے وہ ان کے اصلی مالکوں کو واپس کر دیا جائے۔ اس ارشاد کی تعمیل میں یادگار محمدؒ نے نہ صرف مال و اسباب اس کے اصلی مالکوں کو واپس کر دیا۔ بلکہ سلطنت و حکومت سے دست کش ہو کر علاقہ حصار کے سفر میں خواجہ غریب نوازؒ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ حضرت کے فیض صحبت نے یادگار محمدؒ میں معرفت کا پورا ذوق پیدا کر دیا تھا اس لئے حضرت نے اس کو علاقہ حصار میں خلق اللہ کی ہدایت و ارشاد کے لئے متعین فرما دیا۔

یہاں سے دمشق، بلخ، بدخشاں، غزنی اور قندھار کا سفر فرمایا جس کے دوران میں ہر مقام پر قیام فرما کر آپ نے اسلام کی تبلیغ فرمائی اور طالبین معرفت کو اپنے فیض سے سرفراز فرمایا۔ قندھار سے ہندوستان کا رخ کیا، ملتان اور لاہور سے سیدھے دہلی تشریف لائے اس ملک میں تبلیغ اسلام کی ضرورت محسوس کر کے مستقل قیام کے لئے آپ نے اجمیر کو منتخب فرمایا۔ جو ان دنوں رائے پتھورا کی راجدھانی تھا۔ ورود کے چند روز بعد ہی آپ کی کرامات کے چرچے ہونے لگے اور لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ تبلیغ اسلام کی اس روزافزوں رفتار سے رائے پتھورا کو اندیشے پیدا ہونے لگے، چنانچہ اپنے دربار کے مسلمانوں کو جو خواجہ صاحبؒ کے حلقہ بگوش تھے راجہ نے دق کرنا شروع کیا اور حضرت خواجہؒ کی شان میں سخت سست کہنے لگا۔ جب حضرت کو راجہ کے اس طرز عمل کا علم ہوا تو آپ نے راجدھانی کے زوال کی پیشین گوئی فرمائی، چنانچہ ۵۸۸ھ میں شہاب الدین غوری نے راجہ کو شکست دی۔ رائے پتھورا نے اقتدار کے زمانے میں حضرت خواجہ صاحب کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اس زمانہ کے مشہور جوگی اور ساحر اجیپال کو مقرر کیا تاکہ وہ اپنے سحر کے زور سے خواجہ صاحب کو اجمیر سے نکال دے لیکن اجیپال کا بڑے سے بڑا سحر بھی کامیاب نہ ہو سکا بالآخر رائے پتھورا اور اجیپال دونوں نے کامل عقیدت کے ساتھ خواجہ صاحب کی قدمبوسی کا شرف حاصل کیا اور اپنی گستاخیوں کی آپ سے معافی چاہی۔

تذکرہ نویسوں نے روایت کی ہے کہ حضرت خواجہ بزرگ سے ہزار کی تعداد میں کرامات ظہور میں آئیں ہندوستان کے مشرکانہ ماحول میں توحید اور اسلام کی تبلیغ کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ حکومت کی فوجی طاقت کے مقابلہ میں خواجہ صاحب نے خدا کی مدد سے جو کرامات کی صورت میں آپ کو حاصل تھی تنہا اپنے فرض کی تکمیل فرمائی اور معرفت کی درس گاہ چشتیہ کا وہ سنگ بنیاد رکھا جس کی بلند اور عظیم الشان عمارت سے فیضان کے انوار تا قیامت تاریک گوشوں کو منور کرتے رہیں گے۔

بتاریخ ۶۔ رجب ۶۳۳ھ تقریباً (۹۷) سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ مزار مبارک اجمیر شریف میں بلا امتیاز مذہب و ملت مرجع خاص و عام ہے۔

معراج و اسرارِ معراج

فاضل گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی وہ پر کیف و محققانہ تقریر
جو ۲۷۔ رجب ۱۳۵۹ھ کو نشر گاہ حیدر آباد سے نشر ہوئی

الحمد للّٰہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

یہ صحیح ہے کہ معراج اور معراجی تجربات و مشاہدات کا تجربہ صرف مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ ہر سال وہی اس واقعہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ان ہی کی حکومتیں اس دن تعطیل دیتی ہیں۔ اسلامی ممالک میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ مگر جیساکہ معراج والے (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے کہا گیا تھا کہ "ما کنت بدعا من الرسل" (میں رسولوں میں نیا نہیں ہوں) بلکہ "مصدق لما معکم" بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ یعنی خدا کے برگزیدوں کے ذریعہ سے جو غیر فانی سچائیاں اور لازوال صداقتیں دنیا میں تقسیم ہوئی تھیں ان کی تردید و تکذیب نہیں بلکہ ان پر تصدیق کی آخری مہر ثبت کرکے

محفوظ کرا دینا یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم کام تھا۔

سچ پوچھئے تو معراجی مشاہدات بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ اس راہ سے جو بھی گزرے تھے انھوں نے جو کچھ دیکھا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت آیا اور آپ کو بھی اس راستہ سے گزرنا پڑا تو ظاہر ہے کہ جو کچھ پہلوں کے سامنے آیا تھا طبعاً ناگزیر تھا کہ وہ آپ کے آگے بھی آئے۔

مگر جس طرح بہت سے دینی تجربات اور مذہبی حقائق جو بھلا دیئے گئے تھے یا قریب تھا کہ بھلا دیئے جائیں وہ نبیوں کے خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت آج زندہ ہیں تعجب نہ ہونا چاہیئے اگر مذہبی راہ کا وہ حیرت انگیز تجربہ جس کا نام معراج ہے وہ بھی آج محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام ہی سے زندہ ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ ابد تک زندہ رہے گا۔ شاید عوام کو نہ معلوم ہو لیکن جاننے والے تو جانتے ہیں کہ مغربی ممالک ہوں یا مشرقی ان میں جس قسم کی بھی جو مذاہب و ملل پائے جاتے ہیں ان کے بھولے بسرے مذہبی ذخیرے کسی نہ کسی شکل میں اس تجربہ کے ذکر سے اب بھی خالی نہیں ہیں، عیسائی یہودی ادبیات میں اخنوخ نبی کی کتاب "یوحنا کے مکاشفات" پولس کی رویا"۔ کتابوں کے سوا وصیت نامہ ابراہیمؑ جس کے متعلق قدیم ہی نہیں بلکہ جدید محققین بھی معترف ہیں کہ مسیح علیہ السلام سے صدیوں پہلے کی کتاب ہے اس میں تو کلیات ہی نہیں بلکہ معراجی واقعات کے جزئیات کا بھی ایک ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ فرشتہ کے ساتھ براق نامی سواری پر حضرت ابراہیم کی آسمانی سیاحت اس سلسلہ میں گزشتہ روحوں خصوصاً آدم علیہ السلام سے ملاقات

آدم کا اپنی اولاد کی نیک روحوں کو دیکھ کر خوش ہونا اور بدوں کو دیکھ کر کڑھنا رنجیدہ ہونا، ان تمام چیزوں کا ذکر موجود ہے اور یہ تو مغربی ممالک کے مذاہب کا حال ہے۔ اندرالوکاگم نامی کتاب ہندوؤں میں پائی جاتی ہے اس میں بھی کچھ اسی قسم کی آسمانی سیر کو ارجنا نامی شخص کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس میں ہے کہ اس شخص نے نندنا می باغ (جنۃ الماوی) کے پاس ایک شجتی درخت کو دیکھا۔ جس سے زندگی کا پانی بہہ رہا تھا۔ اور شاخوں پر رنگارنگ کی چیزیں جگمگا رہی تھیں۔ ایسا ہی قدیم ایرانی ادبیات میں خود زرتشت کے متعلق بھی اور زرتشتی دین کے ایک مجدد دیراف کے متعلق بھی آسمانی سیاحتوں کا ذکر تفصیل سے پایا جاتا ہے۔ یہاں بھی الشان پندان یعنی ملائکہ مقربین سے ایک فرشتہ اس سفر میں ساتھ ہے اور ستارہ پایہ نامی آسمانی طبقہ سے ماہ پایہ، خورشید پایہ وغیرہ تک چڑھاتا ہوا لے جاتا ہے۔ پھر گردتماں (بہشت) کے مختلف طبقات حومت، حوست، ہورست) اور دوزخ کی سیر کرائی جاتی ہے۔ نیز دیراف کی ملاقات زردشت کی روح اور دیگر اوران پیشوایان و دیگر پاکان سے بھی ہوتی ہے وغیرہ کہا جاتا ہے کہ بودھی لٹریچر میں بھی اس قسم کی آسمانی سیر و سفر کا ذکر پایا جاتا ہے۔

بہرحال ایک ایسا واقعہ جس کا ذکر قرآن کے سوا تیس چالیس صحابہؓ سے حدیث کی صحیح و معتبر کتابوں مثلاً بخاری و مسلم وغیرہ میں ہو اور نسلاً بعد نسل موروثی طور پر یہ تواتر ہم تک پہنچا ہو تو ہم اس کے ماننے پر اس لئے مجبور ہیں لیکن مسلمانوں کے سوا دنیا کی دوسری قوموں کے لئے یہ واقعہ کم اہمیت

نہیں رکھتا۔ اور ایک معراج کا تمام اسلامی حقائق کا یہی حال ہے کہ بجائے نئی باتوں کے زیادہ تر لوگوں کو ان کے بزرگوں کا وہی ترکہ واپس دلادیا جاتا ہے جس کے یقین سے محروم ہو کر شک بلکہ بعض دفعہ تو انکار تک کے لوگ شکار ہو چکے تھے۔

مگر جہاں معراجی واقعات کا ذکر ان ادیان و مذاہب میں پایا جاتا ہے، جہاں تک میرا علم ہے صرف اس کی حیثیت ایک واقعہ کی ہے۔ باقی یہ بات کہ "یہ واقعہ" آیا اچانک یونہی بلا کسی وجہ کے ساتھ پیش آجاتا ہے یا اس کا بھی تعلق قدرت کے کچھ مقررہ قوانین سے ہے اور یہ کہ یہ کوئی لازمی واقعہ ہے یا دوسرے بھی اس سے اپنی زندگی کی راہوں میں نفع اٹھا سکتے ہیں، شاید قرآن کے سوا اور کسی دوسری کتاب میں میرے علم کی حد تک اس کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی جس مشہور آیت میں اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منصب رسالت سے زیادہ عبدیت اور بندگی کے پہلو سے ہے۔ یعنی یتیمی و بیسری و غربت کے جن دردناک مصائب سے بچپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گزارنا پڑا اور جوانی میں ایک نہیں بلکہ متعدد پالے پوسے بچوں کی موت کا داغ لوگوں کا اس پر "ابتر" یا بے نسل ہونے کا آپ پر طعنہ ان سے قطع نظر نبوت کے بعد آپ کو اور آپ کی وجہ سے آپ کے ساتھیوں کو مسلسل مکہ میں نو دس

سال تک جن حالات سے گزرنا پڑا۔ حتیٰ کہ بالآخر اس کی انتہا شعب ابی طالب کے واقعہ پر بایں شکل ہوتی ہے کہ مہینہ دو مہینہ نہیں، کامل ڈھائی تین سال تک مکہ والوں نے آپ سے اور آپ کے ساتھیوں سے کلی مقاطعہ کر لیا زندگی کے تمام ذرائع بند کر دیئے۔ پھر اس کے بعد آپ پر اور آپ کے رفقاء پر ان کی عورتوں اور بچوں پر جو کچھ گزر رہی تھی اور ان لوگوں کے کرب و بےچینی کا آپ کی نرم و پر گداز رؤف و رحیم فطرت پر جو اثر پڑا تھا لیکن جس کی طرف سے یہ واقعات پیش آ رہے تھے اور بغیر کسی انقطاع کے چالیس پچاس تک مسلسل پیش آ رہے تھے، بجائے ہٹنے کے اس کی طرف آپ کا بڑھنا، بڑھتے ہی چلا نا ہر چیز سے یک سو ہو کر صرف اس کے آگے اپنے کو ڈال دینا..... اگر اس پستی کی قیمت میں آپ کے سامنے معراج کی بلندی پیش ہوئی اور جو سب سے زیادہ گرا ہوا تھا اگر اسی کو سب سے زیادہ اونچا کیا گیا تو آخر سوچنا چاہیئے۔ اس کے سوائے دوسری صورت کی گنجائش ہی کیا تھی۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ "معراجی مشاہدات" کا حضور اگر ذکر بھی نہ فرماتے تو جو آپ کے حالات سے واقف ہیں ان کو یوں بھی اس واقعہ پر یقین کرنا چاہیئے تھا۔ خود قرآن نے جن الفاظ میں اس واقعہ کی تعبیر کی ہے۔ اس کا حاصل یہی ہے کہ جس نے سب سے الگ ہو کر "الاصم الاعمیٰ" (بہرے، اندھے) کے آگے نہیں بلکہ "السمیع البصیر" (شنوا بینا) کے آگے اپنے کو ڈال دیا تھا اور دیکھنے والے سننے والے انسان سے جب اس کی توقع نہیں کہ ایسے گرنے والے کو یوں ہی پڑا رہنے دیگا تو

تمام رحم کرنے والوں سے جو سب سے زیادہ رحم کرنے والا (ارحم الرحمین) ہے۔ یقیناً اس کی ذات ایسی سنگ دلی اور بے دردی کے الزام سے پاک ہے بلکہ اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اس نے رات کو اس لئے سیر کرائی تاکہ اپنی نشانیاں اسے دکھائے۔

لوگ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ سے کچھ بھی مراد لیں۔ لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جس بندہ کی مرکزی سجدہ گاہ کعبہ تھی اس کو جب بلندی عطا کی گئی ہے تو عالمِ شہادت و محسوس کے بالمقابل عالم غیب دنا محسوس محدود میں مرکزی سجدہ گاہ کا جو بعید ترین آخری نقطہ تھا جس کی تعبیر قرآن ہی میں دوسری جگہ "الافق الاعلیٰ" سے کی گئی اور بتایا گیا کہ "الافق الاعلیٰ" کے بعد پھر کائناتی و آیاتی موجودات سے تھیں بلکہ .... مطلقہ کے ادنیٰ (قرب کا مقام) شروع ہو جاتا ہے۔ اور شہادت و غیب کے ان ہی دونوں مرکزی نقطوں کے درمیان خدا کی چھوٹی اور بڑی نشانیاں یا آیات صغریٰ (عالمِ شہادت محسوس!) اور آیات کبریٰ (عوالمِ غیب) واقع ہیں! اور یوں آپ کو ہر بشر کے عوالم کی سیر کرائی گئی۔ اگرچہ "سورۂ اسرا" میں تو نہیں لیکن "النجم" میں آپ کے ان عروجی مقامات کو بھی بیان کیا گیا ہے جہاں مخلوقات سے آگے بڑھ کر "دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین اوادنیٰ" تک آپ پہنچے بہر حال اس سلسلہ میں گزرے ہوئے واقعات آنیوالے حادثات بھی آپ کو ایک خاص رنگ میں دکھائے گئے اور اس عالم کے پیچھے قوانین قدرت کے جو غیر مرئی اور نادیدہ نظامات ہیں۔ ان کا بھی معائنہ کرایا گیا

ایسے عالم سے بھی گزرے جہاں اس دنیا کی جو چیزیں صفات کے رنگ میں نظر آتی ہیں وہاں کسی مستقل جوہری لیکن وجود کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، اسی بنیاد پر سمجھا جاتا ہے کہ انسانی فطرت جو ملکوتی اور حیوانی صفات کا مجموعہ ہے جب اپنے ملکوتی پہلو کو بہیمی پر غالب کر لیتی ہے تو غیب کے اس عالم میں جس کا اصطلاحی نام مثال ہے یہ صورت نظر آتی ہے کہ آدمی کسی دابہ (چوپایہ) پر چڑھا ہوا ہے اور جس کی حیوانی صفت غالب ہوتی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ خود کوئی جانور ان پر سوار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے مثال تک براق کی سواری پر گئے۔ آگے براق چھوڑ دیا گیا اور معراج (سیڑھی) آئی اس پر آپ نے دوسرے غیبی سماوات کی سیر کی۔ اور گزرتے ہوئے پیغمبروں سے ملاقات ہوئی۔ بعض آنے والے حوادث مثلاً دجال وغیرہ کو بھی آپ کو دکھایا گیا۔ جنت و دوزخ کی بھی آپ نے سیر کی۔ اسلام آپ کی خدمت میں دودھ کی شکل میں پیش ہوا جسے آپؐ پی گئے۔ اور خشک رسمی مذاہب پانی کی شکل میں۔ اسی طرح شروع میں جو تحریکیں جوش و خروش سے اٹھتی ہیں وہ آخر میں بے نتیجہ ہو کر رہ جاتی ہیں شرابیہ کی شکل میں پیش ہوئیں۔ آپ نے دونوں سے انکار کیا۔ آپ کے سامنے وہ درخت بھی آیا جس کا ذکر دوسرے مذاہب میں جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا تھا۔ پایا جاتا ہے یہ کیا تھا۔ یہ فرماتے ہوئے کہ اس درخت سے جنت کی نہریں اور اسی سے فرات و نیل، سیحان، جیحان کو بھی میں نکلتے دیکھا ارباب تحقیق نے لکھا ہے کہ یہ اشارہ ہے کہ محسوس و نامحسوس عوالم کا رشتہ

اتحاد جس اشتراکی وجود کے ساتھ جکڑا ہوا ہے۔ یہ وہی شجرۃ الکون یا درختِ ہستی ہے، اسی لئے فیوض و برکات ربانی جو "کل یوم ھو فی شان" کے سرچشمہ سے ہر لمحہ سارے عوالم میں تقسیم ہو رہے ہیں، ان کو رنگا رنگ بوقلمو ں شکلوں میں اسی درخت پر جھلملاتے ہوئے آپ نے پایا۔ مختلف پرندوں اور پتنگوں کی شکل میں وہ آپ کو نظر آ رہی تھیں، کہا جاتا ہے کہ جبرئیل امین نے اس حد تک آپ کا ساتھ دیا۔ آگے جب کائناتی اور آیاتی سلسلہ ختم ہو گیا تو جیسا کہ کہہ چکا ہوں صرف "وہ" اور اس کا بندہ رہ گیا تھا۔ بہرحال اس قسم کے واقعات چونکہ آپ کے ساتھ متعدد بار پیش آئے اس لئے شیخ اکبر (ابن عربی) نے نو تیس اور امام شرانی نے بتیس تک تعداد بیان کی ہے۔ عموماً محدثین کی اکثریت کم از کم دو دفعہ کی قائل ہے اس لئے کہ یہ واقعات مختلف شکلوں میں مختلف زمانوں میں پیش آئے۔ ہیں، یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک تاریخ وقوع یا بیان کے اجزاء کا اختلاف، پھر یہ کہ خواب میں ہوا یا بیداری میں یہ روحانی کیفیت تھی یا جسمانی حالات بھی اس میں شریک تھے۔ یہ سب بے معنیٰ اختلافات ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جو ہر چیز میں کامل تھا اور معراجی مشاہدات کے سلسلہ میں تمام پیغمبروں کا امام بنا کر آپ کے اسی مقام محمود کا اعتراف کیا گیا تھا۔ چونکہ اس راہ والوں کے آپ امام ہیں، اسی لئے معراج کے سلسلہ میں بھی آپ پر وہ ساری کیفیتیں گزریں جو اس راہ میں گزر سکتی ہیں۔ آپ کو وہ سب کچھ دکھایا گیا جو دوسروں نے دیکھا تھا۔ اور بھی جس میں دوسروں کا

حصہ نہ تھا۔ اس لئے سمجھا جاتا تھا کہ روحانی اور مقامی یعنی خواب والی یا صرف روح والی معراجیں تو دوسروں کو بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن عالم محسوس سے نامحسوس عالموں کی طرف ایسی سیر جس میں دیکھنے والے کا وجود اسی عالم کا رنگ اختیار کرلے۔ گیہوں کی روٹی خون بن کر آنکھ میں آنکھ جگر میں جگر، گوشت میں گوشت، ناخن میں ناخن بن جاتی ہے۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے تو جسد ارواح اور تروح اجساد کے نظریہ کا ان لوگوں کو انکار نہ کرنا چاہئے جنھیں کسی ایسے راہ کے تجربات سے سابقہ نہیں پڑا ہے ہستی کا یہ غیر محدود نظام اور اس کے مختلف آثار سے جو ناواقف ہیں ان کو ان لوگوں پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے جو اس راہ کے محرم اسرار ہیں۔ اکبر مرحوم نے سچ فرمایا ہے ؎

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں
عقیدے عقل و عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں

جسے ریڈیو کے قوانین کا تجربہ نہیں ہے اسے جھٹلانا نہیں چاہئے، اگر کہا جائے کہ حیدر آباد والے لندن والوں سے بول سکتے ہیں۔ خیر یہ سب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزرا اور مسلمان عموماً ان تفصیلات سے کم و بیش واقف ہیں، لیکن جو ہر پہلو کے حساب سے ہمارے لئے نمونہ اور اسوہ ہیں کاش اس پہلو کو بھی اپنی زندگی کی ان تلخیوں کے متعلق جنھیں عقلی تدبیریں مٹا نہیں سکتیں، ہم نمونہ بنائیں اور بجائے یاس و ناامید کے انگاروں پر لاحاصل طور پر لوٹتے رہنے کے ان تلخیوں کو اپنی عبدیت و تسلیم و رضا کا ذریعہ بنا کر دنیا کی ہر پستی کو اپنی بلندی و عروج کا زینہ بناتے رہیں۔ تو

معراجی آیاتیں قدرت کے جن قوانین کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ حضور کے غلاموں کو بھی اپنے اپنے ظروف و مقام کے مطابق انھیں مصائب و آلام سے جنھیں ہم بے دام ضائع کر رہے ہیں۔ ہم بھی ان کی قیمت حاصل نہیں کر سکتے۔ دکن کے حکیم الشعراء (حضرت امجد) پر یہ حقیقت جو کھلی ہے کہ :-

ملا ہے جب سے لطفِ خاکساری تنزل میں ترقی کر رہا ہوں

خدا کرے ہم سب پر کھل جائے اور زندگی کے وہی حوادث اور نامرادیاں جو آج ہماری بربادی کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں اگر ان کے متعلق صبر اور صلوٰۃ سے مدد حاصل کریں تو وہی معراج کا وسیلہ بن سکتی ہیں بہر حال :-

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

معراج کی رات

(ایک نشری تقریر از مولینا ابوالاعلیٰ مودودی)

عام روایت کے مطابق آج کی رات معراج کی رات ہے، یہ معراج کا واقعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سب سے زیادہ مشہور واقعات میں سے ہے۔ لیکن یہ جس قدر مشہور ہے اسی قدر افسانوں کی تہیں اس پر چڑھ گئی ہیں۔ عام لوگ عجوبہ پسند ہوتے ہیں ان کی عجائب پسندی کے جذبہ کو بس اپنی تسکین کا سامان چاہیے۔ اس لئے معراج کی اصل روح اور اس کی غرض اور اس کے فائدوں اور نتیجوں کو تو انھوں نے نظرانداز کر دیا اور ساری گفتگو اس پر ہونے لگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جسم کے ساتھ آسمان پر گئے تھے یا صرف روح گئی تھی براق کیا تھا۔ جنت اور دوزخ کا حال آپ نے کیا دیکھا اور فرشتے کس شکل کے تھے۔ حالانکہ دراصل یہ واقعہ تاریخ انسانی کے ان بڑے واقعات میں سے ہے جنھوں نے زمانے کی رفتار کو بدلا اور تاریخ پر اپنا

مستقل اثر چھوڑا ہے۔ اور اس کی حقیقی اہمیت کیفیتِ معراج میں نہیں بلکہ مقصد اور نتیجۂ معراج میں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ کرۂ زمین جس پر ہم آپ رہتے خدا کی عظیم الشان سلطنت کا ایک چھوٹا سا صوبہ ہے اس صوبہ میں خدا کی طرف سے جو پیغمبر بھیجے گئے ہیں ان کی حیثیت کچھ اس طرح کی سمجھ لیجئے جیسے دنیا کی حکومتیں اپنے ماتحت ملکوں میں گورنر یا وائسرائے بھیجا کرتی ہیں ایک لحاظ سے دونوں میں بڑا بھاری فرق ہے۔ دنیوی حکومتوں کے گورنر اور وائسرائے محض انتظام ملکی کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں اور سلطان کائنات کے گورنر اور وائسرائے اس لئے مقرر ہوتے ہیں کہ انسان کو صحیح تہذیب پاکیزہ اخلاق اور سچے علم و عمل کے وہ اصول بتائیں جو روشنی کے مینارے کی طرح انسانی زندگی کے شاہ راہ پر کھڑے ہوئے صدیوں تک سیدھا راستہ دکھاتے رہیں۔ مگر اس فرق کے باوجود دونوں میں ایک طرح کی مشابہت بھی ہے دنیا کی حکومتیں گورنری جیسے ذمہ داری کے منصب ان ہی لوگوں کو دیتی ہے جو ان کے سب سے زیادہ قابل اعتماد آدمی ہوتے ہیں اور جب وہ انھیں اس عہدہ پر مقرر کر دیتی ہیں تو پھر انھیں دیکھنے اور سمجھنے کا موقع دیتی ہیں کہ حکومت کا اندرونی نظام کس طرح کس پالیسی پر چل رہا ہے۔ اور ان کے سامنے اپنے وہ راز بے نقاب کر دیتی ہے جو عام رعایا پر ظاہر نہیں کئے جاتے ایسا ہی حال خدا کی سلطنت کا بھی ہے وہاں بھی پیغمبری جیسے ذمہ داری

کے منصب پر وہی لوگ مقرر ہوئے ہیں جو سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے اور جب انھیں اس منصب پر مقرر کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو اپنی سلطنت کے اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا اور ان پر کائنات کے وہ اسرار ظاہر کئے جو عام انسانوں پر ظاہر نہیں کیئے جاتے۔

مثال کے طور پر حضرت ابراہیمؑ کو آسمان اور زمین کے ملکوت، یعنی اندرونی نظام کا مشاہدہ کرایا گیا اور یہ بھی آنکھوں سے دکھا دیا گیا کہ خدا کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر جلوۂ ربانی دکھایا گیا اور ایک خاص بندہ کے ساتھ کچھ مدت تک پھرایا گیا تاکہ اللہ کی مشیت کے تحت دنیا کا انتظام جس طرح ہوتا ہے اس کو دیکھیں اور سمجھیں ایسے ہی کچھ تجربات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی تھے۔ کبھی آپ خدا کے مقرب فرشتے کو افق پر علانیہ دیکھتے ہیں، کبھی وہ فرشتہ آپ سے قریب ہوتے ہوتے اس قدر قریب آجاتا ہے کہ آپ کے اور اس کے درمیان دو کمانوں کے بقدر بلکہ اس سے بھی کچھ کم فاصلہ رہ جاتا ہے۔ کبھی وہی فرشتہ آپ کو سدرۃ المنتہیٰ یعنی عالم مادی کی آخری سرحد پر ملتا ہے اور وہاں آپ خدا کی عظیم الشان نشانیاں دیکھتے ہیں۔

اسی نوعیت کے تجربات میں سے ایک وہ چیز ہے جس کو معراج کہتے ہیں، معراج صرف سیر اور مشاہدہ ہی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایسے موقع پر ہوتی ہے جب کہ پیغمبر کو کسی کار خاص پر مقرر کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے اور اہم ہدایات دی جاتی ہیں وہ حضرت موسیٰ کی معراج ہی تھی۔

جبکہ ان کو وادیٔ سینا میں بلا کر احکام عشرہ دیئے گئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ مصر جا کر فرعون کو منشاء خداوندی کے مطابق نظام حکومت میں اصلاح کرنے کی دعوت دو اسی طرح وہ حضرت عیسیٰؑ کی معراج تھی جب انھوں نے ساری رات پہاڑ پر گزاری اور پھر اٹھ کر بارہ رسول مقرر کیئے اور وہ وعظ کہا جو پہاڑی کے وعظ کے نام سے مشہور ہے۔ ایسا ہی ایک اہم موقع وہ تھا جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو طلب کیا گیا۔

یہ وہ وقت تھا جب آپ کو اپنے مشن کی تبلیغ کرتے ہوئے تقریباً بارہ سال گزر چکے تھے۔ حجاز کے اکثر قبائل میں اور قریب کے ملک حبش میں آپ کی آواز پہنچ چکی تھی اور آپ کی تحریک ایک مرحلہ سے گزر کر دوسرے مرحلہ میں قدم رکھنے کو تھی دوسرے مرحلہ سے میری مراد یہ ہے کہ اب وقت آگیا تھا کہ آپ مکہ کی ناموافق سرزمین کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف منتقل ہو جائیں جہاں آپ کی کامیابی کے لئے زمین تیار تھی! اس دوسرے مرحلہ میں آپ کا مشن بہت پھیلنے والا تھا۔ صرف حجاز اور صرف عرب ہی نہیں بلکہ گردوپیش کی دوسری قوموں سے بھی سابقہ پیش آنا تھا اور اسلام کی تحریک ایک اسٹیٹ میں تبدیل ہونے کو تھی اس لئے اس اہم موقع پر آپ کو ایک نیا پروانہ تقرر اور نئی ہدایات دینے کے لئے بادشاہ کائنات نے اپنے حضور میں طلب فرمایا۔

اسی پیشی وحضوری کا نام معراج ہے عالم بالا کا یہ حیرت انگیز سفر

ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے پیش آیا تھا۔ اس سفر کے ضمنی واقعات احادیث میں آئے ہیں۔ مثلاً بیت المقدس پہنچ کر نماز ادا کرنا۔ آسمان کے مختلف طبقات سے گزرنا پچھلے زمانے کے پیغمبروں سے ملنا اور پھر آخری منزل پر پہنچنا۔ لیکن قرآن ضمنی چیزوں کو چھوڑ کر ہمیشہ اصل مقصد تک اپنے بیان کو محدود رکھتا ہے۔ اس لئے اس نے کیفیت معراج کا کچھ ذکر نہیں کیا بلکہ وہ چیز تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے جس کے لئے آنحضرت کو بلایا گیا تھا۔ قرآن کی سترھویں سورۃ میں آپ کو یہ تفصیل مل سکتی ہے اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ میں مکہ کے لوگوں کو آخری نوٹس دیا گیا کہ اگر تمہاری سختیوں کی وجہ سے خدا کا پیغمبر جلا وطنی پر مجبور ہوا تو مکہ میں تم کو چند سال سے زیادہ رہنے کا موقع نہ مل سکے گا۔[۱] اور بنی اسرائیل کو جن سے عنقریب مدینہ میں پیغمبر سے براہِ راست سابقہ پیش آنا تھا خبردار کیا گیا کہ تم اپنی تاریخ میں دو زبردست ٹھوکریں کھا چکے ہو اور دو قیمتی موقعے کھو چکے ہو اب تم کو تیسرا موقع ملنے والا ہے اور یہ آخری موقع ہے۔[۲]

دوسرے حصے میں وہ بنیادی اصول بتائے گئے جن پر انسانی تمدن و اخلاق کی تعمیر ہونی چاہئیے یہ چودہ اصول ہیں۔[۳]

(۱) صرف اللہ کی بندگی کی جائے اور اقتدار اعلیٰ میں اس کے

---

[۱] وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منہا واذا لا یلبثون خلفک قلیلا۔

[۲] وقضینا الیٰ بنی اسرائیل ..... الیٰ قولہ عسیٰ ربکم ان یرحمکم (بنی اسرائیل ۱۔)

[۳] سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۳۔۴۔

ساتھ کسی کی شرکت تسلیم نہ کی جائے۔

(۲) تمدن میں خاندان کی اہمیت ملحوظ رکھی جائے۔ اولاد والدین کی فرماں بردار خدمت گزار رہو اور رشتہ دار ایک دوسرے کے ہمدرد و مددگار رہوں۔

(۳) سوسائٹی میں جو لوگ غریب یا معذور ہوں یا اپنے وطن سے باہر مدد کے محتاج ہوں وہ بے وسیلہ نہ چھوڑ دیئے جائیں۔

(۴) دولت کو فضول ضائع نہ کیا جائے جو مالدار اپنے روپے کو بُرے طریقے سے خرچ کرتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں۔

(۵) لوگ اپنے خرچ کو اعتدال پر رکھیں، نہ بخل کر کے دولت کو روکیں اور نہ فضول خرچی کر کے اپنے لئے اور دوسروں کے لئے مشکلات پیدا کریں۔

(۶) رزق کی تقسیم کا قدرتی انتظام جو خدا نے کیا ہے انسان اس میں اپنے مصنوعی طریقوں سے خلل نہ ڈالے۔ خدا اپنے انتظام کی مصلحتوں کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔

(۷) معاشی مشکلات کے خوف سے لوگ اپنی نسل کی افزائش نہ روکیں جس طرح موجودہ نسلوں کے رزق کا انتظام خدا نے کیا ہے آنے والی نسلوں کے لئے بھی وہی انتظام کرے گا۔

(۸) خواہش نفس کو پورا کرنے کے لئے زنا کا راستہ بُرا راستہ ہے لہذا نہ صرف زنا سے پرہیز کیا جائے بلکہ اس کے قریب جانے والے

اسباب کا دروازہ بھی بند ہونا چاہیئے۔

(۹) انسانی جان کی حرمت خدا نے قائم کی ہے، لہذا خدا کے مقرر کردہ قانون کے سوا کسی دوسری بنیاد پر آدمی کا خون نہ بہایا جائے نہ کوئی اپنی جان دے نہ دوسرے کی جان لے۔

(۱۰) یتیموں کے مال کی حفاظت کی جائے جب تک وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ ہوں، ان کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔

(۱۱) عہد و پیمان کو پورا کیا جائے۔ انسان اپنے معاہدات کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

(۱۲) تجارتی معاملات میں ناپ تول ٹھیک راستی پر ہونی چاہیئے اوزان اور پیمانے صحیح رکھے جائیں۔

(۱۳) جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کرو۔ وہم اور گمان پر نہ چلو کیونکہ آدمی کو اپنی تمام قوتوں کے متعلق خدا کے سامنے جوابدہی کرنی ہے کہ اس نے انھیں کس طرح استعمال کیا۔

(۱۴) نخوت اور تکبر کے ساتھ نہ چلو، غرور کی چال سے نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ پہاڑوں سے اونچے ہو سکتے ہو۔

یہ چودہ اصول جو معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے تھے ان کی حیثیت صرف اخلاقی تعلیمات ہی کی نہ تھی۔ بلکہ یہ وہ پروگرام تھا جس پر آپ کو آئندہ سوسائٹی کی تعمیر کرنی تھی۔ یہ ہدایات اس وقت دی گئی تھیں

جب آپ کی تحریک عنقریب تبلیغ کے مرحلہ سے گزر کر حکومت اور سیاسی اقتدار کے مرحلہ میں قدم رکھنے والی تھی لہذا یہ گویا ایک مینی فسٹو تھا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ خدا کا پیغمبر ان اصولوں پر تمدن کا نظام قائم کرے گا اسی لئے معراج میں یہ چودہ نکات مقرر کرنے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے تمام پیروان اسلام کے لئے پانچ وقت کی نماز فرض کی تاکہ جو لوگ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اٹھیں ان میں اخلاقی انضباط پیدا ہو اور وہ خدا سے غافل نہ ہونے پائیں ہر روز پانچ مرتبہ ان کے ذہن میں یہ بات تازہ ہوتی رہے کہ وہ خود مختار نہیں ہیں بلکہ ان کا حاکم اعلیٰ خدا ہے جس کو انھیں اپنے کام کا حساب دینا ہے۔

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

از قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری مصنف "رحمۃ للعالمین"

ساتوں آسمانوں پر آٹھوں انبیاء کی ملاقات کا راز

معراج میں مختلف آسمانوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی الگ الگ انبیاء علیہم السلام سے ملاقات بہت سی دینی نصائح پر مشتمل ہے۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح شاہانِ عالم معزز مہمان کے اکرام کے لئے اپنی سرحد خاص سے لے کر دربار خاص تک درجہ بدرجہ امرائے عظام کو مقرر کیا کرتے ہیں اسی طرح ان انبیاء کرام کا تعین بھی آسمان اول سے آسمانِ ہفتم تک کیا گیا۔

(۲) آدم علیہ السلام اول البشر ہیں، اول الانبیاء ہیں اس لئے ان کا تعلق آسمانِ اول سے ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ آدم علیہ السلام ہیں جن کو ترک جنت کا الم اٹھانا پڑا۔ مگر جب زمین پر آئے خلافۃ الارض کا تاج ان کے

سر پر رکھا گیا اور ان کی اولاد و رفقاء سے زمین آباد ہو گئی۔ تب ان کا وہ الم مبدل بہ سرور ہو گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی "احب البلاد عند اللہ" کو ترک کرنے والے تھے لیکن اقامت مدینہ طیبہ اشاعتِ اسلام اور نشرِ علوم کا سبب تھی یہیں سے نصرت و فتح کے اعلام بلند ہوئے اور یہی بلدہ طیبہ حضور کے خلفاءٔ کا مستقر بھی ثابت ہوا۔

(۳) یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام میں قرابت بھی ہے۔ مسیحؑ نے اصطباغ بھی یحییٰ علیہ السلام سے پایا تھا۔ احوال زہد و محنت میں بھی متحد الاحوال ہیں اس لئے وہ دونوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد و توکل اور اعراض عن الخلق و مستقبل کا دکھلانا بھی مقصود تھا۔ یحییٰ علیہ السلام نے اپنا کام عیسیٰ مسیح پر چھوڑا تھا اور عیسیٰ مسیح نے اکمال صداقت اور اتمام حقانیت کا حضور کے ہاتھوں سے پورا ہونا بتلایا تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ دونوں بزرگوار اپنی بہترین تمناؤں کو مکمل شدہ حالت میں دیکھ لیتے۔

(۴) یوسف علیہ السلام کے احوال مبارکہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مماثلت کلی ہے دونوں صاحب الجمال والکمال ہیں۔ دونوں کو امتحانات دینے پڑے دونوں میں عفو و کرم کا وفور ہے۔ دونوں نے اخوان جفا پیشہ کو "لا تثریب علیکم الیوم" کے مژدہ سے جاں بخشی فرمائی ہے۔ دونوں صاحب امر و حکومت ہیں اور دنیا سے پوری کامرانی و حکمرانی اور جاہ و جلال کے ساتھ رخصت ہوئے۔

(۵) چوتھے فلک پر ادریس علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ کثرتِ درس اور توغل تعلیم اور شغف تدریس میں ادریس علیہ السلام کا خاص درجہ ہے اور یہی کیفیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ حضور ہی کے القاب گرامی میں داخل ہے۔

(۶) پانچویں پر ہارونؑ ملے۔ ہارون علیہ السلام اپنی قوم وامت میں ہر دلعزیز اور محبوب قلوب تھے۔ ہارون علیہ السلام مسجد کے امام تھے۔ ہارون علیہ السلام تفرقہ وفرقہ بازی کو سب سے برا سمجھتے تھے اور یہ وہ صفات عالیہ ہیں جن کے انوار حضور کی سیرت سے واضح اور آشکار ہیں۔

(۷) چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ کی ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب شریعت بھی ہیں صاحب کتاب ہیں، غازی، و مجاہد ہیں، مہاجر اور مناظر بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان محاسن میں مشابہ تر ہیں ان کا رتبہ ان مجموعی محاسن کی وجہ سے پانچوں آسمانوں والے انبیاء سے بڑھ کر امتیاز رکھتا ہے۔

(۸) ساتویں آسمان پر سیدنا ابراہیم صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم نظر آئے یہی بانی کعبہ مقدسہ ہیں اور یہی کعبۂ آسمانی (بیت المعمور) کے مہتمم ہیں یہی امام خلق ہیں، خلیل الرحمٰن ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو ارجاسِ اوثان سے پاک کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لئے کعبہ کو قبلۂ نماز بنایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملت حنیفہ کو

زندہ کیا مناسک کو سنت ابراہیمیہ کے مطابق محکم فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے درود پاک میں اپنے نام کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پاک کے نام کو شامل فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ کے لحاظ سے بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نہایت مماثل تھے۔

جو رفعت حضور کو مقام ابراہیم (بیت المعمور) سے اوپر حاصل ہوئی اسی سے ظاہر ہو گیا کہ حضور ہی مقام محمود والے ہیں۔ اور حضور ہی آدم و من دونہ تحت لوائی۔ فرمانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔

قرآن کریم اور معراج شریف

قرآن کریم نے واقعہ معراج کو دو سورتوں میں ذکر فرمایا ہے۔

اول سورۂ بنی اسرائیل جس کے آغاز ہی میں یہ آیات ہیں -

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر۔ کلمہ "سبحان" تنزیہ کے لئے آتا ہے۔ اور شروع کلام میں اس لئے لایا گیا ہے کہ جن واقعات ما بعد کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ اللہ کی قدرت اور طاقت اس کو ظہور میں لانے سے عاجز و درماندہ نہیں۔ "لیلاً" کی تنوین رات کی مقدار قلیل کو ظاہر کرتی ہے۔ "بارکنا حولہ" اسی مقام کے قرب و جوار میں اشجار مثمرہ اور انہار جاریہ اور شجرۂ مبارکہ (زیتون کی کثرت ہے) اسی کا حوالی انبیاء کثیر کا مہبط وحی اور معجزات باہرات کا مصداق

رہا ہے۔ "من آیاتنا" سے مراد وہ نشانات ارضی بھی ہیں جو بنی اسرائیل کے اقبال وادبار اور شرف وذلت کی زندہ زبان ہیں اور وہ نشانات عظمیٰ بھی اسی لفظ میں شامل ہیں جو حضور نے مسجد سے عروج کے بعد ملکوۃ السمٰوات والارض میں ملاحظہ فرمائیے۔

دوم سورۂ النجم میں ذکر ہے۔ مندرجہ ذیل آیات پر تدبر کرو۔

(الف) لقد رأیٰ من اٰیات ربه الکبریٰ" اس نے اپنے رب کی اُن آیات کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں "کبریٰ" بزرگ ترین ہونے کی صفت سے موصوف ہیں۔

اس کے تحت میں جبریل کا بصورت اصلی یا سدرۃ المنتہیٰ اور اس پر چھا جانے والے انوار قدسیہ کا بصورتِ تجلّی۔ یا جنت ونار کا بہیئت موجودہ یا عجائبات ملکوت کا تفصیلی معائنہ کچھ بھی کہہ دیا جائے۔ لیکن یہ سب کے سب اپنی مجموعی شان میں بھی لفظ "کبریٰ" کے سامنے کم ہی ہوں گے۔ اس لئے ان کا حصر وتعقل دشوار ہے۔

(ب) "ما زاغ البصر وما طغیٰ" اس آیۃ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق دید کا بھی بیان ہے اور مراعات حسن وادب کا بھی ذکر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبات ووقار اور تحمل واستعداد رویت کا بھی تذکرہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے حال میں فرمایا گیا ہے "فلما تجلی ربه للجبل جعله دکّا وخرّ موسیٰ صعقا" (جب اللہ تعالیٰ نے

پہاڑ پر تجلی ڈالی۔ تب پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ موسیٰؑ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے) سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوب آنکھیں بھر کر اُن انوار کو دیکھ رہے ہیں مشتاق آنکھ نہ جھپکتی ہے اور نہ اِدھر اُدھر تاکتی ہے۔ قوت ربانیہ متوجہ نمائش ہے۔ اور بصارت محمدیہ کمال قوت نظارہ کے ساتھ وقفِ دید۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(ج) وما کذب الفواد ما رای" (جو آنکھوں نے دیکھا دل نے اسے نہیں جھٹلایا) بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ روشن صاف آنکھیں ایک شئے کو دیکھتی ہیں اور دل آنکھ کی دیکھی ہوئی حالت کو جھٹلاتا ہے مثلاً ہم ہر صبح کو دیکھتے ہیں کہ سورج ایک زرین طشت کی صورت میں مشرق سے نمودار ہوتا ہے۔ اس کا قدوقامت اس وقت اتنا چھوٹا نظر آتا ہے کہ کرۂ ارض سے کروڑوں حصے کم ہوگا۔ لیکن دل کہہ دیتا ہے کہ ایسا سمجھنا آنکھ کی غلطی ہے یہ تو زمین کے کروڑوں حصے بڑا ہے اور یقیناً بڑا ہے۔

ہم پانی میں گری ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ابھری ہوئی نظر آتی ہیں حالانکہ آنکھ کا اسے ایسا دیکھنا غلط ہوتا ہے۔

ہم سورج کی روشنی دیکھ کر اُسے صرف ایک صاف، سفید، روشنی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دل بتلاتا ہے کہ اس روشنی میں سات رنگوں کا اجتماع ہے۔

جب دیدہ و دل میں ایسا اختلاف پایا جاتا ہے تب یہ سمجھنا کہ آنکھ حقیقت اصلیہ کو دیکھ رہی ہے غلط ہوتا ہے۔ لیکن جب حقائق کی

اصلیت اور انکشافات کی حقیقت پر دل و دیدہ کا یقین اور وثوق اور اعتبار مجتمع ہوجائے، تو شک نہیں کہ یہ نظارہ بصیرت افروز اور بصارت افزا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہی مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نظارۂ پاک کو جملہ ظنون اور شکوک سے برتر اور جملہ صداقتوں اور حقیقتوں پر حاوی یقین کرنا چاہیئے۔

(د) "فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى" (پھر اپنے بندہ پر جو وحی بھی بھیجنی تھی وہ بھیجی) آیاتِ بالا میں دیدۂ و دل کی کیفیات کا ذکر تھا۔ اس آیت میں گوش و دل کے حقائق کا ذکر ہے۔ مَاۤ اَوْحٰى کا لفظ اجمال کے لئے نہیں بلکہ تفخیم کے لئے ہے۔ اس سے تفخیم وحی میں مقصود ہے اور یوحیٰ الیہ کی تعظیم بھی اور ان کی عظمتِ اصلیہ تو لفظِ عبد میں پنہاں ہے۔ پنہاں بھی ہے اور عیاں بھی۔

کچھ شک نہیں کہ واقعہ معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات اعلیٰ سے ایک برترین مقام ہے اور اس واقعہ کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں بھی اور سورۂ النجم میں بھی لفظ عبد ہی کا استعمال فرمایا ہے تاکہ مخلوقِ الٰہی خوب سمجھ لیں اور اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ اس مقدس ہستی کے لئے بھی جس کی شان ؎

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

سے آشکارا ہے۔ سب سے بلند ترین مقام عبودیت ہی کا ہے اور ہم سب کو اسی مقام عبودیت میں ارتقاء (بہ قدر قابلیت و استعداد)

کی ہدایت فرمائی گئی ہے فاعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔
بیشک "الصلوٰۃ معراج المومنین" کے معانی بھی اسی نکتہ سے حل ہوتے ہیں
اظہار عبودیت و بیان عجز وافتقار اور تشکل بندگی و ابتہال کے لئے نماز
سے بڑھ کر اور کوئی صورت متحقق نہیں۔

بیداری و خواب کی بحث

بعض علماء کو آیت "وما جعلنا الرویا التی اریناک الافتنۃ للناس"
سے یہ خیال ہوا ہے کہ اس آیۃ کا اشارہ معراج کی طرف ہے اور چونکہ
اسے رویاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لہذا معراج کے واقعات خواب میں
نظر آئے تھے۔

ان اشکال کو امام لغت ابن دحیہ نے حل کر دیا ہے کہ رویت و
رویاء کا استعمال بمعنیٰ واحد ہوتا ہے۔ اہل لغت کا قول ہے رائت
رویۃً و رویاءً قربۃً و قربیٰ ہے۔ اب یہ وہم اٹھ گیا کہ رویا صرف خواب
ہی کے لئے مستعمل ہے۔

زمخشری نے جو ائمہ لغت و معانی و بیان میں سے ہیں اپنی تفسیر کشاف
جلد دوم ص ۱۹۱ پر آیت بالا کے تحت میں لکھا ہے کہ اس رویاء کا تعلق واقعہ
بدر سے ہے جبکہ حضور نے ہر ایک کافر کے گرنے کا نشان و مقام بھی
بتلا دیا تھا اور کفار حضور کے اس ارشاد کو استہزا ہی بتاتے رہے۔ بعد ازاں
لفظ "قیل" کے ساتھ اس نے یہ بیان کیا ہے انما سماھا رویاء علی قول
المکذبین حیث قالوا انہ لعلھا رویا رویاء اینھا وخیال

خیل ا لیک لفظ "رویا" کا استعمال مکذبین کے استعمال کے موافق ہے وہ معراج کا حال سن سن کر کہتے تھے کہ شاید خواب دیکھا ہوگا۔ شاید خیال ہوگا۔

اس کی مثال ان آیات میں ہے۔ فراغ الهتم۔ اینّ شرکائی ذُق انک انت العزیز الکریم۔

اب محدثین کی سنیئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں آیۃ وما جعلنا الرویۃ التی اریناک الا فتنۃ للناس کے تحت میں بروایت عکرمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ الفاظ تحریر کئے ہیں ھی رویاء عین اریھا رسول اللہ لیلۃ اسری بہ (یہ آنکھ کا نظارہ تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شب اسریٰ کو دکھایا گیا) ابن عباس رضی اللہ عنہ بہتر امت محمدیہ اور (بدعائے رسول پاک) بہترین مفسر قرآن ہیں اور اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ وہ لغت و ادب کے بھی ائمہ عظام میں سے ہیں۔

میرا ایمان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج بیداری اور جسم کے ساتھ تھا یہی اعتقاد اکثر ائمہ اہل السنت، محدثین و فقہا، تابعین و صحابہ کا ہے جو لوگ ایسے واضح ثبوت کے بعد بھی معراج کو خواب ہی سمجھا کریں وہ حدیث ذیل پر ذرا غور کریں۔

عن الشیخان عن جابر بن عبد قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما کذبتنی قریش حین اسری بی الی بیت المقدس قمت فی الحجر فجعل اللہ لی بیت المقدس فطفقت اخبرھم عن آیاتہ وانا انظر الیہ۔ (صحیح بخاری ومسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے

روایت ہے کہ جب کفار نے میرے بیت المقدس جانے کو جھٹلایا اور نشانات پوچھنے لگے) تب میں حطیم میں کھڑا ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا۔ میں عمارت کو دیکھتا جاتا تھا اور جو نشانات وہ پوچھتے تھے میں ان کو بتاتا جاتا تھا) یہ ظاہر ہے کہ اگر حضور نے واقعات معراج کو خواب کے رنگ میں بیان کیا ہوتا تو کفار بیت المقدس کے نشان، پتے دریافت کرنے کا کیا حق رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھی کیا ضرورت تھی کہ بیت المقدس کو حضور کے سامنے جلوہ گر کر دے اور حضور اسے دیکھ دیکھکر سب نشانات کے جوابات بھی دیتے رہیں۔

خواب کے لئے تو اتنا ہی جواب کافی تھا کہ میں تو اپنا خواب بیان کر رہا ہوں۔

پاک ذات ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو آیات کبریٰ دکھلائیں اور وراء الوراء کی سیر کرائی ؎

طے کنم ایں نامہ را گر نکنم چوں نہ کنم
حوصلۂ خامہ نیست تاب رقم داشتن

—+—

شب برأت

از مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

نشریہ، لکھنؤ، ریڈیو اسٹیشن، ۱۴ شعبان، ۷۔ دسمبر ۴۶ء

بات آج کی نہیں کوئی ۳۵-۳۶ سال اُدھر کی۔ جاڑوں کا زمانہ اور چاند کا یہی مہینہ، یہی راتیں اور یہی تاریخیں، ۱۰، ۱۱ سال کا ایک لڑکا شب برأت منا رہا ہے، اور گرد حالی موالی جمع، آتشبازی ٹوکروں میں جمی ہوئی، کچھ چھٹ رہی ہے، کچھ رکھی ہوئی ہے؛ ادھر چھچھوندر اور انار اُدھر مہتابی کی بہار اتنے میں خدا جانے کیا بجوگ پڑتا ہے چراغ کا گُل آتشبازی کے ٹوکرے پر گرتا ہے یا کیا، کہ یک بہ یک سارے ذخیرہ نے بھک سے آگ پکڑ ہی تو لی، کوئی چیخا کوئی بھاگا، اور قریب تھا کہ ہنسی کھیل کا تماشا درد و غم کا حادثہ بن جائے۔ تو نہ آگ کا کھیل بھی کوئی کھیل ہے ہمارے آ ہی گئی ایک پانچ برس کے غریب لڑکے پر ہوئی۔ خوب جلا جھلسا، بھلسا مہینوں مرہم پٹی ہوئی جب کہیں جا کر دوبارہ زندگی پائی۔

جنگ بیتی نہ تھی، آپ بیتی تھی، اس وقت کا آتشباز لڑکا اس وقت بیان و تقریر کی پھلجھڑی چھوڑنے حاضر ہے! ہول ایسا اس گھڑی سے دل میں سمایا کہ پھر کبھی آگ اور دھوئیں کا سوانگ ہی نہ رچایا۔ آنکھوں دیکھے نہ سہی کانوں سنے واقعات، ایسے بلکہ اس سے بڑھ بڑھ کر واقعات آپ کے علم میں بھی بار بار آچکے ہوں گے، اخباروں میں تو کوئی سال ناغہ ہوتا نہیں جو یہ خبریں نہ چھپتی ہوں کہ اب کی شب برات میں فلاں شہر میں بچے اتنے جلے بوڑھے اتنے مرے۔

تو ایک شبِ برات تو یہ ہوئی کہ رات بھر روپیہ خوب پھونکا، اڑایا ہوا میں خوب بدبو پھیلائی، پوٹاس کی میٹنسل کی، بارود کی، نہ خود سوئے نہ کسی کو سونے دیا۔ دھنا دھن، پھٹا پھٹ سے محلہ والوں کی نیند حرام کر دی بیماروں اور ان کے تیمارداروں کی زبان سے خوب خوب کوسنے حاصل کئے اور روپیہ جو کہیں قرض کا ہوا جب تو سچ مچ گھر پھونک تماشہ دیکھا، پھر ایک ہی رات نہیں آتشبازی (ٹھیٹھ ہندوستانی ترجمہ "آگ کا کھیل") کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کئی دن پہلے سے اور جاری رہتا ہے کئی دن بعد تک! ہندوستان کے لق و دق ملک کے ایک ایک شہر اور ایک ایک قصبہ اور ایک ایک گاؤں میں ہر سال جتنا روپیہ اس ایک مد میں اٹھتا ہے۔ پھنکتا ہے۔ دھواں بن کر اڑتا ہے۔ سب کی میزان کوئی لگانے بیٹھے تو عقل چرخ ہو جائے۔

آتشبازیوں کا اصلی وقت رات کا ہوتا ہے۔ لیکن حلوے کی

تیاریاں دن ہی سے پوری طرح شروع ہو جاتی ہیں۔ میدہ آرہا ہے سوجی آرہی ہے، چنے کی دال پس رہی ہے، شکر کی بوریاں چلی آرہی ہیں، کہیں خود گھروالیوں اور کہیں ماماؤں، اصیلوں کی جوتیوں کی سٹ سٹ: دیگچوں میں کفگیر کی کھن کھن، ہر گھر میں ایک عجیب چہل پہل، بڑے اور چھوٹے سب مگن۔ بچے کود رہے ہیں، دوڑ رہے ہیں، زقند بھر رہے ہیں۔ عورتیں نہال ہوئی جا رہی ہیں۔ شب برات گویا واقعی بارات کی رات شام کو "نیاز" ہوگی اور "خوش عقیدگی" کی دنیا میں مردوں کی روحیں آئیں گی، جب نام آگیا، فاتحہ درود کا ثواب کس کے منہ میں زبان ہے جو حرف گیری پر کھلے اور اپنے لئے خطابات حاصل کرے، وہابی کے، مردود کے؟ لیجئے شام ہوگئی اور میٹھا تیار ہو گیا، کہیں خشک اور کہیں تر ساتھ ساتھ "توشہ کی روٹیاں بھی حاضر، تنوری یا خمیری، اور کھانے پینے گھروں میں شیرمال بھی! قسمت جاگ گئی، تکیہ داروں کی، نصیبے کھل گئے تکیہ داروں کے!

حلوے کی قتلیاں کٹنے لگیں، قلاقند کے لوزیا برفیوں کی شکل میں ڈھلنے لگیں، سینیوں میں طباقوں میں، خوانوں میں جمنے لگیں ناریل کے لچھے کترے ہوئے پستہ کی ہوائیاں پڑی ہوئی، بادام کشمش طرح طرح کے میوے، کیوڑہ کی خوشبو دماغ مہکائے ہوئے، چاندی کے ورق چھپاتے ہوئے فاتحہ کا ثواب سیدالشہداء حضرت امیر حمزہؓ کی روح کو، خدا معلوم کس طبع زاد تاریخ اور خانہ ساز تحقیق کے مطابق آج ۱۴۔ شعبان کو فرض کر کے بخشا گیا۔ اور پھر گھر کے سارے مردوں کو۔ نام ایک ایک کا یاد کر کرکے، حافظہ پر زور ڈال

ڈال کر لئے گئے۔ اس کے بعد حصے تقسیم ہونے شروع ہوئے۔ عزیزوں دوستوں عملہ والوں، برادری والوں، گھر کے خدمتیوں، چاکروں، سب میں، اور گھر کے لڑکے اس سے پہلے ہی کچھ نوچ کھسوٹ لے بھاگے۔ حصہ باہر سے آرہا ہے، حصہ اندر سے جا رہا ہے، نائیوں اور نائنوں کی بن آئی ہے۔ سر پر خوان اور خوان میں حصے گھروں میں اور سڑکوں میں آمد و رفت، بازاروں میں رونق، حلوائیوں اور نانبائیوں کی دوکانوں پر ہجوم، آدھی رات تک! دن عید اور رات شب برات "آخر کہتے کسے ہیں! عجب نہیں جو یہی چہل پہل دیکھ، نواب مرزا شوق غریب شب برات کو شب عیش کے معنی میں سمجھ بیٹھے اور نہ جبھی تو ایک راز و نیاز کے موقع پر یہ مصرعہ فرما گئے۔

سمجھو اس کو شب برات کی رات

غرض دوسری قسم شب برات کی یہ ہوئی، پہلی کا نام اگر رکھیے شیطانی تو دوسری کو کہیے نفسانی اور تیسری کے لئے گرہ لگائیے اسی ردیف و قافیہ میں روحانی۔

خشک سیدھے سادھے لوگ بڑے کھرے مسلمان ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کا دین و شریعت اُن کا ایمان۔ ان بیچاروں کے ہاں نہ یہ نہ وہ، نہ آتشبازی نہ ٹیم ٹام، نہ حلوے توشہ کی دھوم دھام، چاند نظر آیا شعبان کا، کہ دھیان بندھ گیا رمضان کا۔ اب ہر وقت روزوں کی فکر و اہتمام ماہِ مبارک ہی کی پیشوائی کا انتظام، اور جو ہمت یاوری کر گئی تو اسی مہینہ سے روزہ رکھنے شروع کر دیئے کہ ہمارے آقا رسول اللہ صلعم کا دستور یہی تھا

خدمت میں رہنے والے صحابیوں کا بیان ہے کہ روزے تو آپ جب تب رکھا ہی کرتے تھے لیکن شعبان تو کہنا چاہیے کہ روزوں ہی کی نذر ہو جاتا تھا اور خود اس سرور و سردار نے فرمایا بھی تو ہے کہ رمضان میرے اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان خود میرا مہینہ، رمضان کا مہینہ تو ظاہر ہے لیکن کیا کہنے ہیں اس مہینے کے بھی جسے اللہ کے رسول اپنا مہینہ فرمائیں۔

خیر یہ سارے مہینہ کے روزے رکھ ڈالنا تو ہمت وروں کا کام ہے باقی اتنی ہمت نہ ہوئی جب بھی مہینہ میں کم از کم ایک روزہ پندرہ شعبان کو تو رکھ ہی لیا، چودہ کا دن ختم ہوا اور پندرھویں شب آئی کہ مصلی دعاء و عبادت کا بچھا کر بیٹھ گئے۔ خواہ مسجد میں خواہ گھر میں آج کی رات برکت والی رحمت والی مغفرت والی رات ہے، شریعت کی زبان میں لیلۃ البرات ہے اور برات کے معنیٰ نجات کے قید سے چھوٹنے کے عذاب سے آزاد ہونے کے ہیں۔ لطف و نوازش کی دولت لٹتی ہر رات کو ہے آج اور زیادہ لٹے گی۔ رحمتوں کا نزول ہوتا ہر رات کو ہے آج اور زیادہ رہے گا۔ مانگنے والے آج خوب خوب مانگیں گے پانے والے آج خوب خوب پائیں گے نمازیں پڑھتے تو ہر رات کو تھے آج اور زیادہ پڑھیں گے۔ نفلوں کی تعداد آج معمول سے بڑھا دیں گے رات کے زیادہ سے زیادہ حصے جاگ کر بسر کریں گے، نیند اڑائیں گے داستانیں سن سن کر نہیں، ناٹک، سوانگ، اپیرا دیکھ کر نہیں گلے کی تانوں اور باجے کی الاپوں میں گم ہو ہو کر نہیں، نمازیں پڑھیں گے، قرآن مجید کی تلاوت کریں گے، دعائیں مانگیں گے

اپنے لئے بھی دوسروں کے لئے بھی۔ زندوں کے لئے بھی مردوں کے لئے بھی۔
عشاء کے بعد گشت کو نکل جائیں گے، گشت بازاروں کا تماشا گاہوں کا
سیر و تفریح کی دوکانوں کا نہ ہوگا، قبرستانوں کا ہوگا، جی ہاں، آدھی رات
کے سناٹے میں ویران اور سنسان قبرستانوں کا ہوگا، ہم سب کی
مائی عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ پندرھویں تاریخ شب میں میری آنکھ کھلی تو
کیا دیکھتی ہوں کہ میرے اور سب کے والی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اٹھ رہے ہیں، آہستہ آہستہ کہ جاگ نہ پڑوں آہستہ چلے، آہستہ کیواڑ
کھول باہر قدم مبارک رکھے آہستہ مجھے حیرانی ہوئی اور بدگمانی بھی
کہ کہیں کسی دوسری بیوی صاحبہ کے ہاں کا تو ارادہ نہیں ہے۔ چپکے
سے اٹھ دبے پاؤں پیچھے ہولی آپ آگے آگے آپ کے پیچھے پیچھے میں
دیکھتی ہوں کہ آپ شہر کے باہر مدینہ کے مشہور قبرستان بقیع میں پہنچے اور
کھڑے ہو کر لگے میتوں کے حق میں التجائیں کرنے۔

اللہ اللہ ساری خلقت نیند کے مزے لے رہی ہے اور ایک اللہ کا
بندہ بے نظیر بے مثال اپنا چین چھوڑے نیند سے منہ موڑے خالق
کے حضور میں کھڑا مصروف ہے دعاؤں میں التجاؤں میں مناجاتوں میں
اپنے آقا و سردار کے، اسی طریقہ کی پیروی میں سیدھے سادھے مسلمان
بھی آج رات کو نرم نرم بستروں کو چھوڑ کر نیند کے مزے سے منہ موڑ کر
اپنے اپنے گھروں سے باہر نکلیں گے یار دوستوں کے چہچہوں کے لئے نہیں
غفلت کے قہقہوں کے لئے نہیں، عبرت کے آنسوؤں کے لئے آہوں کیلئے

دعاؤں کے لئے اس وقت کے سماں کا کیا کہنا۔ وہ پندرھویں کے پورے چاند کا نکھار، گویا آسمان سے زمین تک بارشِ انوار! وہ قبرستانوں کا سناٹا وہ دلوں میں عبدیت کا احساس وہ زندوں کا مردوں کے حق میں دعائیں کرنا لجاجت کے ساتھ منت وسماجت کے ساتھ، منظر اس سے بھی بڑھ کر مؤثر اور کونسا ہوگا، تعلق سننے سے نہیں دیکھنے سے ہے اور دیکھنے سے بھی بڑھ کر خود عمل کرنے سے ہے۔

بندہ نوازی کی بندہ نوازی جوش میں اب بھی نہ آئے گی تو کب آئیگی مانگنے والے اب کون بتائے کیا کیا پاتے ہیں، واپسی میں کیا کیا لاتے ہیں، گھر آئے تو کسی نے برائے نام سحری کھائی اور کسی نے یونہی ذری کی ذری کمر سیدھی کر لی فجر میں اب دیر ہی کتنی اور تہجد بھلا آج کیوں ناغہ ہونے لگے صبح ہوگئی، اور آج دن میں روزہ ہے، خبر دی ہے اس مخبر صادق نے جو ہم سب سے کہیں زیادہ علم والا تھا کہ آج آسمان دنیا پر گو سال تمام کا دن ہوتا ہے ہر شخص کا (چٹھا) کٹ جاتا ہے اوس کی موت زندگی، بیماری تندرستی، تنگی وخوشحالی، غم وشادمانی سب کا حساب سال بھر کے لئے آج ہی فرشتوں کے رجسٹر میں درج ہو جاتا ہے۔ مبارک ہے وہ بندہ جس کا نام ایسے وقت رجسٹر میں درج ہو کہ وہ مالک کی چاکری میں کمربستہ پایا جائے دن ہو تو روزہ اور رات ہو تو تہجد گزار خوش نصیب ہے وہ ملت جس کا ایک ایک فرد آج اپنے نفس کی اصلاح واحتساب کا سالانہ پروگرام بنا رہے، بدی کی مخالفت کا، نیکی کی متابعت کا بیڑا اٹھائے۔ رمضان کے فرض روزوں کے

بعد پھر جن تاریخوں کے روزہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص اہتمام تھا انھیں میں سے ایک یہ روزہ پندرھویں شعبان کا ہے، پس یہ ہے کل کائنات مذہبی حیثیت سے شبرات کی، نہ تجگا نہ سینما، کارنیول نہ ڈراما نوبت نہ روشن چوکی، آتش بازی نہ حلوہ سازی، ناچ نہ رنگ، نہ شرابیوں جواریوں کے ڈھنگ، رات کی عبادت اور دن کا روزہ۔ بس اللہ اللہ خیر صلاح!

یومِ فتح مکہ

تاریخ عالم میں اس کی اہمیت

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ)

ٹھیک ایسے وقت میں جب "دارسا" کی فتح کا نقشہ بنی آدم کے سامنے کھینچا گیا ہو اور تمدن و تہذیب علم و حکمت کے مدعیوں کی جانب سے کھینچا گیا ہے اور بھی مختلف اقوام کی جانب سے فاتحانہ ارادوں کی نمائش دنیا میں ہونیوالی ہے "فتح" کے متعلق بھی اس لاہوتی ہستی کا "اسوہ" اور "نمونہ" پیش کر دیا جائے جس کی زندگی ہر اس شخص کے لئے اپنے اندر نمونہ رکھتی ہے، جو قدرت کے بنائے ہوئے نمونہ پر اپنی زندگی کے لباس کو تراشنا چاہتا ہو، اسی سلسلہ میں کاش حسب ذیل عنوانوں پر آپ مختلف لوگوں سے مقالے تیار کرانے کا سامان کراتے تو انسانیت کی خصوصاً اس عہد تاریک میں بڑی خدمت ہوتی۔

(۱) اس وقت تک دنیا کے عاصمات (پایہ تختوں) کی فتح کے متعلق جو تاریخی مواد ملتا ہے ان کو ترتیب کے ساتھ پہلے جمع کیا جائے، رومیوں، یونانیوں

تاتاریوں کے بعد بالآخر جس زمانہ سے یاجوجیوں اور ماجوجیوں کو کھولا گیا ہے، اب تک فتوحات کی جو ایک طویل تاریخ مرتب ہو چکی ہے، ان کو پیش کرنے کے بعد پھر اس فتح کے حالات پیش کئے جائیں جس کا ایک ایک جزو گزشتہ اور آئندہ فتوحات کے مفاسد کی اصلاح کا آخری سرمایہ ہے جسے خوش نصیبوں کے لئے قدرت کے ہاتھوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں محفوظ فرما دیا ہے۔

(۲) ہر فتح کی اہمیت اس مقام کی اہمیت سے وابستہ ہے، جس پر فاتح قبضہ حاصل کرتا ہے، فرض کیجئے کہ ایک شخص ہندوستان کے کسی گاؤں پر قابو حاصل کرتا ہے، دوسرا کسی صوبہ کے مرکزی مقام کو اپنے زیر اقتدار لاتا ہے، تیسرا بجائے صوبہ کے سارے ہندوستان کے مرکزی پایہ تخت مثلاً دلی کو فتح کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ فتوحات کے اس سلسلہ میں درجہ کا تفاوت محض مقاموں کی اہمیت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس معیار پر دیکھنا چاہئیے کہ "فتح مکہ" کی کیا اہمیت ہے؟ کیا مکہ معظمہ جزیرہ نمائے عرب کے علاقہ حجاز کا صرف مرکزی شہر ہے؟ یا حجاز کا نہیں صرف سرزمین عرب کا وہ مرکزی مقام ہے؟ یا عرب سے آگے بڑھ کر کیا وہ صرف ایشیا یا شرقی ممالک کے ساتھ کوئی مرکزی تعلق رکھتا ہے؟ دوسروں پر تو یہ بات حجت نہیں ہو سکتی۔ لیکن جو قرآن پر ایمان لا چکے ہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دنیا میں جو علوم تقسیم ہوئے ان علوم کا سرچشمہ بجائے کسی بشری دل دماغ کے علام الغیوب، خلاق السموات والارض کی

ذات کو قرار دیتے ہیں؟ کیا اہلِ ایمان و ایقان کے اس گروہ کو اس میں شک کرنے کی گنجائش ہے کہ مکہ معظمہ صرف حجاز یا عرب یا ایشیا یا مشرق ہی کا نہیں بلکہ قرآن مجید کے صریح نصوص کی بنیاد پر، وہ معمورۂ زمین کے آباد علاقوں کا مرکزی مقام ہے، ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر قرآن میں اعلان کیا گیا ہے۔

واذ جعلنا البیت قیاما للناس وامنا۔ — اور دیکھو جب بنایا ہم نے اس گھر کو تمام انسانوں کے ٹھکانا اور امن و امان کے لئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا۔ — اور دیکھو جب بنایا ہم نے اس گھر کو سارے انسانوں کا "مثابہ" اور ان کے امن و امان کا ذریعہ۔

"مثابہ" پن گھٹ کے اس مقام کو کہتے ہیں جہاں سے پینے والے کو پانی پلایا جاتا ہے۔ ٹھیک جس طرح ہر ملک کا کیپٹل (پایۂ تخت) جس طرح اس ملک کے امن و امان نظم و انتظام کا ذریعہ ہوتا ہے یہی نسبت کعبہ کو روئے زمین کے تمام باشندوں سے ہے گویا کعبہ آسمانی حکومت کا پایۂ تخت ہے اور وہی بارگاہِ الٰہی ہے، دنیا کے مختلف علاقے گویا اسی پایۂ تخت کے صوبے یا اضلاع ہیں۔

اسی طرح تیسری جگہ

اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعلمین۔ — سب سے پہلا گھر جو سارے جہان کے انسانوں کے لئے بنایا گیا وہی گھر ہے جو "مکہ" میں ہے، برکتوں سے بھرا ہوا اور سارے جہان کی ہدایت کا ذریعہ۔

"معابد" کے سلسلہ میں بیت اللہ کی اولیت کے دعوے کے ساتھ یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ اس گھر سے ہدایت و رشد کا جو چشمہ ابلے گا اس کا تعلق صرف عرب یا ایشیا یا مشرق ہی سے نہیں، بلکہ عالمین سے ہوگا۔ چوتھی جگہ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کا قبلہ کعبہ کیوں مقرر ہوا حق تعالیٰ کا یہ فرمان

قل اللّٰہ المشرق والمغرب یھدی من کہو اکہ اللہ کا مشرق ہی ہے اور مغرب ہی،

یشاء الیٰ صراط المستقیم۔ سیدھی راہ جسے چاہتا ہے دکھاتا ہے۔

سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ قبلہ ان ہی لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے جو مشرق و مغرب کی خصوصیتوں سے آزاد ہوکر "مرکزی" راہ پر چلنے کے لئے پیدا کئے گئے اور اسی لئے اس کے بعد

وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا۔ اسی طرح ہم نے تمہیں (اے مسلمانو) بیچ والی امت بنایا

میں امت اسلامیہ کو بھی "امت وسط" یا مرکزی امت" کے خطاب سے سرفراز فرمایا گیا، اور اس خطاب سے مخاطب کرنے کے بعد ان کا فرض یہ مقرر کیا گیا۔

لتکونوا شھداء علی الناس (تاکہ تم اے مسلمانو! (صرف مشرقیوں یا مغربیوں ہی کی نہیں) بلکہ "الناس" سارے انسانوں، کی نگرانی کرو۔ اور مسلمانوں کی نگرانی کے لئے۔ ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ (اور رسول ہوں گے تمہارے نگران)

خود ذات اطہر صلی اللہ علیہ وسلم مقرر فرمائی گئی۔

کعبہ کی اس مرکزیت کا نتیجہ بتایا گیا کہ جو لوگ یعنی خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین جو مکہ سے نکالے گئے تھے، ان کو یہ بتایا گیا کہ

کعبہ" سے تعلق رکھنے والے جہاں کہیں بھی ہیں وہ کعبہ ہی میں ہیں۔ آخر دائرے کے جس حصے میں جو کھڑا ہوگا مرکز سے تو اس کی نسبت مساوات ہی کی ہوگی دائرے کے مختلف حصوں کو دوسرے حصوں سے اندرونی و بیرونی تعلق ہو سکتا ہے لیکن مرکز کی رو سے تو سب "مرکزی" ہیں خواہ وہ کسی سمت میں کھڑے ہوں قرآن میں اس "اسلامی نظریہ" کو سورۂ بقر کے پارۂ سیقول میں اسی لئے بار بار دہرا دہرا کر بیان کیا گیا، یعنی۔

ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ۔	اور جہاں سے تو نکلے جھکا اپنے چہرہ کو مسجد حرام کی طرف اور جہاں کہیں تم ہو جھکاؤ اپنے چہروں کو اسی مسجد حرام کی طرف۔

"قرآن" کے نزول سے پہلے بھی مکہ معظمہ کے مختلف ناموں میں سے ایک "ام القریٰ" اسی تاریخی حقیقت کو اپنے اندر محفوظ کئے ہوئے تھا۔ "جاہلیت" نے اگرچہ کعبہ کی اس اہمیت کو تاریکی میں ڈال کر "عالم کے قبلہ" کو صرف عرب کے قبلہ تک محدود کر دیا تھا۔ لیکن جب "قرآن" نے حقائق کے چہروں سے نقاب اٹھائے، تو ان ہی میں سے "ام القریٰ" یعنی زمین کی تمام آبادیوں یا معمورۂ ارض کی جڑ اور بنیاد) جو اس نقطہ کا لفظی ترجمہ تھا پھر اپنے اصلی مقام پر پہنچ گیا اور جاہل عربوں نے جس مقام کو صرف "ام العرب" بنا رکھا تھا اور اس بنیاد پر انھوں نے اپنے کو "عجم" سے جدا کر لیا تھا، قرآن نے پھر "ام القریٰ" کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ قرآن مجید کے بھی نصوص صریحہ ہیں جن کی تشریح و تفسیر مختلف آثار اور احادیث میں اس طرح کی گئی کہ "کعبہ" سرۃ الارض (ناف الارض) ہی

والارض بعد ذلک دحاہا (پھر زمین کو اس کے بعد پھیلایا) کی تفسیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہ سے منقول ہے کہ زمین کے پھیلاؤ کی ابتدا ر کعبہ سے شروع ہوئی، بعض نیم حدیثی اور نیم تاریخی روایتوں میں ہے کہ "پانی سے زمین کا جو نقطہ سب سے پہلے نمایاں اور مکشوف ہوا وہ کعبہ تھا" اور یوں بھی حساب لگانے والوں نے جب طول البلد اور عرض البلد کے قاعدے سے دنیا کے آباد علاقہ کی پیمائش کی تو عرب کا علاقہ ان کو وسط میں نظر آیا جس کی تفصیل بعض کتابوں میں موجود ہے۔ اردو زبان میں اس کی سب سے زیادہ دلچسپ بحث کتاب رحمۃ للعالمین کے مصنف نے کی ہے۔

ماسوا اس کے کچھ آج ہی نہیں ہمیشہ سے مشرقی و مغربی ممالک کے درمیان واسطہ کا کام اسی علاقے نے دیا ہے۔ اب بھی تو وہ دو قومیں (یعنی کالے حبشی اور پھیکے یورپین) کعبہ کے مغرب میں اور زرد چینی اور گندم گون ہندوستانی کعبہ کے مشرق میں واقع ہیں، گویا دو دو قوموں کے بیچ میں یہ وسطانی اور مرکزی حصہ زمین کا واقع ہے

سمندر نے جو راہیں دنیا میں بنائی ہیں ان کے حساب سے بھی دیکھئے اٹلس کو اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ مغربی اور مشرقی علاقوں کی سمندری راہیں قدرتی طور پر اس طرح بنی ہوئی ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ تک پہنچنے کے لئے کسی نے قصداً یہ آبی سڑکیں بنائی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج زمین کے کرہ پر کوئی ایسا پرانا تاریخی شہر موجود نہیں ہے جس کے متعلق اتنی قدیم تاریخی شہادتیں مل سکتی ہیں جو کعبہ کے متعلق مسیح علیہ السلام سے

پیشتر کے مصنفین کی کتابوں میں ملتی ہیں، انبیاء بنی اسرائیل کی کتابوں میں کعبہ کا ذکر جہاں جہاں پایا جاتا ہے، حتیٰ کہ "مکہ" کا لفظ بھی ان کتابوں میں ملتا ہے ان کے علاوہ مسیح علیہ السلام سے پہلے، صدیوں پہلے کے یونانی و رومانی مؤرخوں نے اس مقام کا ذکر اس طرح کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے سے بہت پہلے عرب ہی میں نہیں بلکہ بیرونِ عرب میں بھی اس مقام کی کافی شہرت تھی۔ بطلیموس کے قدیم ترین جغرافیہ میں میکرویہ (مکۃ العرب) کے نام سے اس کا ذکر پایا جاتا ہے، قرآن مجید کے لفظ "بیت العتیق" (پرانے گھر) کی یہ کتنی کھلی تفسیریں ہیں، دنیا میں بعض پرانے شہر آج بھی موجود ہیں، مثلاً ایتھینز (اثینا) یونان میں، بنارس متھرا، ہندوستان میں، روما یورپ میں، لیکن اتنی قدیم شہادتیں انشاء اللہ تعالیٰ کسی شہر کے متعلق فراہم نہیں ہوسکتیں، اسرائیلی ادبیات میں کعبہ کا ذکر ہونا تو قرآن کی شہادت سے ضروری ہے، اس لئے کہ ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر قرآن نے دعویٰ کیا ہے کہ اہلِ کتاب کعبہ کو پہچانتے ہیں (اس کی اہمیت کو پہچانتے ہیں) اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں "یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم" پھر اگر کعبہ کا ذکر ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے تو اس میں کیا تعجب ہے۔ نہ ہونا البتہ محلِ تعجب ہوسکتا تھا اگرچہ تحریف کی قینچی جتنی اہلِ کتاب کی تیز ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ممکن تھا کہ اب تک "کعبہ" کے ذکر سے "بائبل" خالی ہوچکی ہوتی لیکن کیا کیجئے کہ نکالنے کی انتہائی کوششوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح کعبہ کے

متعلقات کعبہ کا ذکر ۱۹۲۹ء تک تو ان کتابوں میں بحمداللہ موجود ہے۔ دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ وہی "بکہ" کا لفظ جس کا ذکر میں نے ابھی کیا یہ داؤد علیہ السلام کی زبور میں موجود تھا، بارگولیوتھ صاحب نے لفظ "محمد" (صلی اللہ علیہ وسلم) جو مضمون انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے۔ مکہ معظمہ کے سوا "بکہ" سے مراد کوئی دوسرا شہر نہیں ہو سکتا۔

لیکن زبور میں اڈیشنوں کا تماشا اس ایک لفظ کے متعلق دیکھئے کہ ۱۸۲۲ء کی اشاعت میں زبور میں جو الگ کر کے چھاپی گئی، اس کے اردو ترجمہ میں "وادی بکہ" کی جگہ "وادی بقا" کا لفظ لکھا گیا۔ پھر نہ معلوم کیا افتاد پیش آئی اس کے بعد کے اڈیشنوں میں بجائے "بقا" کے اب "وادی بکار" لکھا جاتا ہے۔ اسی طرح فاران کا ذکر حضرت موسیٰ کی کتاب میں جہاں ہے، وہاں یہ بھی تھا کہ "دس ہزار قدسیوں" کے ساتھ خدا فاران سے طلوع ہوا۔ بخاری شریف میں صریح روایت موجود تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہ تھے اس لئے ہم مسلمان ان دس ہزار قدسیوں کو صحابہ کرام کی جماعت قرار دیتے ہیں، گزشتہ سال سکندرآباد کے بائبل سوسائٹی سے میں نے بائبل کا جو نسخہ منگوایا جو طباعت و کاغذ کے لحاظ سے بہت دلآویز ہے لیکن اس مقام کو نکال کر دیکھتا ہوں تو بجائے "دس ہزار" کے ہزار کا لفظ لکھا ہوا نظر آیا۔ خیر یہ داستان طویل ہے قرآن کی آیۃ ولا تزال تطلع علیٰ خائنۃ منھم ("اور ہمیشہ تم اہلِ کتاب کی خیانت سے مطلع ہوتے رہو گے") کی اگر تفسیر اہل کتاب کے تحریفی کارناموں کو

پیش نظر رکھ کر کی جائے اور اسی کو کوئی صاحب نئے "ریسرچ کا موضوع بنائیں تو غالباً "ریسرچ" کی تاریخ کی یہ عجیب چیز ہوگی لیکن بہرحال اسلام میں اس کی بھی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اس کے بعد حکم ہے فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین ﴿ (چاہیئے کہ ان کو معاف کردو اور ان سے درگزر کرو، بیشک اللہ محبت کرتا ہے احسان اختیار کرنے والوں سے)

بہرحال میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ "فتح مکہ" کی اہمیت کے لئے ضرورت ہے کہ مکہ معظمہ "کعبہ" "بیت اللہ" کی اہمیت اور عالم کے ساتھ جو اس کا مرکزی تعلق ہے اُس کو واضح کیا جائے کہ اس کے بعد ظاہر ہے کہ دنیا کی تمام فتوحات کا تعلق جز کے علاقوں سے باقی رہ جائے گا۔ لیکن وہ فتح جس کا تعلق صرف مشرق یا صرف مغرب کے پایہ تخت سے نہیں بلکہ مشرق و مغرب، شمال وجنوب غرض پورے کرۂ ارض کے مرکز سے ہے وہ صرف "فتح مکہ" ہی ہو سکتا ہے اسی لئے قرآن مجید میں اس فتح کا ذکر بغیر اضافت کے کیا گیا ہے کہ عالم کی حقیقی فتح دراصل "فتح مکہ" ہی کا واقعہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے اذا جاء نصر اللہ والفتح (جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح ہوگیا) دوسری جگہ الایستوی من کم من انفق من قبل الفتح) اور سورۂ فتح میں بھی اس فتح کا ذکر اطلاقی پیرایہ میں کیا گیا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ جس طرح دلّی کی فتح دلّی کی فتح نہیں بلکہ کل ہندوستان کی فتح ہے اسی طرح مکہ کی فتح مکہ کی فتح نہیں بلکہ "سارے جہان کی فتح" کا وہ عنوان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کام "فتح مکہ" ہی قرار دیا گیا۔

بلکہ معراج کی رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف آسمانوں میں جن آٹھ پیغمبروں سے ملاقات فرمائی۔ جن میں سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام تھے اور آخری حضرت ابراہیم علیہما السلام تو علماء نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک کی یہ ایک مثالی تعبیر تھی یعنی نبوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو واقعہ پیش آیا، وہ وہی واقعہ تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا یعنی اپنے وطن اصلی (جنت) سے زمین میں ہجرت فرمائی اور زمین ہی پر انسانی کمالات کا ظہور ہوا اور ہو رہا ہے اسی طرح شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ (جو آپ کا اصلی وطن تھا) ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آنا پڑا اور مدینہ ہی سے آپ کے کمالات کا ظہور ہوا جو سارے عالم پر پھیل گیا، پھر اس کے بعد آپ کے ساتھ مدینہ میں جو جو واقعات پیش آئے ان کی تمثیل ان پیغمبروں کی زندگی میں تھی جن سے آدم علیہ السلام کے بعد ملاقات ہوئی اور آخر میں حضرت ابراہیمؑ کا دیکھنا اس سے مراد یہی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کام تعمیر کعبہ تھا یعنی خالق کی عبادت کے لئے انھوں نے پہلی مسجد کعبہ بنائی پھر جب کعبہ بجائے خالق کے مخلوق معبودوں کی پرستشگاہ بن گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرکے پھر کعبہ کو خالق کی عبادت گاہ کی شکل میں بدل دیا اور ساری دنیا کی مسجدوں کا اسے مرکز قرار دے کر بلکہ ساری زمین کو کعبہ کا صحن قرار دیکر آپ نے اپنا کام ختم فرما دیا اسی لئے کہتے ہیں کہ سورۂ "اذا جاء" سن کر بعض صحابہ رونے لگے۔ ان سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنی وفات کی خبر اس سورۃ میں دی ہے یعنی مقصد کی تکمیل ہو چکی ہے مرکز پر قبضہ ہو چکا، آئندہ مفصلات کا تعلق مرکز سے جوڑنا۔ یہ کام امت مرحومہ کے سپرد کر دیا گیا۔ تیرہ سو سال سے مسلمان اس کام کو انجام دے رہے ہیں دیتے رہیں گے اس سلسلہ میں ان کی رفتار کبھی تیز ہوتی ہے کبھی سست ہو جاتی ہے، الغرض کبھی بدر کبھی احد کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں بدر کو دیکھ کر تو سب خوش ہوتے ہیں لیکن احد کا منظر جب پیش ہوتا ہے تو جن کے دلوں میں روگ ہے وہ کبھی اسلام سے بدگمان ہوتے ہیں ورنہ مسلمانوں کے نام پر تو اکثروں کو لعنت پڑھتے ہوئے دیکھا جاتا ہے حالانکہ صریح حدیث میں کہا گیا تھا کہ "مسلمانوں کے متعلق جو کہتا ہے کہ وہ ہلاک ہو گئے وہی پہلا ہلاک ہونے والا ہے"

افسوس ہے کہ آج کل "معلم الصبیانی" کی مصروفیت میں اتنا منہمک ہوں کہ کسی مستقل مضمون کے لکھنے کی فرصت نہیں نکال سکتا، بالفعل تو آپ میرے اس "شورائی مضمون" کو ایک مقالہ فرض کر لیجئے اور مناسب خیال فرمائیے تو "فتح مکہ" نمبر میں شائع کر دیجئے۔ میرا ابھی یہی خیال ہے کہ "فتح مکہ" کی تاریخ کو ہم مسلمان اپنا ایک مستقل دن کیوں نہ بنائیں اور ہر سال اس تاریخ میں جرائد اور روزنامے "فتح مکہ" کے خصوصی تعلق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کیوں نہ نکالے جائیں آپ کی یہ تجویز تمام مسلمانوں میں مقبول ہو گی۔

اس سلسلہ میں ایک چیز کا ذکر کئے بغیر اس "عجالہ" کو ختم نہیں کیا جا سکتا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے قصص کے سلسلہ میں یک

آیت میں مذکور ہے کہ ان کو ایک قریہ میں داخل ہوتے ہوئے یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ "سجدًا" یعنی سجدہ کرتے ہوئے اور "حطّۃ" کہتے ہوئے داخل ہوں، قرآن میں صرف اتنا ہے کہ انھوں نے اس حکم کو بدل دیا لیکن کس طرح بدلا، قرآن میں اس کی تصریح نہیں کی گئی۔ مفسرین نے غالبًا اسرائیلی روایات سے یہ قصہ لیا کہ بجائے سجدہ کرتے ہوئے بنی اسرائیل شہر میں "حبوا" (چوتڑ) کے بل بجائے "حطّۃ" کے حبّۃ فی شعرہ (دانہ ہے جو میں) کہتے ہوئے داخل ہوئے کیسی شہر میں بلا وجہ چوتڑ کے بل داخل ہونا اور اس سے بھی زیادہ عجیب تر "حبّۃ فی شعرہ" کہنا سمجھ میں نہیں آتا ہے، یہ کیا واقعہ ہے، میرا خیال ہے کہ اس تفسیر کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ خود "سجدًا" اور "حطّۃ" کے اصل حکم کا جو مطلب تھا وہ متعین نہ کیا گیا۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کو واقعی یہ حکم تھا کہ جس وقت شہر میں داخل ہوں اس وقت نماز میں جس طرح سجدے کرتے ہیں یہ زمین پر سجدے کرتے ہوئے آگے بڑھیں اور بطور منتر کے اپنی زبان پر حطہ حطہ کا لفظ جاری کریں۔

لیکن جو شخص فتح مکہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داخلہ کے منظر کو اپنے پیشِ نظر رکھے گا۔ معًا دونوں الفاظ کا مطلب اس کی سمجھ میں آجائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جس وقت مکہ معظمہ میں فاتحانہ داخلہ ہو رہا تھا اس وقت جبار فاتحوں کے مانند اکڑتے سینہ تانتے ہوئے نہیں بلکہ سر مبارک کو اونٹ پر جھکائے ہوئے تھے، یہاں تک کہ آپ کی پیشانی مبارک

کجاوہ سے چھو چھو جاتی تھی، یہ تھی "سجدًا" کی تفسیر نبوی اور جب مکہ میں داخلہ ہوچکا تو جس امان کا اعلان فرمایا گیا اور اس کے بعد جب مفتوح قریش آپ کے سامنے حاضر ہوئے تو اس وقت لیغفر اللہ لکم ، انتم الطلقاء (تم لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے تو تم سب کے سب آزاد ہو) کے ذریعہ سے "عفو عام" کا جو اعلان کر دیا گیا، تھی "حطہ" کی تفسیر "حطہ"، "عفو" کا مترادف لفظ ہے، بہرحال فاتح کو مفتوح کے ساتھ جو برتاؤ درگزر، عفو، صفح کا کرنا چاہیئے۔ "حطہ" اسی عمل کی تعبیر ہے، نہ کہ حکم اس لفظ کے دہرانے کا تھا۔

لیکن اسرائیلیوں کو فتح کے نشہ میں خدا کا یہ حکم یاد نہیں رہا، اور وہی جبابرہ کے طریقہ سے وہ شہر میں اکڑتے ہوئے داخل ہوئے اور بجائے عفو وحطہ کے انھوں نے انتقام لینا شروع کیا، ورنہ دانہ جو میں اس کا آخر مطلب کیا ہوسکتا ہے، شاید کہا جائے کہ وہ مفتوحوں کے گھروں میں گھس کر اناج اور غلہ لوٹنے لگے، لیکن اس آیت کی جو تفسیر فاتح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ہوئی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ہمیں ادھر ادھر دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، قرآن کی تفسیر کے لئے کان خلقہ القرآن والے کی ذات کیا کافی نہیں؟

یوم فتح مکہ

انسانیت کی فتح بہیمیت اور شیطانیت پر

از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پروفیسر (جامعہ عثمانیہ)

۲۷- رمضان ۱۳ھ کو شہر مکہ کے مضافات میں جبل نور کے غار حرا سے ایک بجلی کوندی اور سینکڑوں ہزاروں سال سے راہ کی تلاش میں انسان جس سرگردانی میں مبتلا تھا اس سے نجات مل گئی اپنے اور اپنے بنانے والے کے صحیح تعلقات اور اپنی زندگی کا مقصد معلوم کرنے کے سلسلہ میں وہ من مانی باتوں اور من گھڑت اوہام سے جس تاریکی در تاریکی میں گھسا چلا جارہا تھا اور مختلف ادوار میں کسی روزن سے ہلکی سی روشنی نظر آنے کے باوجود وہ پھر جلدی ہی جس بھول بھلیوں میں پھنس جاتا تھا اس سے باہر آنے کا راستہ مل گیا اور اس نے یہ عجیب چیز معلوم کی کہ وہ اب تک غار کے دروازے ہی میں مگر اندر کی طرف منہ کئے کھڑا ہے اس نے منہ دوسری طرف کیا اور

توحید کے روشن میدان میں نکل آیا۔ اولاً یہ راستہ ایک شخص نے دیکھا اور اس نے ساتھیوں کو آواز دی کہ پیٹھ پھیر دو اور سامنے بڑھو (اباؤٹ ٹرن۔ فارورڈ مارچ) چند نے فوراً تعمیل کی۔ چند نے ان باہر نکلنے والوں کی خوشی کے ہرے پر ترغیب پائی مگر چند نے ان باہر نکلنے والوں کو روکنا بلکہ پیچھے سے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کیا لیکن پشت کی طرف پلٹنے والے کو فوراً روشنی نظر آجاتی تھی۔ وہ اب کسی برخود غلط کے روکے کہاں رکتا تھا۔ برخود غلط دلسوزی سے راہ یاب کو روکتا اور کش مکش پر نوچتا کاٹتا اور سر پیٹتا تھا۔ اس پر رہبر اعظم اور اس کے راہ یاب ساتھیوں نے انتہائی ایثار اور بے نفسی سے ان مصیبت زدوں بلا رسیدوں اور برخود غلط حماقت پردازوں دونوں کو بزور تاریکی سے باہر نکالنے کی ٹھان لی۔ اس کوشش میں خود تکلیف اٹھائی مگر خوشی سے اسے گوارا کیا اور برخود غلط کی انتہائی ظالمانہ تکلیف دہی پر بھی اس رہبر اعظم اور کوہ ثبات کی زبان سے نکلا بھی تو یہی نکلا کہ "رب اہد قومی فانہم لایعلمون" (خدایا میرے لوگوں کو ہدایت دے وہ جانتے نہیں ہیں) غرض کسی کو پچکار کر کسی کو دھمکا کر اور کسی کو زبردستی ڈھکیل کر باہر نکالا یہاں تک کہ وہ ہر ایک غار پوری طرح خالی ہو گیا اور اس رہبر اعظم کی زندگی بھی ختم ہو گئی اب اس کے جانشینوں نے اپنے نافِ ارض کے کھلے میدان سے دیکھ لیا کہ اطراف میں کتنے اور غار ہیں اور اپنے محسن اعظم کے اسوۂ حسنہ میں تمام غاروں کے مصیبت زدوں کی رہائی کی ٹھان لی اور یہی کام اب تک روز افزوں کامیابی سے جاری ہے۔

یہ کوئی افسانہ نہیں حقیقت ہے اس رہبرِ اعظم کی اس بے نفسانہ کشمکش کے آخر منازل ہی فتح مکہ کی صورت میں پیش آئے اور اسی کی کچھ توضیح وتفصیل مطلوب ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ روحی فداہ نے غار حرا میں حقیقت وصداقت کا جو راستہ شب قدر کو دیکھا تو گھر آکر اہل وعیال کو پھر اپنے خاندان اور پھر اہل شہر کو اس کی جانب متوجہ کیا، اس سے سب واقف ہیں کہ توحید اور خدا پرستی اور صحیح انسانیت کی اس تعلیم وتبلیغ میں آپ کو کیا دشواریاں پیش آئیں اور کس طرح دس سال کی شبانہ روز تن من دھن کی کوشش کے باوجود پچیس پچاس سے زیادہ لوگ ہمخیال نہ ہو سکے کس طرح تبلیغ میں تکلیفیں سہنی پڑیں کس طرح طائف جلاوطن ہونا پڑا کس طرح چند مدینہ والے ایک موقع پر اتفاقاً ملے اور اتباع قبول کی کس طرح ان کی تائید کے وعدہ پر سب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے اور ان کے مال ومتاع پر اہلِ مکہ نے غاصبانہ قبضہ کر لیا۔

مدینہ پہنچتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ نے سب سے پہلے اپنے لیے خانماں ساتھیوں کی رہائش کا انتظام کیا پھر ان مہاجرین اور مدنی مسلمانوں اور ہمدردوں میں تنظیم پیدا کر کے ایک شہری مملکت کی بنیاد ڈالی۔ شہر میں اب مہاجرین مکہ، مدنی مسلمان ان کے رشتہ دار غیر مسلم عرب اور یہودی قبائل تھے۔ ان سب کو اپنی سرداری میں ایک مرکز پر جمع کیا اور ایک وفاقی شہری مملکت قائم کی خوش قسمتی سے اس وفاق کا دستور جو ۱ھ میں مرتب ہوا تھا اور جو پچاس ایک دفعات پر مشتمل ہے تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے (دیکھئے مجلہ طیلسانین شہریورہ ۱۳۴۸ ف دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور عہد نبوی کی ایک اہم دستاویز)

اس دستور کے ذریعہ شہر کی حفاظت و مدافعت اور قریش سے مقابلہ کا انتظام شروع ہوا، ہجرت کو دو چار مہینے ہوئے تھے کہ ان امور سے فارغ اور اندرونی حفاظت و استحکام سے مطمئن ہونے کے بعد اطراف پر توجہ شروع ہوئی مدینہ سے ساحل ینبوع کوئی پچھتر اسی میل ہوگا اس علاقہ میں بنی حمزہ، بنی مدلج وغیرہ قبائل بستے تھے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیفی کی کہ ان پر کوئی حملہ کرے تو مسلمان ان کو مدد دیں گے اور مسلمانوں پر کوئی حملہ کرے تو یہ مدد کو آئیں گے۔ یہ معاہدات بھی تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں۔

نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اہل مکہ جو ہر سال تجارتی کارواں شام و مصر بھیجتے اور خشکی کی راہ سفر کرتے تھے وہ بنی حمزہ وغیرہ کے علاقے سے گزرنے پر مجبور تھے اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان حلیفوں کی مدد سے قریش کا راستہ بند کر دیا اور ان پر معاشی دباؤ ڈال کر بدلہ لینے اور مغلوب کرنے کی کوشش کی قریش نے جھنجھلا کر ماہ رمضان ۲ھ میں بدر میں آنحضرت اور آپ کے ساتھیوں کو گھیر لینے کی کوشش کی اور منہ کی کھائی اور ایک بہترین فوجی نظام سے تین سو مسلمانوں نے ایک ہزار کے لشکر کو تتر بتر کر دیا۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے قریش نے سال بھر تیاری کی اور شوال ۳ھ میں مدینہ پر چڑھ دوڑے اور شہر کے باہر احد کے میدان میں مقابلہ کیا اور مسلمانوں کی فوج کو اتفاقاً پسپا کر دینے کے باوجود لڑائی ملتوی کر دی اور مکہ واپس ہو گئے۔ مسلمانوں نے بہت جلد اپنا وقار دوبارہ حاصل کر لیا اور ساتھ ہی آنحضرت صلعم نے اپنا اقتدار مدینہ کے جنوب مشرق میں نجد کی طرف بڑھا لیا اور قریش کے ساحلی راستہ کی طرح عراق وغیرہ جانے کا صحرائی راستہ بھی بند کر دیا۔ پھر مکہ کے اطراف کے

قبائل سے معاہدات دوستی کئے ان کو اپنی مدد کا یقین دلایا اور قریش سے تعلقات منقطع کر لینے پر آمادہ کیا۔ پھر مدینہ کے شمال کی طرف توجہ کی اور دومۃ الجندل کے اہم مقام تک (جو شام اور عراق جانے والے کاروانوں کا جنکشن تھا) اپنے اثرات پھیلا دیئے اور قریش کے تجارتی تعلقات شمال سے بالکل بند کر دیئے۔ اسی اثناء میں مدینے کے یہودی مسلمانوں سے لڑ کر اپنے کئے کی سزا پا چکے تھے اور مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر وغیرہ میں جا آباد ہو گئے تھے۔ ان یہودیوں کے ورغلانے اور ساتھ دینے کا یقین دلانے پر قریش نے ایک انتہائی کوشش کی اپنے تمام حلیف قبائل کو جمع کیا۔ یہودی اور یہودیان خیبر کے حلیف قبائل غطفان وغیرہ کو بھی لوٹ کی طمع دلائی۔ غرض دس ہزار کے جم غفیر سے مدینہ پر حملہ کیا۔ خود مدینہ کے مابقی یہودی بھی بغلی گھونسہ بننے کی دھمکی دینے لگے۔ یہ شوال ۵ھ کا واقعہ ہے اپنے تین ہزار سپاہیوں کی مدد سے آنحضرتؐ نے شہر کے غیر محفوظ رخ پر پندرہ دن کے عرصہ میں خندق کھدوائی اور عین اس وقت فارغ ہوئے جب دشمن آپہنچا۔ محاصرہ کنندہ متحدین میں سے چند قبائل کو آنحضرتؐ نے ابتداءً توڑ لینے کی کوشش کی اور مدینے کے باغات کے تہائی کھجور لے کر چلے جانے پر آمادہ بھی ہو گئے۔ لیکن اہل مدینہ نے اس قدر کثیر معاوضہ منظور نہ کیا۔ پھر اس اثناء میں یہودیوں اور اہل مکہ میں باہم بے اعتمادی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ آپ کے بھیجے ہوئے کارندے دعایہ کاری میں اتنے کامیاب ہوئے کہ قریش نے دل برداشتہ ہو کر محاصرہ اٹھا لیا اور مکہ واپس ہو گئے اور غطفان وغیرہ بھی اکیلے کیا کرتے فوراً رفوچکر ہو گئے۔ اب انتہائی مشرق یمامہ تک آنحضرتؐ کا اثر

پھیل گیا اور ۶ھ کے آغاز میں وہاں کے بعض سرداروں (ثمامہ بن اثال) کے اسلام لانے سے وہاں کے غلہ کی برآمد مکہ کے لئے بند ہوگئی۔ اس سال اتفاق سے عرب میں قحط بھی پڑا۔ تجارت کے بالکل رک جانے غلہ وغیرہ کی منڈیوں کا راستہ بند ہو جانے اور پے در پے ناکامیوں سے قریش بے بس ہو چلے تھے گو ان کی فوجی قوت ابھی نہ ٹوٹی تھی۔

اس وقت مسلمانانِ مدینہ کی یہ حالت تھی کہ شمال میں غطفان اور خیبری یہودی خار کھائے بیٹھے تھے اور جنوب میں اہلِ مکہ مخالفت کی کوئی چیز ایسی نہ تھی جو کرنے کو تیار نہ تھے مسلمانوں کی قوت اتنی نہ تھی کہ وقتِ واحد میں دونوں پر حملہ کر کے دونوں دشمنوں سے نجات حاصل کرتے کسی ایک سے مقابلہ ممکن تھا لیکن جیسا پانچویں صدی ہجری کے مشہور سیاست داں فقیہ شمس الائمہ سرخسی نے لکھا ہے اگر مدینہ والے خیبر پر حملہ کرتے تو خوف تھا شہر کو فوج سے خالی پا کر مکہ والے نہ چڑھ دوڑیں اور نہ لوٹیں۔ اور اگر جنوب میں مکہ کی طرف جائیں تو یہی خوف شمال یعنی خیبر سے تھا کیونکہ مدینہ کا محل وقوع مکہ اور خیبر کے بیچ میں ہے، ان حالات میں ذی قعدہ ۶ھ میں آنحضرتؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ مکہ یا خیبر دونوں میں سے کسی ایک سے صلح کر لینی چاہئے اور اس غرض کے لئے آپ نے مکہ کا انتخاب کیا اور آپ کا خیال غالباً یہ تھا کہ مکہ والے جو قحط اور افلاس سے بے بس تھے آسانی سے صلح منظور کر لیں گے۔

اس سے پہلے آپ نے پانچ سو اشرفیاں مکہ کے سردار ابوسفیان کو بھیجیں کہ وہاں کے قحط زدہ فقرا میں تقسیم کر دے۔ اس کی خبر مکہ میں پھیلی تو ظاہر ہے کہ اہلِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شریف دشمن کہنے اور سمجھنے لگے وہاں کے لیڈر

چلائے اور اسے سازش سے تعبیر کیا۔

اس کے بعد حج کے موسم میں جب کہ قریش لڑائی حرام سمجھتے تھے، آنحضرتؐ اپنی نصف فوج مدینہ میں چھوڑ کر پندرہ سو آدمیوں کے ساتھ حج کے نام سے روانہ ہوئے تاکہ قریش کو گھبراہٹ نہ ہو اور مزید اطمینان دلانے کے لئے لڑائی کے پورے ہتھیار بھی ساتھ نہ رکھے۔ حدیبیہ پہنچ کر (جو مکہ سے دس میل پر واقع ہے اور آج کل شمیسی کہلاتا اور موٹروں کی تنقیح کا اسٹیشن ہے) آپ نے قریش سے گفت وشنید شروع کی اور قریش کی منہ مانگی شرطیں منظور کرنے پر آمادگی ظاہر کی ایک زبردست دشمن جسے بارہا انتہائی کوشش کے باوجود زیر نہیں کیا جاسکتا تھا وہ خود منہ مانگی شرطیں منظور کر رہا تھا۔ قریش نے خیال کیا کہ اور کیا چاہیئے صلح منظور کی اور یہ طے کیا کہ آئندہ دس سال تک قریش اور ان کے حلیف آنحضرتؐ اور آپ کے حلیفوں سے نہیں لڑیں گے اور ہر ایک دوسرے کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیگا یہ کہ آنحضرتؐ قریش کا تجارتی راستہ کھول دیں گے اور یہ کہ کوئی مسلمان مکہ آئے تو وہ گرفتار کر لیا جائے گا لیکن کوئی مکہ والا مدینہ آئے تو اہلِ مکہ کی خواہش پر اس کی تحویل عمل میں آئے گی۔

یہ آخری شرط قریش نے اپنا بڑھپن دکھانے کے لئے منظور کرائی جس سے انھیں کوئی فائدہ نہ ہوا لیکن مسلمانوں کی لڑائیوں میں غیر جانبداری منظور کر کے انھوں نے آنحضرتؐ کو اس کا موقع دیا کہ آپ خیبر کی قوت کو توڑ دیں اور یہ عظیم الشان غلطی کی کہ یہود سے تعلقات نہ رکھ کر آئندہ اس قوی حلیف کی مدد سے محروم ہو جائیں اور مسلمانوں کے واحد ہدف بنیں۔

حدیبیہ میں قریش کو یہودیوں کے متعلق غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کر دینا وہ زبردست سیاسی اور ڈپلومیاٹک کامیابی تھی کہ اس کے متعلق قرآن مجید کا دیا ہوا نام (فتح مبین) ذرا بھی مبالغہ آمیز نہیں ہے۔ حدیبیہ سے فارغ ہو کر مدینہ آنے کے دو ہی ہفتوں کے بعد خیبر کی طرف کوچ بول دیا گیا اور ایسی چالیں چلی گئیں کہ خیبر والوں کی مدد کو کوئی نہیں آیا یہاں تک کہ غطفان کے حلیف بھی اپنے گھروں میں بیٹھے تماشہ دیکھتے رہے اور حسب توقع بہ آسانی اس خطرے کا ہمیشہ کے لئے ازالہ کر دیا گیا۔

اس کامیابی سے اس بات کا موقع ملا کہ مزید دوستیاں بڑھائی جائیں چنانچہ اسی زمانے میں بحرین اور عمان کی ایرانی نوآبادیاں زیادہ تر سفارتی کوششوں سے اپنے مرکز سے ٹوٹ کر مدینہ سے جڑ گئے اور قریش کا سوائے ان کے اپنے چند ہزار افراد کے کوئی مددگار نہ رہا اور جب انھوں نے آنحضرتؐ سے کئے ہوئے معاہدہ کی کچھ خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے ایک حلیف قبیلہ کے خلاف چھپ کر کچھ مدد دی تو آنحضرتؐ کی سزادہی کا مقابلہ کرنے کی ان میں کوئی طاقت نہ تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے بغیر خون بہائے مکہ پر قبضہ کر لیا۔

آنحضرتؐ کے نامہ نگار عرصہ سے مکہ میں تھے اور دشمن کی ہر نقل و حرکت کی بروقت اطلاع دیدیا کرتے تھے ان کی پیشگی اطلاعوں سے احد اور خاص کر خندق کی جنگ میں بڑی مدد ملی تھی ورنہ خندق کے معرکہ کے وقت آنحضرت عرب کے انتہائی شمال میں گئے ہوئے تھے اور بروقت اطلاع کے باعث آدھے راستہ سے مدینہ واپس آ کر پورے دو ہفتے خندق کی تیاری اور دیگر حفاظتی کارروائیوں میں صرف کرنے کے قابل ہوئے تھے۔

اس کے ساتھ اپنی نقل و حرکت کی خبروں پر پورا قابو تھا چنانچہ مکہ کی طرف دس ہزار کا لشکر کوچ کرتا ہے اور قریش کو ابن ہشام کے الفاظ میں "حبس الطرق" یعنی راستوں کی بندش کے باعث اس وقت تک خبر نہ ہو سکی جب تک کہ مکہ کے پہاڑوں کے عین نیچے پڑاؤ نہ لگ گیا اس وقت آنحضرت نے مکہ کو اطلاع دی کہ جو شخص اپنے گھر میں رہے یا کعبہ کی مسجد میں چلا جائے یا ہتھیار پیش کر دے تو اسے اسلامی فوج بالکل نہیں چھیڑے گی اس کے بعد فوج کے تین حصے کئے اور شہر میں جانے کے تینوں راستوں سے داخلہ شروع کیا اور تاکید کی کہ کوئی خونریزی نہ ہو۔ شہر پر پوری طرح قبضہ ہونے اور کعبہ کے اندر اور اطراف کے بتوں کو توڑ پھوڑ کر ان کے مناسب مقام پر پہنچانے کے بعد شہریوں کو جمع ہونے کا حکم دیا، پھر ان کو ان کی کارستانیاں سمجھا کر پوچھا کہ تمہیں اب مجھ سے کیا توقع ہے انھوں نے کہا کہ جو ایک شریف اور شریف زادے سے توقع کی جا سکتی ہے۔ اس پر رحمۃ للعالمین کی زبان سے نکلا "ہاں" اب تم سے کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔ ابھی اعلان کی صدا گونج رہی تھی کہ پورا مکہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

کا کلمہ پڑھ کر اپنی قلب ماہیت کا ثبوت دے رہا اور اپنی مکمل غیر مشروط اطاعت کا یقین دلا رہا تھا۔

یوم علی رضی اللہ عنہ

ہارون محمدی و ہارون موسیٰ

از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی

انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولا

ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول اس طور پر کہ وہ نگران ہے تمہارا، جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ نبوت موسویہ اور نبوت محمدیہ میں جس مشابہت کا پتہ اس آیت میں دیا گیا ہے غور کیا جائے تو مختلف وجوہ اس مشابہت کے نظر آئیں گے مثلاً بے سروسامانی کی حالت میں دونوں کی ولادت جو دشمن بننے والے تھے انھیں کے درمیان دونوں کی پرورش کچھ دنوں کے لئے گلہ بانی کا کام دونوں نے انجام دیا پھر جس طرح تمدن کا خاتمہ مصر پر ہوا یعنی تمدن کا وہ ابتدائی دور جس کی ابتداد جلہ و فرات کے کنارے کی سرزمین کالڈیا سے ہوئی اور نوح علیہ السلام سے شروع ہو کر اس قدیم تمدن کی اصلاحی نبوتوں کا خاتمہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ہوا اسی طرح سارے جہان کی قوتوں نے مشرق میں کسریٰ کی شکل اور مغرب میں قیصر کی

شکل اختیار کی۔ یہی دونوں کشمکش میں مصروف تھے کہ عالمی تسلط کیسے حاصل ہوتا ہے تو صرف مصر ہی کی نہیں بلکہ اسی عالمگیر فرعونیت کے مقابلہ کے لئے ابو طالب کے یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھایا گیا جو اس وقت جبکہ ان کے پاس کچھ نہ تھا، صرف اپنی ایک قرض کی خریدی ہوئی اونٹنی اور ایک دوست (ابوبکر رضی اللہ عنہ) اور ان کے غلام مالک بن فہیرہ ہجرت کے سفر میں ساتھ تھے تو بے سروسامانی کے اسی عالم میں سراقہ بدوی کو خطاب کر کے فرمایا اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ ولیھلکن قیصر فلا قیصر بعدہ (جب کسریٰ تباہ ہو جائے گا تو پھر کسریٰ پیدا نہ ہو سکے گا اور کچھ دن بعد قریب ہے کہ قیصر بھی ہلاک ہو پھر قیصر کے بعد قیصر نہ ہوگا) تو جس طرح حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر ارض مقدس کے حاصل کرنے پر آمادہ کیا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عرب کو ایرانیوں اور رومیوں کے اثر سے آزاد کرا کے اور مسلمان بنا کر کعبہ جس پر کفر کا قبضہ تھا اسی پر قبضہ کرنے کے لئے قریش سے مقابلہ کرنے پر تیار کیا۔ الغرض نبوت موسوی و نبوت محمدیہ میں مشابہت کے بیسیوں وجوہ و اسباب ہیں خود تورات میں ہے کہ بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ تم میں سے تمہارے بھائیوں میں سے (یعنی بنی اسمٰعیل) سے ایک نبی پیدا کروں گا مانند موسیٰ کے اور اُس کے منہ میں اپنی بات ڈالوں گا (اوکما قال) مشابہت کے انھیں وجوہ متعددہ میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جونہی نبوت سے سرفرازی ہوئی تو اسی وقت آپ نے دعا فرمائی رب اجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کی نسبحک کثیرا ونذکرک کثیرا (اے پروردگار

میرے گھر کے لوگوں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا اور میری پشت کو ان سے مضبوطی بخش۔ میرے کام میں ان کو شریک فرما، تاکہ ہم آپ کی پاکی خوب اچھی طرح بیان کریں اور آپ کو خوب اچھی طرح یاد کریں۔

امام احمد بن حنبلؒ اپنی کتاب "المناقب" میں اسماء بنتِ عمیسؓ صحابیہ سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی صرف "ہارون اخی" کی جگہ "علی اخی" کا اضافہ فرما کر اسی دعا کو دہراتے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ متواتر روایت ہے کہ جیسا ازالۃ الخفا میں حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی اس روایت کو متواترات میں قرار دیا ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے فرمایا کہ میری نسبت سے تمہارا وہی مقام ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی نسبت سے ہارون علیہ السلام کا تھا البتہ ہمارے بعد نبی کوئی نہ ہوگا۔

پس جب جناب مرتضوی کا علاقہ نبوت محمدیہ سے ہارونیت کا ہوا تو حضرت کے خصوصیات کو سمجھنے کے لئے ہمیں قرآن میں حضرت ہارون علیہ السلام کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہیئے ظاہر ہے کہ ہارون کو موسیٰ علیہ السلام نے وزیر بنا کر مانگا تھا۔ وزیر بوجھ اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا بار اپنے اوپر اٹھا لیا۔ تقریباً آٹھ سال کی عمر سے اور وزارت کا یہ کام اس وقت ختم ہوا جب مرقد نبوتِ کبریٰ سے بچشم تر ان کو نکلتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ زندگی کے ہر موقع پر عشیرت و مقربین کی دعوت کے موقع پر ہجرت کی وہ تاریخی رات جب قریش کے ہر قبیلہ کا آدمی ننگی تلوار سوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

تاک میں کھڑا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ چادر اوڑھ کر اس بوجھ کو اٹھایا۔ غزوات میں اور نبوت کی ہر جنگ میں انتہائی جانبازیوں کے ساتھ باوجود نو عمری کے پیش پیش رہے اور ہر لڑائی میں ایسا نمایاں کام انجام دیا کہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی سیاسی کامیابیاں بظاہر ان ہی فتوحات پر قائم ہیں جن میں سے ہر ایک کے اندر حضرت علی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ بدر، احد، خندق، خیبر فتح مکہ وغیرہ وغیرہ سب میں جسے دنیا جانتی ہے۔ اسی لئے اسلام کے باطنی دشمنوں (منافقین) کی شناخت کی علامت عہد نبوت میں یہی تھی کہ حضرت علیؓ سے جو بغض رکھتا تھا سمجھا جاتا تھا کہ وہ منافق ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ بھی حضرت علیؓ نے اٹھایا اور یقیناً ان کی وجہ سے قدرت نے پیغمبر اسلام علیہ السلام کے بازو کو قوی رکھا۔ میرے بھائی علی کو میرا وزیر بنا دیجئے اور میری پشت کو ان سے مضبوطی بخشئے کی دعا ان ہی شکلوں میں پوری ہوئی۔

پھر جب توراۃ لانے کے لئے میقات رب پر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے اور اپنے پیچھے حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑا تاکہ وہ بنی اسرائیل کی نگرانی کریں، مگر چالیس دن بھی پورے نہ ہونے پائے کہ قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعونیوں کی لاش اور دوسرے ذرائع سے جو زیور بنی اسرائیل کو ہاتھ آ گئے تھے سامری نے بچھڑا بنا کر قوم موسیٰ کو اسی کے آگے جھکا دیا اور بولا کہ موسیٰ علیہ السلام کا الہٰ یا ان کا نصب العین یہی بچھڑا پوجنا ہے۔ اس وقت حضرت ہارون نے پہلے اصلاح سے کام لیا یا ربار چلاتے رہے یا قوم انکم

فتنتم بہ (اے میری قوم تم اس بچھڑے کے ذریعہ جانچے گئے ہو) مگر لوگوں نے نہ مانا۔ ہارون علیہ السلام کی زبانی قرآن ہی میں یہ الفاظ منقول ہیں کہ حضرت موسیٰؑ سے انھوں نے کہا ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی (قوم نے مجھے کمزور جانا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالے)

بہر حال جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر میقاتِ رب سے واپس ہوئے اور قوم کو اس حال میں پایا تو حضرت ہارون پر پہلے برہم ہوئے لیکن ان کی معذرتوں کو سننے کے بعد ان سے تو صاف ہو گئے اور اب قوم کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرعونی زیورات کا وہ مجموعہ جس سے بچھڑا تیار ہوا تھا پہلے تو اسی کو خاک میں ملا کر دریا برد فرما دیا جو معاشی نقطۂ نظر سے خواہ جس درجہ بھی نقصان دہ بات تھی لیکن الدین کو بچانے کے لئے الدنیا کی قربانی ضروری نظر آئی اور بلا پس و پیش بے محابا وہ یہ کر گزرے اور اس کے بعد آپ نے قوم بنی اسرائیل کو خطاب کر کے حق تعالیٰ کا یہ حکم سنایا یا قوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبوا الیٰ بارءکم فاقتلوا انفسکم ذلکم خیر لکم عند بارءکم فتاب علیکم انہ ھو التواب الرحیم (اے میری قوم تم نے (اتخاذ عجل) یعنی گوسالہ پرستی اختیار کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، پس پلٹو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف پس قتل کرو اپنے آپ کو یہی بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک، خواہ دوسروں کے نزدیک وہ بہتر نہ ہو، پس توبہ قبول کی تمہاری خدا نے وہ توبہ قبول کرنیوالا ہے) کتابوں میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ جن لوگوں نے اتخاذ عجل کا

ارتکاب کیا ہے (وہ) اور جو اس سے بچے رہے ہیں وہ۔ یہ دونوں آپس میں مقاتلہ کریں۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تفسیر کی کتابوں میں منقول ہے کہ فاخذ السکاکین فجعل الرجل یقتل اخاہ واباہ وابنہ واللہ لایبالی من قتل حتی منھم سبعون الفا (درمنثور) یعنی لوگوں نے ہاتھ میں چھرے لئے اور آدمی اپنے بھائی، باپ بیٹے کو قتل کرنے لگا۔ اس کی پرواہ کسی کو نہ تھی کہ وہ کس کو قتل کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ ستر ہزار آدمی اس طریقے سے قتل ہو گئے یہ تو قوم موسیٰؑ کا قصہ ہے اب امت محمدیہ (علیٰ نبیھا الصلوٰۃ والسلام) کی اس شخصیت پر نظر کیجئے جسے نبوت محمدیہ سے ہارونیت کی نسبت آیات متواترہ حاصل ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور آپ کے کام کی تکمیل کرنے والے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اپنا اپنا کام کرکے اپنے محبوب پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قدموں تک پہنچ گئے اور اس تمام عرصہ میں یعنی حضرتؐ کے عہد میں اور خلفائے ثلاثہؓ کے عہد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ دین کی پشتبانی کا کام انجام دیتے رہے لیکن جب براہِ راست دین کی کمان لینے کا وقت خود ان کے لئے آیا تو ہوا یہ کہ اس عرصہ میں (یعنی خلفائے ثلاثہؓ کے زمانے میں) وہ نسل جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں مزکّی و مطہر ہوئی تھی ان کی اکثریت بذریعہ شہادت یا باجل طبعی عالم آخرت کی طرف سدھار چکی تھی خصوصاً صحابہؓ کا افضل ترین طبقہ یعنی اصحاب بدر ان کے متعلق تو سعید بن المسیب تابعی سے بخاری میں مروی ہے وقعت الفتنۃ الاولی یعنی مقتل عثمان فلم یبق من اصحاب بدر احد الا سلام

میں پہلا فتنہ جب واقع ہوا یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ پیش آیا تو اس وقت تک اجل نے بدر کے صحابیوں میں سے کسی کو نہ چھوڑا تھا۔ یعنی سب کی وفات ہو چکی تھی) اور دوسرے طبقے کے صحابہ جو بھی باقی رہ گئے تھے وہ ایسے مسلمانوں میں گھرے ہوئے تھے، جن میں اکثریت غالبۂ کبیرہ ان ہی لوگوں کی تھی جو عہد صحابہ کے بعد والی نسلوں سے تعلق رکھتے تھے یا زیادہ تر اعراب اور اسی قسم کے نومسلم لوگ تھے جو اسلامی فوجوں میں بھرتی ہو گئے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ کو اپنے عہد خلافت میں جن مسلمانوں سے سابقہ پڑا ان میں اکثریت اسی قسم کے لوگوں کی تھی اور یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ بنی اسرائیل کو مصریوں، اور فرعونیوں کے زیورات ملے تھے لیکن اس زمانے تک جس کا اب ہم ذکر کر رہے ہیں مسلمانوں کے قدموں پر صرف مصر ہی کی دولت نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایران کا سارا خزانہ قیصر کے مقبوضات کا بھی ایک بڑا حصہ ڈھیر لگ چکا تھا۔ دولت تھی جو کھچی چلی آتی تھی اطرافِ ارض سے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ صرف چالیس دن میں بنی اسرائیل کا جب وہ حال ہو گیا تھا تو مسلمانوں کا خدا جانے کیا ہوتا۔ لیکن یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کی برکت تھی کہ باوجود اس دولت و ثروت کے مسلمانوں میں انقلابی آثار شروع بھی ہوئے تو چالیس، دن نہیں سالہا سال یعنی پچیس سال کے بعد وہ بھی یہ پہلی نسل میں نہیں بلکہ پہلی نسلوں کے گزر لینے کے بعد جو اکثریت پچھلی نسلوں اور نومسلم بدویوں اور اعرابیوں کی قائم ہو گئی تب رنگ ضرور بدلا لیکن کتنا بدلا۔ کیا بنی اسرائیل کی طرح خود موسیٰ علیہ السلام کے دیکھنے والوں نے

عجل پرستی شروع کر دی شیطان اس سے مایوس ہو چکا تھا کہ عرب میں پھر پوجا جائے گا جیسا کہ صحیح حدیثوں میں مروی ہے بلکہ رنگ جو کچھ بھی بدلا تھا وہ یہی تھا کہ ایک بڑا طبقہ ان لوگوں کا مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا جس نے بجائے تسبیح و ذکر کے کثرت کے سلطنت و حکومت ہی کو اسلام کا واحد نصب العین قرار دیدیا بنی امیہ کے حالات جس کی شہادت ادا کر سکتے ہیں دین پر دنیا کو ترجیح دینے کی بدترین مثال اس سے زیادہ کیا ہو گی کہ دوسری نسل کا آدمی عمرو بن سعد صرف رے کی عملداری کی ہوس میں اپنے رسول علیہ السلام کے جگر گوشہ کے قتل سے نہ جھجکا۔

الغرض نبوت محمدیہ کے ہارون حضرت علی علیہ السلام کو ان ہی لوگوں کی اکثرت سے سابقہ پڑا ان لوگوں سے حضرت نے بھی وہی فرمایا جو ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرمایا تھا (انما فتنتم بہ) (یہ دنیاوی جاہ و جلال سلطنت و حکومت سے تم لوگ جانچے گئے ہو) لیکن ان کی بات بھی اکثریت کے لئے صدا بصحرا بن گئی۔ اسی کے دو دن کی بات نہ ان کو قاتلوا انفسکم کی سزا میں بنی اسرائیل مبتلا کئے گئے تو اس پر کیوں تعجب کیا گیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہارون کی نصیحت سے اعراض کا خمیازہ اسی فاقتلوا انفسکم کی شکل میں مسلمانوں کو بھگتنا پڑا بنی اسرائیل نے وہ لوگ جو اتخاذ عجل کئے دونوں نے ایک دوسرے کو اس طرح قتل کرنا شروع کیا کہ نہ باپ کی پرواہ کسی کو تھی نہ بھائی کی نہ بیٹے کی، اور یہی عمل ان کی توبہ قرار پایا تو لوگوں کو کیوں تعجب ہوا جب ہارونؑ اسلام کی نصیحتوں سے اعراض کرنے والوں کو بھی وہی کرنا پڑا جو بنی اسرائیل نے

کیا تھا۔ یا جمل وصفین میں اگر اسی قدر مسلمان شہید ہوئے جتنے بنی اسرائیل اپنی اس توبہ کے مقابلہ میں شہید ہوئے تھے ایک گروہ موجودہ مسلمانوں کا ہے اور یہ وہی ہے جس کی جاہوں میں صرف مسلمانوں کی دنیا کو اہمیت ہے وہی آج حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے شاکی ہے۔ لیکن جب قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی جو فاقتلوا انفسکم کا حکم دیا گیا تھا یہ ان کے لئے "شر" اور "برا" نہ تھا، بلکہ نص قطعی کی رو سے خیر" لکم عند بارئکم (بہتر ہی تمہارے خدا کے آگے) تھا تو ہم کیوں نہ سمجھیں کہ ہر مقابلہ یا آپس کی خانہ جنگی شر ہی نہیں ہوتی بلکہ اس سے بہتر نتائج بھی کبھی برآمد ہوتے ہیں جیسے اس قتل کی وجہ سے بنی اسرائیل میں جو مارے گئے تھے ان کے لئے شہادت ہوئی اور جو زندہ رہے ان کے لئے یہ باہمی مقاتلہ توبہ تھا (دیکھو تفاسیر ابن جریر در منثور)

بلا شبہ عہدِ مرتضوی کی اس باہمی جنگ سے سیاسی قوت مسلمانوں کی ضرور متاثر ہوئی۔ شاید دنیا اور زیادہ حاصل ہوتی اگر درمیان میں یہ صورت نہ پیش آتی تو مسلمان ساری دنیا کو فتح کر لیتے" ہو سکتا ہے کہ یہ صحیح ہو، میں کہتا ہوں کہ ہم اس دنیا کو لے کر کیا کرتے جس پر اپنے دین کو ہمیں قربان کرنا پڑتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشہور قول ہے جو حسنین علیہما السلام کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا تھا اما اللہ لقد ضربت منا الو ظہر البطن فما وجدت ابدا من قتال القوم الا الکفر بما انزل اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (الحاکم فی مستدرک

وازالۃ الخفا ج ۲) یعنی اس مسئلہ پر میں نے خوب غور کر لیا۔ اندر باہر سب کا اچھی طرح جائزہ لے لیا۔ کوئی چارہ اس کے سوا نظر نہیں آیا کہ یا لوگوں سے میں جنگ کروں یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا نے جو کچھ اتارا ہے اس سے کفر (انکار) کو بڑھتا ہوا چھوڑ دوں)

صاف معلوم ہو رہا ہے کہ القوم (عام مسلمانوں کی جو نسلیں اس وقت پیدا ہو گئی تھیں ان سے اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ کے لائے ہوئے پیغام کو چھوڑ بیٹھیں گی۔ ضرورت تھی کہ اس وقت ایک بڑا نشتر مسلمانوں کی دنیا کو دیا جائے تاکہ خون فاسد نکل کر دین کا توازن پھر قائم ہو جائے اور یہی ہوا بھی کہ باخودہا کی لڑائیوں کا جو قصہ عہد مرتضوی سے شروع ہوا اور میدان کربلا پر ختم ہوا۔ اس نے ارباب بینش کے سامنے الدنیا کے مفاسد کو کالشمس فی رابعۃ النہار کی طرح نمایاں کر دیا۔ سب نے دیکھ لیا کہ دنیا کا نشہ جب آدمی پر سوار ہوتا ہے تو وہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کی بے حرمتی کی پرواہ کرتا ہے نہ اپنے پیغمبر کے صحابیوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا خیال کرتا ہے نہ خدا کے گھر کعبۃ اللہ کا۔ اور آخر میں تو سب کی آنکھوں کے سامنے کربلا کا تماشہ پیش ہوا کہ رسول اللہ کے جگر گوشوں پر بھی دنیا مستوں کا دل نہ پسیجا۔ بلاشبہ فاقتلوا انفسکم کے اس منظر جاں گداز نے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ میں توبہ کا جذبہ پیدا کیا وہ دنیا سے پلٹ پڑے، پس حق تعالیٰ بھی ان کی طرف پلٹا اور تابعین اور ان کے بعد مسلسل مسلمانوں میں بڑے بڑے اولیاء اقطاب ایسی ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں ہیں کہ پہلی امتوں میں اگر ہوتیں

اور نبوت ختم نہ ہو جاتی تو جن جماعتوں کو ان سے ایمان و عمل میسر آیا ان کے لئے وہ شاید نبی ہی ہوتے۔ تاریخ اس کی شہادت ادا کر رہی ہے۔ خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے دعا فرمائی تھی "اشرکہ فی امری" (میرے کام میں علی کو شریک کیجئے) جیسے حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کے لئے کی تھی۔ تو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی مذہبی قیادت اور رہنمائی حضرت ہارون کی اولاد کرتی رہی کہ وہی لوگ کاہن ہوتے تھے اور کہانت انھیں کے خاندان کے ساتھ مخصوص تھی، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علیؓ سے نکاح کر کے یہ صورت جو پیدا کر دی کہ پیغمبر کی نسل حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وجہ سے دنیا میں باقی رہی۔ اسی بنیاد پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک کنیت دربار نبوت سے "ابو ولدی" عطا ہوئی۔ یعنی میری اولاد کے باپ علیؓ ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آئندہ اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ دوسرے علمی قانونی و سیاسی کاروبار میں مسلمانوں میں عموماً دوسری نسلوں سے متعلق رہے۔ بنی امیہ نے بنی عباس سے اور دوسروں سے نسبحک کثیرا ونذکرک کثیرا (تاکہ اے پروردگار ہم تیری پاکی خوب اچھی طرح جی بھر کر بیان کریں اور جی بھر کر ہم تجھے یاد کریں) یہ جو مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا تھا اس مقصد پر مسلمانوں کو لانے والے ہر زمانہ میں زیادہ تر وہی لوگ رہے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خون مقدس کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا خون بھی شریک تھا۔ یعنی آل فاطمہؓ۔ صوفیہ کرام (جو تسبیح و ذکر کے نصب العین اور

اسلام کے علمبردار ہیں) تاریخ اٹھا کر دیکھ جائیے ان میں زیادہ تر آپ کو آلِ فاطمہ ہی نظر آئیں گے۔ ہر ملک میں، عرب میں، مصر میں، ایران میں، ترکستان میں، ہندوستان میں، شاید وہ جو حدیثوں میں ہے "میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جاتا ہوں" "کتاب اللہ وعترتی" اور یہ کہ دونوں ایک دوسرے سے اس وقت تک الگ نہ ہوں گے جب تک حوض پر آ کر مجھ سے ملاقی نہ ہوں۔ اس میں اسی مسئلہ کی طرف غالباً اشارہ ہے کہ قرآن کی عملی شکل زیادہ تر عترت طیبہ میں پائی جائے گی۔ الغرض یوں قدرت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا اسلام کے ہارون کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر (کثرت تسبیح وکثرت ذکر) میں قیامت تک کے لئے شریک کر دیا۔ اور یوں بھی تو صوفیہ کے اکثر خانوادے بالآخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی پر ختم ہوتے ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کی فقہ کی وہ شکل جس کی اکثریت متبع ہے۔ یعنی حنفی فقہ جاننے والے جانتے ہیں کہ اس فقہ کی بنیاد میں بھی زیادہ تر ہاتھ حضرت والا ہی کا ہے۔ اکرم اللہ۔

مزہ کی رات

شب قدر

از مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی

جمعرات کا دن ہے، شام ہو چکی ہے، مکتب کا بچہ اس وقت کیسا خوش اور بشاش نظر آرہا ہے کہ کل جمعہ ہے، دن بھر کھیلنے کودنے کی آزادی رہے گی۔ آج کی رات اس کے لئے کس مزہ کی رات ہے؟ ہفتہ کا دن ہے آفتاب غروب ہو چکا ہے۔ انگریزی اسکول کا لڑکا اس وقت کیسا مسرور نظر آرہا ہے کہ کل نہ ماسٹر کا سامنا کرنا پڑے گا، نہ اسکول میں حاضری دینی پڑے گی، اتوار کی رات اس کے لئے کیسے مزہ کی رات ہے! گھر میں کل تقریب ہونیوالی ہے۔ اس طلوع ہونیوالی صبح کی خوشی میں آج شام ہی سے سارے گھرانے میں کیسی چہل پہل نظر آرہی ہے اور گھر کے بوڑھوں بچوں کے لئے یہ رات کیسی مسرت کی رات ہے؟ وطن اور خاندان کے پیاروں کو چھوڑے ہوئے ایک مسافر مدت سے سفر میں تھا، سالہا سال کے بعد واپسی کی نوبت آتی ہے۔ کل صبح گھر پہنچنے کی اطلاع آئی ہے۔ بوڑھے ماں باپ، ننھے بچے، نوجوان بیوی، سب کے لئے آج کی رات

کس لطف و مسرت شوق و اشتیاق کی رات ہے؟

افراد و اشخاص سے گزر کر جماعتوں اور قوموں کے لئے بھی مسرت کی راتیں آتی رہتی ہیں، کل نئے بادشاہ کی تاج پوشی کی تاریخ ہے، رعایا کو انعام و اکرام تقسیم ہوں گے آج شام ہی سے ہر طرف زینت و آرائش، طرب و آراستگی کے سامان شروع ہو گئے ہیں اور سارا شہر دلہن بنا ہوا ہے، رعایا کے لئے آج کی رات کس مسرت کی رات ہے! قومی حکومت کو ابھی ابھی ایک پر قوت غنیم کے مقابلہ میں فتح عظیم حاصل ہوئی ہے کل جشن فتحیابی کی تاریخ ہے، آج شام ہی سے ہر طرف مسرت کے شادیانے اور شادمانی کے باجے بج رہے ہیں، آج کی رات ملک کی تاریخ میں فخر و مسرت کی رات ہے! ماہ رمضان کی آخری تاریخ گزر چکی ہے شام کو چاند دیکھا جا چکا ہے صبح عید ہو گی، آج کی رات ساری مسلم قوم کے لئے کیسے لطف و مسرت کی رات ہے اور ہر مسلمان کل کے لئے آج رات میں اپنی اپنی حیثیت و بساط کے مطابق کیسی تیاریاں کر رہا ہے!

لیکن اس قسم کی ساری مسرتوں کی کیا بساط ہے محض چند لمحہ اور چند گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ چند روز۔ کیا انسان کی قسمت میں مسرت کا حصہ اس سے زائد نہیں؟ کیا ان آنی و فوری، عارضی، بے ثبات و ناپائدار، مسرتوں کے علاوہ کوئی پائدار، مستقل و ابدی مسرت انسانی قسمت کا حصہ نہیں؟ کیا مسرت کے سرچشمہ تک رسائی انسان کی دسترس سے باہر ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ انسان کو ان ساری عارضی مسرتوں کا اصلی راز دریافت ہو جائے اور اس حقیقی مسرت کا نشان دستیاب ہو جائے جو کسی خاص قوم، کسی خاص ملک، کسی خاص موسم، کسی خاص زمانہ تک

محدود نہ ہو؟ اور جو یہاں اور وہاں، آج اور کل، زمان و مکان کے قیود سے بالکل بالاتر ہو؟ بلکہ جس سے ہر قوم اور ہر ملک کا انسان، ہر زمانہ اور ہر موسم میں ہمیشہ کے لئے لذت یاب ہو سکے؟

دنیا اپنے وجود کی منزلیں طے کر رہی ہے، عالم انسانیت اپنے سفرِ ہستی پر رواں ہے پر نسل انسانی ابھی تک ایک جامع ہمہ گیر دمشترک زندگی کے مفہوم سے ناآشنا ہے، نوع انسانی، مختلف قوموں، قبیلوں اور ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے اور ابوالبشر کی ذرّیت بے شمار حصوں اور شاخوں میں تقسیم ہے، تنگ و تاریک ناہموار و پرخار پگڈنڈیاں بہت سی ہیں جن پر مختلف گروہ الگ الگ سفر کر رہے ہیں۔ لیکن کوئی ایک وسیع و ہموار صاف و روشن شاہراہ اب تک موجود نہیں جس پر سارا کاروانِ انسانی بے خوف و خطر سفر کر سکے۔ تارے آسمان پر چھٹکے ہوئے ہیں، ان کی جھلملاتی روشنی تاریکی دور کرنے کی کوشش میں برابر لگی ہوئی ہے، لیکن بدر کامل جو ساری فضا کو ایک بارگی منور کر دے، آنکھیں ابھی تک اس انتظار میں ہیں۔ یہاں تک کہ محاسب فطرت کے اندازہ میں وہ وقت آجاتا ہے کہ بکھرے ہوئے موتیوں کو لڑی میں پرو کر وحدت انسانی کی تنظیم کی جائے۔ اب وہ دور شروع ہونے کو ہے جب زمانۂ قدیم کی باہمی اجنبیت و بے تعلقی دور ہو کر رہے گی۔ جب وسائل سفر کی سہولتیں "بعد المشرقین" کے لفظ کو بے مفہوم بنا دیں گی اور جب تمدن جدید، مشرق کا ڈنڈا مغرب سے ملا کر رہے گا۔ جزئی مسرتوں کی آمد خانگی راحتوں کی توقع، قومی تقریبوں کی نزدیکی، طبیعتوں میں کیسا انبساط پیدا کر دیتی ہے، دلوں کی کلیوں کو کیسا کھلا کر

رکھتی ہے، جماعتوں اور قوموں میں مسرت اور شادمانی کی کیسی لہریں دوڑا دیتی ہے پھر ایسی مسرت جو تمام مسرتوں کی جڑ ہو، وہ راحت جو ہر راحت کے قانون کو واضح کردے، وہ لطف جو کبھی نہ فنا ہونے والے لطف کا راز بتا دے، جب اس کی آمد ہو، جب اس کا طلوع ہو رہا ہو تو کیونکر ممکن ہے کہ کوئی چند افراد نہیں کوئی ایک قوم نہیں، بلکہ ساری دنیا سارا عالم انسانیت ساری نسل بشری اس کی پیشوائی اس کے استقبال، اس کے خیر مقدم کے لئے ایک سراپا مسرت وشادمانی نہ بن جائے؟

پھول بہار ہی میں کھلتے ہیں اور غنچے بہار ہی میں پھوٹتے ہیں، گلستانِ دہر اور چمنِ حیات کے اس سب سے زیادہ خوش رنگ شاداب اور دلکش پھول کے لئے کیونکر ممکن تھا کہ بجز موسم گل وفصل بہار کے کسی اور وقت کھلتا؟ چنانچہ خود صدق مطلق کی لسان حق کا بیان ہے کہ عین اسی موسم میں جو ازل سے نعمتوں اور برکتوں کی بارش کے لئے مخصوص ہو چکا تھا، گلشن کائنات کے اس سدا بہار پھول نے اپنی عطر بیزیوں سے اہل ذوق کے مشام جاں کو معطر کیا شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (یہ رمضان کا ہی مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا)

غرض فطرت کے اندازہ میں جب انسانیت کی عمر اپنے بلوغ وپختگی کو پہنچ گئی جب نوع انسانی میں اس سب سے بڑی دولت ونعمت کے اٹھانے کی صلاحیت آگئی تو اس وقت ایک مبارک مہینہ کی مبارک تر شب میں جبکہ دنیا سو رہی تھی پر دنیا کا نصیب جاگ رہا تھا، جب کہ نوع کی آنکھیں خواب گراں سے بند تھیں پر ایک خیر البشر ہستی کی آنکھیں اس کے دل کی طرح بیدار تھیں، آسمانِ دنیا پر

بدرکامل طلوع ہوا اور دنیا کی ہدایت کے لئے ایک مکمل ہدایت نامہ، مخلوق کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ایک جامع دستور العمل انسان کو تکمیل و ترقی کی انتہائی صورتوں تک پہنچانے کے لئے ایک کامل نظام نامہ مسرت کے بھوکے کو ابدی مسرت و راحت اور دائمی لطف و لذت کی منزل دکھا دینے کا قطعی و بے خطا قانون نازل ہونا شروع ہو گیا۔ یہ وہ مقدس رات ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ یہ وہ مبارک رات ہے جس میں انا انزلناہ فی لیلۃ القدر ہر شئے کا اندازہ کر کے اس کی بابت احکام صادر کر دیئے گئے۔ یہ وہ بزرگ و برتر شب ہے جس میں خالق نے مخلوق کے سامنے اسرار حیات کو بے نقاب کر دیا۔ یہ وہ پاکیزہ رات ہے جس میں خیر و برکت کا نزول اپنی انتہائی اور آخری صورتوں میں عرش سے فرش خاک پر ہونا شروع ہو گیا۔ غافل انسان کو اس رات کی فضیلت، اس رات کی اہمیت، اس رات وما ادراک ما لیلۃ القدر کی عظمت کا کچھ اندازہ ہے؟ بے خبر انسان کو کچھ اس کا احساس ہے کہ نظام تکوین میں اس رات کو کیا بڑائی کیا برتری اور کیا سروری حاصل ہے؟

جس وقت خزانہ فطرت کی یہ سب سے بڑی دولت لٹائی جا رہی تھی جس وقت شاہد حقیقی نے اپنے انوار جمال کے ساتھ اپنے کو بے نقاب کر دیا تھا۔ کیا جاہل انسان اس رات کو بھی ہر معمولی رات پر قیاس کرتا ہے؟ کیا وہ رات بھی ایسی ہی رات تھی جیسی ہر چند گھنٹوں کے بعد آفتاب کے چھپ جانے پر پیدا ہوتی رہتی ہے؟ یہ تو وہ مبارک گھڑیاں تھیں جو دوبارہ اس عالم میں نہ آئیں گی۔

لیلۃ القدر خیر من الف شھر - اس رات پر ہر معمولی رات ہی نہیں دس بیس راتیں ہی نہیں، سو پچاس دن ہی نہیں، ہفتہ ہی نہیں، مہینہ ہی نہیں ہزار مہینے، ہزاروں ہزار مہینے نثار ہیں، دنیا میں ایک ذہین اور خوش دماغ شخص کسی خاص صنفِ مادیات سے متعلق بعض جزئیات کو مرتب کر کے کچھ اصول و کلیات وضع کر جاتا ہے، ان میں سب سے بہتر اصول و کلیات دوسرے ذہین و خوش دماغ انسانوں کے نزدیک غلط و ناقص ثابت ہوتے ہیں، با ایں ہمہ اس شخص کو کتنا بڑا درجہ دیا جاتا ہے، اسے امام فن و مجتہد قرار دیا جاتا ہے اس کی یادگاروں پر یادگاریں قائم کی جاتی ہیں! جب خطا کار و غلط شعار بندوں کے ناقص کارناموں کی یہ داد ملتی ہے تو خطا و نقصان کے امکان سے برتر اور کسی ایک قوم و زمانہ کو نہیں بلکہ ہر ملک ہر قوم ہر زمانہ کی انسانی آبادی کو حیات انسانی کا راز بتانے والی ربوبیت کا گر سکھانے والی مخلوق کو خالق سے ملانے والی کتاب کے نزول کی تاریخ کی کائنات میں جو اہمیت ہے اس کی عظمت کس پیمانہ سے ناپی جا سکتی ہے؟ خلقت کائنات کی غایت اس شب مبارک میں پوری ہوئی۔ جمال حقیقی نے اسی شب میں خاکدان ارض پر تجلی فرمائی۔ اس رات کا مزہ اس شب کی حلاوت کوئی غار حرا کے اس کمل پوش کے دل سے پوچھے جس کا سینہ ان تجلیات کے لئے طور سینا بنا یا گیا!

جس بخشش والی سرکار نے اپنی ادنیٰ سی ادنیٰ نعمتوں کی مستقل یادگاریں قائم کر دیں ہیں، کیونکر ممکن تھا کہ اس کے ہاں سے اس سب سے بڑی

نعمت کو بے یادگار رہنے دیا جاتا۔ چاند کی ہر سالانہ گردش کے ساتھ جب پھر وہ مبارک رات آتی ہے۔ جب زمین پر آسمان سے روحانی بارش کا نزول ہوا تھا، جب افراد و اقوام دونوں کو زندگی بخشنے والے قانون کی عام منادی کی گئی تھی، جب خزانۂ خیر و برکت کی کنجیاں خاک کے پتلوں کے ہاتھ میں دیدی گئی تھیں، تو اس شب مبارک اس ساعت سعید کی یاد میں ایک بار پھر خیر و برکت کا خزانہ وقفِ عام کر دیا جاتا ہے۔ رحمت و مغفرت کی گھٹائیں پھر امنڈ امنڈ کر برسنے لگتی ہیں۔ زمین والوں کے دلوں کی کھیتیاں پھر ہری ہونے لگتی ہیں۔ کثیف مادی آنکھوں سے وہ نہ نظر آنے والی لطیف ہستیاں جو انسان میں نیکی کی تحریک پیدا کرتی رہتی ہیں، پھر اپنی نورانیت سے جسم انسانی کو مس کرنے لگتی ہیں، روحانیت پھر تازہ قوت کے ساتھ اپنے تئیں پیش کرنے لگتی ہے۔

تنزل الملئکة والروح فیها باذن ربهم من کل امر سلٰم هی حتیٰ مطلع الفجر

سلامتی کی راہیں ہر طرف کھلی جاتی ہیں اور ربوبیت کے یہ سارے کرشمے اس کے حکم و اجازت سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں، جو خود سب کا "رب" ہے، جو اپنی ہر مخلوق کو اس کی تکمیل کی انتہائی صورتوں تک پہنچانے والا، اور اس کے نشوونما کے ہر سامان کو فراہم کرنے کا ضامن ہے اور خیر و برکت کی اس بارش کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ ہر شخص منبع انوار کا طلوع اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے! جس شب کی عظمت کا خاتمہ اس نورانیت کبریٰ پر ہو اس کی محبوبیت اس کی حلاوتوں اس کی

مزیداریوں کا بیان لفظ وعبارت کے محدود قالب میں کیونکر سما سکتا ہے۔

جسم ومادہ کی کثافتوں میں گرفتار رہنے والوں کی قسمت میں اس دولتِ دیدار سے مشرف ہونا نہیں اس کی صلاحیت صرف انھیں میں پیدا ہوسکتی ہے جو ہفتوں کے ضبط واحتیاط صوم وصبر، بھوک اور پیاس، تلاوت وتہجد اور اعضاء وجوارح کی بے لوثی سے قلب میں گداز، طبیعت میں لطافت اور عالمِ روحانیت سے کچھ تو مناسبت پیدا کر چکے ہوں۔ مبارک ہیں وہ آنکھیں جو تین تین ہفتہ کے روزہ کے بعد، ماہِ مبارک کے آخری عشرۂ مبارک کی مبارک راتوں میں اس شب مبارک کی تلاش وجستجو، انتظار واشتیاق میں نیند اور آرام کو بھولی ہوئی، ساری ساری رات کھلی رہتی ہیں غیب ہمیشہ غیب نہیں رہے گا، عنقریب شہود میں تبدیل ہو کر رہے گا۔ شب کی ظلمتوں کی جگہ عنقریب انوار صبح کے کر رہیں گے۔ اس وقت دن کی روشنی میں سب کو نظر آجائے گا کہ رات کی محنت لاحاصل اور بے نتیجہ نہ تھی۔

عید الفطر

از مولانا ابو الکلام صاحب آزاد

عید آمد و افزود غم را غم دیگر
ماتم زدہ را عید بود ماتم دیگر

دنیا کی ہر قوم کے لئے سال بھر میں دو چار دن ایسے ضرور آتے ہیں جن کو وہ اپنے قومی جشن کی یادگار سمجھ کر عزیز رکھتی ہے اور قوم کے ہر فرد کے لئے ان کے دورۂ عیش و نشاط کا دروازہ کھولدیتا ہے، مسلمانوں کا جشن اور ماتم، خوشی اور غم، مرنا اور جینا جو کچھ تھا خدا کے لئے تھا:۔

قل ان صلاتی و نسکی ومحیای	کہہ دے کہ میری نماز میری تمام عبادت
ومماتی للہ رب العالمین	میرا مرنا، میرا جینا، جو کچھ ہے اللہ کے لئے
لاشریک لہ بذلک امرت وانا	ہے، جو تمام جہان کا پروردگار ہے
اول المسلمین (۱۶۱-۶۲)	اور جس کا کوئی شریک نہیں، مجھ کو

ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں پہلا مسلمان ہوں۔

اوروں کا جشن ونشاط، لذائذ دنیوی کے حصول اور انسانی خواہشوں کی کامجوئیوں میں تھا۔ مگر ان کے ارادے مشیت الٰہی کے ماتحت اور خواہشیں رضائے الٰہی کی محکوم تھیں۔ ان کے لئے سب سے بڑا ماتم یہ تھا کہ دل اس کی یاد سے غافل اور زبان اس کے ذکر سے محروم ہو جائے اور سب سے بڑا جشن یہ تھا کہ سر اس کی طاعت میں جھکا ہو اور زبان اس کی حمد و تقدیس سے لذت یاب ہو۔

انما یومن بایاتنا الذین	ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لائے ہیں،
اذا ذکروا بھا خروا	کہ جب ان کو وہ یاد دلائی جاتی ہیں تو سجدے میں
سجدا وسبحوا بحمد ربھم	گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے
وھم لا یستکبرون،	ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور کسی طرح کا
تتجافی جنوبھم عن	تکبر اور بڑائی نہیں کرتے۔ رات کو جب
المضاجع یدعون	سوتے ہیں تو ان کے پہلو بستروں سے آشنا
ربھم خوفا وطمعا۔	نہیں ہوتے اور امید و بیم کے عالم میں کروٹیں

لے کر اپنے پروردگار سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

ان کو پیشگاہ الٰہی سے طاعت و شکر گزاری کے جشن کے لئے دو دن ملے تھے پہلا دن (عید الفطر) کا تھا، یہ اس ماہ مقدس کے اختتام کا افضال الٰہی کے دور جدید کے اولین یوم کا جشن تھا جس میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام سے ان کو مخاطب فرمایا:۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ	رمضان شریف کا مہینہ جس میں قرآن کریم
القرآن۔	اوّل اوّل نازل کیا گیا۔

اسی مہینے کے آخری عشرے میں سب سے پہلے انھیں وہ نور صداقت

اور کتاب مبین دی گئی، جس نے انسانی معتقدات و اعمال کی تمام ظلمتوں کو دور کیا اور ایک روشن اور سیدھی راہ دنیا کے سامنے کھول دی۔

لقد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام۔

بیشک! خدا کی طرف سے تمہارے پاس (قرآن) ایک روشنی اور کھلی کھلی ہدایت بخشنے والی کتاب آ چکی ہے۔ اللہ اس کے ذریعہ اپنی رضا چاہنے والوں کو سلامتی کی راہوں پر ہدایت کرتا ہے (۵: ۱۸)

انسانی ضمیر کی روشنی جبکہ ظلمت ضلالت سے چھپ گئی تھی۔ فطرت کے حسنِ اصلی پر جب انسان نے بداعمالیوں کے پردے ڈال دیئے تھے۔ قوانین الٰہی کا احترام اٹھ گیا تھا اور طغیانِ سرکشی کے سیلاب میں خدا کے رسولوں کی بنائی ہوئی عمارتیں بہہ رہی تھیں۔

ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔

خشکی اور تری دونوں میں انسانوں کے اعمالِ بد کی وجہ سے فساد پھیل گیا (۳۰: ۴)

اس وقت یہ پیغام صداقت دنیا کے لئے نجات اور ہدایت کی ایک بشارت بن کر آیا۔ اس نے جہل و باطل پرستی کی غلامی سے دنیا کو دائمی نجات دلائی، افضال و نعائم الٰہیہ کے فتح باب کا مژدہ سنایا، نئی عمارت گو خود نہیں بنائی، مگر پرانی عمارتوں کو ہمیشہ کے لئے مضبوط کر دیا، نئی تعلیم گو نہیں لایا، لیکن پرانی تعلیموں میں بقائے دوام کی روح پھونک دی مختصر یہ ہے کہ فطرت اور نوامیس فطرت کی گم شدہ حکومت پھر قائم ہو گئی۔

فطرۃ اللہ التی فطر الناس

یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے

علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لایعلمون۔

انسان کو پیدا کیا ہے خدا کی بنائی ہوئی بناوٹ میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ یہی (راہ فطرت) دین کا سیدھا راستہ ہے مگر اکثر آدمی ہیں جو نہیں سمجھے (۳۰:۲۹)

یہی مہینہ تھا جس میں دنیا کے روحانی نظام پر ایک عظیم الشان انقلاب طاری ہوا اسی مہینہ میں وہ عجیب و غریب رات آئی تھی جس نے اس انقلاب عظیم کا ہمیشہ کے لئے ایک اندازہ صحیح کر کے فیصلہ کر دیا تھا اور اسی لئے وہ (لیلۃ القدر) تھی۔ اس کی نسبت فرمایا کہ وہ گزشتہ رسولوں کی ہدایتوں کے ہزار مہینوں سے افضل ہے کیوں کہ ان مہینوں کے اندر دنیا کو جو کچھ دیا گیا وہ سب کچھ مع خدا کی نئی نعمتوں اور عطا کردہ فضلوں کے اس رات کے اندر بخش دیا گیا۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراک ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر۔

قرآن کریم نازل کیا گیا تھا لیلۃ القدر میں اور تم جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا ہے یہ ایک ایسی رات ہے جو دنیا کے ہزار مہینوں پر افضلیت رکھتی ہے (۱:۷)

یہی رات تھی جس میں ارض الٰہی کی روحانی اور جسمانی خلافت کا ورثہ ایک قوم سے لے کر دوسری قوم کو دیا گیا۔ اور یہ اس قانونِ الٰہی کے ماتحت ہوا جس کی خبر (داؤد) علیہ السلام کو دی گئی تھی۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون۔

اور ہم نے (زبور) میں پند و نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ بیشک زمین کی خلافت کے ہمارے صالح بندے وارث ہوں گے (۲۱:۱۰۶)

اس قانون کے مطابق دو ہزار برس تک (بنی اسرائیل) زمین کی وراثت پر قابض رہے اور خدا نے ان کی حکومتوں، ان کے ملکوں۔ اور ان کے خاندانوں کو تمام عالم پر فضیلت دی۔

یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم و انی فضلتکم علی العالمین۔	اے بنی اسرائیل! ان نعمتوں کو یاد کرو جو ہم نے تم پر انعام کیں اور (نیز) ہم نے تم کو (اپنی خلافت دیکر) تمام عالم پر فضیلت بخشی (۱۲: ۴۴)

یہی مہینہ اور یہی لیلۃ القدر تھی جس میں اس الٰہی قانون کے مطابق نیابت الٰہی کا ورثہ (بنی اسرائیل) سے لے کر (بنی اسمٰعیل) کو سپرد کیا گیا۔ وہ پیمانِ محبت جو خداوند نے بیابان میں (اسحاق) سے باندھا تھا۔ وہ پیغامِ بشارت جو (یعقوب) کے گھرانے کو کنعان سے ہجرت کرتے ہوئے سنایا گیا تھا۔ وہ الٰہی رشتہ جو (کوہ سینا) کے دامن میں خدا نے ابراہیم و اسحاق (بزرگ موسیٰ) کی امت سے جوڑا تھا۔ اور سرزمین فراعنہ کی غلامی سے ان کو نجات دلائی تھی خدا کی طرف سے نہیں بلکہ خود ان کی طرف سے توڑ دیا گیا تھا (داؤد) کے بنائے ہوئے (ہیکل) کا دورِ عظمت ختم ہو چکا تھا اور وقت آگیا تھا کہ اب (اسمٰعیل) کی چنی ہوئی دیواروں پر خدا کا تختِ جلال و کبریائی بچھایا جائے، یہ نصب و عزل، عزت و ذلت قرب و بعد اور ہجر و وصال کی رات تھی، جس میں ایک محروم اور دوسرا کامیاب ہوا ایک کو دائمی ہجر کی سرگشتگی اور دوسرے کو ہمیشہ کے نئے وصل کی کامرانی عطا کی گئی۔ ایک کا بھرا ہوا دامن خالی ہو گیا۔ مگر دوسرے کی آستین افلاس سے بھر دی گئی۔ ایک پر قہر و غضب کا عتاب نازل ہوا۔

ضربت علیهم الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب من اللہ۔ — بنی اسرائیل کو (ان کی نافرمانیوں کی سزا میں) ذلت اور محتاجی میں مبتلا کر دیا گیا اور وہ اللہ کے بھیجے ہوئے غضب میں آ گئے (۲: ۵۹)

لیکن دوسرے کو اس محبت کے خطاب سے سرفراز کیا۔

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبل۔ — تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل بھی اچھے کئے خدا کا ان سے وعدہ ہے کہ ان کو زمین کی خلافت بخشے گا جس طرح ان سے پیشتر کی قوموں کو اس نے بخشی تھی (۲۴: ۵۴)

یہ اس لئے ہوا کہ زمین کی وراثت کے لئے عبادی الصٰلحین کی شرط لگا دی تھی بنی اسرائیل نے خدا کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ اس کی نشانیوں کو جھٹلایا اس کے احکام سے سرتابی کی۔ اس کی بخشی ہوئی اعلیٰ نعمتوں کو اپنے نفسِ ذلیل کی بتلائی ہوئی ادنیٰ چیزوں سے بدل دینا چاہا۔

اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر؟ — خدا کی دی ہوئی اعلیٰ نعمتوں کے بدلے تم ایسی چیزوں کے طالب ہو جو ان کے مقابلہ میں نہایت ادنیٰ ہیں۔

خدائے قدوس کی زمین کثافت اور گندگی کے لئے نہیں ہے وہ اپنے بندوں میں سے جماعتوں کو چن لیتا ہے تاکہ اس کی طہارت کے لئے ذمہ دار ہوں لیکن جب خود ان کا وجود زمین کی طہارت و نظافت کے لئے گندگی ہو جاتا ہے تو غیرتِ الٰہی اس بار آلودگی سے اپنی زمین کو ہلکا کر دیتی ہے، بنی اسرائیل نے اپنے عصیان و تمرد سے ارضِ الٰہی کی طہارت کو جب داغ لگا دیا تو اس کی رحمتِ غیور نے

کوہِ سینا کے دامن کی جگہ بو قبیس کی وادی کو اپنا گھر بنایا اور شام کے مرغزاروں سے روٹھ کر حجاز کے ریگستان سے اپنا رشتہ قائم کیا تا کہ آزمایا جائے کہ یہ نئی قوم اپنے اعمال سے کہاں تک اس منصب کی اہلیت ثابت کرتی ہے؟

ثم جعلناکم خلائف فی الارض لننظر من بعدھم کیف تعملون؟	اور بنی اسرائیل کے بعد پھر ہم نے تم کو زمین کی وراثت دی تا کہ دیکھیں کہ تمہارے اعمال کیسے ہوتے ہیں؟ (۱۰: ۱۵)

پس یہ مہینہ بنی اسرائیل کی عظمت کے اختتام اور مسلمانوں کے اقبال کا آغاز تھا۔ اور اس نئے دورِ اقبال کا پہلا مہینہ (شوال) سے شروع ہوتا تھا اس لئے اس کے یوم ورود کو (عید الفطر) کا جشنِ ملی قرار دیا۔ تا کہ افضال الٰہی کے ظہور اور قرآن کریم کے نزول کی یاد ہمیشہ قائم رکھی جائے اور اس احسان و انعام کے شکریہ میں تمام ملتِ مرحومہ اس کے سامنے سربسجود رہے۔

واذکروا اذا انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاواکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبات لعلکم تشکرون۔	اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم نہایت کم تعداد اور کمزور تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں زبردستی پکڑ کر اڑا نہ لے جائیں لیکن خدا نے تم کو جگہ دی۔ اپنی نصرت سے مدد کی، عمدہ رزق تمہارے لئے تھا کہ تم شکر ادا کرو۔ (۸: ۲۶)

مگر یہ عید الفطر کا جشن ملی! یہ ورود ذکر ورحمت الٰہی کی یادگار! یہ سربلندی وافتخار کی بخشش کا یادآور! یہ یوم کامرانی وفیروزی و شادمانی! اس وقت تک کیلئے

عیش و سرود کا دن تھا جب تک ہمارے سر تاجِ خلافت سے سربلند ہونے کے لئے تھے اور جسم خلعتِ نیابت سے مفتخر ہونے کے لئے۔ عزت و عظمت جب ہمارے ساتھ تھی اور اقبال و کامرانی ہمارے آگے دوڑتی تھی۔ خدا کی نعمتوں کا ہم پر سایہ تھا اور اللہ کی بخشی ہوئی خلافت کے تخت جلال پر متمکن تھے۔ لیکن اب ہمارے اقبال و کامرانی کا تذکرہ صفحات تاریخ کا ایک افسانۂ ماضی رہ گیا ہے۔

دنیا کی اور قومیں ہمارے لئے وسیلۂ عبرت تھیں لیکن اب خود ہمارے اقبال و ادبار کی حکایت اوروں کے لئے مثالِ عبرت ہے۔ ہم نے خدا کی دی ہوئی عزت و کامرانی کو ہوائے نفس کی بتلائی ہوئی راہ مذلت سے بدل لیا اس کے عطا کئے ہوئے منصبِ خلافت کی قدر نہ پہچانی اور زمین کی وراثت و نیابت کا خلعت ہم کو راس نہ آیا۔ اب ہماری عید کی خوشیوں کے دن گئے عیش و عشرت کا دور ختم ہوگیا۔ اب عید کے عیش و طرب کی صحبتیں ان قوموں کو مبارک ہوں جن کی عبرت و تنبیہ کے لئے اب تک ہمارا وجود بار زمین ہے ان کو خوش نصیب سمجھئے جو اپنے دورِ اقبال کے ساتھ خود بھی مٹ گئے۔ ہمارا اقبال جا چکا ہے مگر ہم خود اب تک دنیا میں باقی ہیں شاید اس لئے کہ غیروں کے طعنے سنیں اور اپنی ذلت و خواری پر آنسو بہا کر قوموں کے لئے وجہ عبرت ہوں ؎

در کارِ ماست نالہ و من در ہوائے او
پروانۂ چراغ مزارِ خودیم ما

اس دن کی یادگار ہمارے لئے جشن و طرب کا پیغام تھی، کیونکہ یہی دن ہمارے صحیفۂ اقبال کا صفحۂ اولین تھا اور اسی تاریخ سے ہمارے ہاتھوں قرآنی حکومت کا دورِ جدید قلوب و اجسام کی زمین پر شروع ہوا تھا اس دن کا طلوع ہم کو یاد دلاتا تھا کہ بداعمالیوں نے کیونکر بنی اسرائیل کو دو ہزار سالہ عظمت سے محروم کیا اور اعمالِ حسنہ کے شرف و افتخار نے کیونکر ہمیں برکاتِ الٰہی کا مہبط و مورد بنایا؟ اس دن کا آفتاب جب نکلتا تھا تو ہمیں خبر دیتا تھا کہ کس طرح خدا کی زمین نافرمانیوں کی ظلمت سے تاریک ہو گئی تھی۔ اور پھر کس طرح ہمارے اعمال کی روشنی افقِ عالم پر نیرِ درخشاں بن کر نمودار ہوئی تھی! لیکن۔

فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰة واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا۔	پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے خدا کی عبادت کو ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے۔ پس بہت جلد ان کی گمراہی ان کے آگے آ ئے گی (۱۹: ۶)

اب یہ روز یادگار اگر یادگار ہے تو عیش و شادمانی کے لئے نہیں بلکہ حسرت و نامرادی کے لئے۔ اگر یادآور واقعات ہیں تو عطا و بخشش کی فیروزمندی کے لئے نہیں بلکہ ناقدری و کفرانِ نعمت کی مایوسی و حسرت سنجی کے لئے۔ پہلے اس کامرانی کی یاد تھا کہ ہم دولتِ قبولیت سے سرفراز ہوئے مگر اب اس نامرادی کی حسرت کو تازہ کرتا ہے کہ ہم نے اس کی قدر نہ کی۔ ذلت و عقوبت سے دوچار ہیں پہلے اس وقت سعادت کی یاد تازہ کرتا تھا

جو ہماری دولت و اقبال کا آغاز تھا۔ اور اب اس دورِ مسکنت و ذلت کا زخم تازہ کرتا ہے جو ہماری عزت و کامرانی کا انجام ہے؛ پہلے یکسر جشن و نشاط تھا مگر اب یکسر ماتم و حسرت ہے۔ جشن تھا تو قرآن کریم کے نزول کی یادگار کا۔ جس نے پہلے ہی دن اعلان کر دیا تھا کہ:۔

یا ایہا الذین اٰمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا۔	اے مسلمانو! اگر تم خدا سے ڈرتے رہے (اور اس کے احکام سے سرتابی نہ کی) تو وہ تمام عالم میں تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کر دے گا۔

اور اب ماتم ہے تو اسی قرآن کی اس پیشین گوئی کے ظہور کا کہ

ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا (۲۰:۱۲۴)	اور جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اس کی زندگی دنیا میں تنگ ہو جائے گی۔

پہلے اس بشارت کو یاد کر کے جشن مناتے تھے اور اب وہ وقت ہے کہ اس کی وعید کے نتائج کو گرد و پیش دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ اب عید کا دن ہمارے لئے عیش و نشاط کا دن نہیں رہا۔ البتہ عبرت و موعظت کی ایک یادگار ضرور ہے۔

وکذلک انزلناہ قرآنا عربیا وصرفنا فیہ من الوعید لعلھم یتقون او یحدث لھم ذکرا۔	ایسا ہی ہم نے قرآن مجید کو عربی زبان میں نازل کیا اور اس میں طرح طرح کی وعیدیں دہرائیں تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا اس کے ذریعہ سے ان کے دلوں میں عبرت و غور و فکر پیدا ہو (۲۰:۱۱۳)

دنیا میں عیش کی گھڑیاں کم میسر آتی ہیں پھر سال بھر کے اس تنہا جشن کو کیوں نہ عزیز رکھا جائے! میں بھی نہیں چاہتا کہ آپ عید کی خوشیوں میں سرمست اور عیش و نشاط ہوں اور میں افسانۂ غم چھیڑ کر آپ کے لذتِ عیش کو منغص کردوں مگر یقین کیجئے کہ اپنے دلِ اندوہ پرست کی بےقراریوں سے مجبور ہوں۔ قاعدہ ہے کہ ایک غمگین دل کے لئے عیش کی گھڑیوں سے بڑھ کر اور کوئی وقت غم کے حوادث کا یاد آور نہیں ہوتا ایک غم زدہ ماں جو سال بھر کے اندر اپنے کئی فرزندوں کو کھو چکی ہو اگر عید کے دن اس کو اپنی بقیہ اولاد کے چہرے دیکھ کر خوشی ہوگی تو ایک ایک کر کے اس کے گم گشتہ لختِ جگر بھی سامنے آجائیں گے ایک بدبخت جو اپنا تمام مال و متاع غفلت و بیہوشی میں ضائع کر چکا ہو، عید کے دن جب لوگوں کی زریں قباؤں اور پرجواہر کلاہوں کو دیکھے گا تو ممکن نہیں کہ اس کو اپنی کھوئی ہوئی دولت کے ساز و سامان یاد نہ آجائیں۔ دیکھتا ہوں تو یہ جشن کی عیدیں، عیش و مسرت کا پیام نہیں بلکہ یاد آور درد و حسرت ہیں۔ آہ۔ کیا دنیا میں غفلت و سرشاری کی حکومت ہمیشہ ایسی ہی رہے۔ کیا دنیا میں ہمیشہ نیند زیادہ اور بیداری کم رہی ہے؟ یہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ ایک دن کی خوشیوں میں بےخود ہو کر ہمیشہ کے ماتم و اندوہ کو بھول گئے ہیں؟ بزمِ جشن کی تیاریاں کس کے لئے جبکہ دنیا اب ہمارے لئے ایک دائمی ماتم کدہ بن گئی ہے؟ عیش و نشاط کی بزموں کو آگ لگا دیجئے عید کے قیمتی کپڑوں کو چاک چاک کر ڈالئے۔ عطر کی شیشیوں کو اپنے بختِ زبوں کی طرح الٹ دیجئے اور اس کی جگہ مٹھیوں میں خاک و گرد بھر بھر کر اپنے سر و سینہ پر اڑا دیجئے، زریں کلاہوں اور ریشمین

قباؤں کے پہننے کے دن اب گئے ؎

ما خانہ رسیدگان ظلمیم

پیغام خوشش از دیار مانیست

قومی زندگی کی مثال بالکل افراد و اشخاص کی سی ہے۔ بچپنے سے لے کر عہد شباب تک کا زمانہ ترقی نشو و نما عیش و نشاط کا دور ہوتا ہے، ہر چیز بڑھتی ہے اور ہر قوت میں افزایش ہوتی ہے جو دن آتا ہے طاقت و توانائی کا ایک نیا پیام لاتا ہے۔ طبیعت جوش و امنگ کے نشہ میں ہر وقت مخمور رہتی ہے اور اسی خوشی و سرور میں جس طرف نظر اٹھتی ہے فرحت و انبساط کا ایک بہشت زار سامنے آجاتا ہے۔ اس طلسم زار ہستی میں انسان سے باہر نہ غم کا وجود ہے اور نہ نشاط کا۔ البتہ ہمارے پاس دو آنکھیں ضرور ایسی ہیں جو اگر غمگین ہوں تو کائنات کا ہر ظہور غم آلود ہے اور اگر مسرور ہوں تو ہر منظر موقع انبساط ہے، عہد شباب و جوانی میں آنکھیں مست ہوتی ہیں اور دل جوش امنگ سے متوالا۔ غم کے کانٹے بھی تلوے میں چبھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ فرش گل پر سے گزر رہے ہیں۔ خزاں کی افسردگی بھی سامنے آتی ہے تو نظر آتا ہے کہ عروس بہار سامنے آکھڑی ہوگئی ہے، دل جب خوش ہو تو ہر شئے کیوں نہ خوش نظر آئے؟

لیکن بڑھاپے کی حالت اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے پہلے جو چیزیں بڑھتی تھیں اب روز بروز گھٹنے لگتی ہیں۔ جن قوتوں میں ہر روز افزایش ہوتی تھی اب روز بروز اضمحلال ہوتا ہے۔ طاقت جواب دیدیتی ہے اور عیش و مسرت کنارہ کش ہوجاتے ہیں، جو دن آتا ہے موت و فنا کا ایک نیا پیغام

لاتا ہے اور جو دن گزرتا ہے حسرت و آرزو کی ایک یاد چھوڑ جاتا ہے۔ دنیا کے سارے عیش و عشرت کے جلوے جو دل کی عشرت کامیوں سے تھے لیکن دل کے بدلنے سے آنکھیں بھی بدل جاتی ہیں، پہلے غم کی تصویر بھی شادمانی کا مرقع نظر آتی تھی۔ اب خوشی کے شادیانے بھی بجتے ہیں تو ان میں سے درد و اندوہ کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔ قوموں کی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ ایک قوم پیدا ہوتی ہے بچپنے کا عہد بے فکری سے کاٹ کر جوانی کی طاقت آزمائیوں میں قدم رکھتی ہے۔ یہ وقت کاروبار زندگی کا اصلی دور اور قومی صحت و تندرستی کا عہدِ نشاط ہوتا ہے۔ جہاں جاتی ہے اوج و اقبال اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جس طرف قدم اٹھاتی ہے دنیا اس کے استقبال کے لئے دوڑتی ہے لیکن اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے اس کو "پیری و صد عیب" کا زمانہ سمجھیے کہ قوتیں ختم ہونے لگتی ہیں اور چراغ میں تیل کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ طرح طرح کے اخلاقی و تمدنی عوارض روز بروز پیدا ہونے لگتے ہیں جمعیت و اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اجتماعی قوتوں کا اضمحلال نظام ملت کو ضعیف و کمزور کر دیتا ہے وہی زمانہ جو کل تک اس کی جوانی کی طاقت کے آگے دم بخود تھا۔ آج اس کے بستر پیری کے ضعف و نقاہت کو دیکھتا ہے تو ذلت و حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے (قرآن کریم) نے اسی قانونِ خلقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اللّٰہ الذی خلقکم من ضعف	اللہ وہ قادر مطلق ہے جس نے تم کو کمزور حالت
ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا	میں پیدا کیا پھر بچپنے کی کمزوری کے بعد جوانی
وشیبۃ یخلق ما یشاء وھو	کی طاقت دی پھر طاقت کے بعد دوبارہ

العلیم القدیر۔ کمزوری اور بڑھاپے میں ڈالدیا وہ جس حالت کو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور وہی تمہاری تمام حالتوں کا علیم اور ہر حال کا ایک اندازہ کرنے والا ہے (۳۰ : ۴۳)

شاید ہماری جوانی کا عہد ختم ہو چکا۔ اب "صد عیب" پیری کی منزل سے گزر رہے ہیں۔ ہمارا بچپن جس قدر حیرت انگیز اور جوانی کی طاقتیں جس درجہ زلزلہ انگیز تھیں دیکھتے ہیں تو بڑھاپے کے ضعف و نقاہت کو اتنا ہی تیز پاتے ہیں شاید اس کے بعد اب منزل فنا درپیش ہے۔ چراغ تیل سے خالی ہو جاتا ہے اور چولھا خاکستر سے بھر جاتا ہے۔ گزشتہ باتوں کی صرف ایک یاد رہ گئی ہے اور جوانی کے افسانے خواب و خیال معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہمیں مٹنا ہی ہے تو مٹنے میں دیر کیوں ہے؟ صبح فنا آگئی ہے تو شمع سحر کو بجھ ہی جانا چاہیئے جس بزم اقبال و عظمت میں اب ہمارے لئے جگہ نہیں رہی بہتر ہے کہ اوروں کے لئے اسے خالی کر دیں۔ ہم نے ایک ہزار برس سے زیادہ عرصہ تک دنیا میں زندگی کے عزت سے دن کاٹے اور ہر طرح کی عشرت کی بزم آرائیوں میں تھے تو اپنی نظیر نہیں تھے اور اب حسرت و آرزو کے غمکدے میں ہیں تو اس میں بھی ایک شانِ یکتائی رکھتے ہیں زمانے نے ہمارے مٹانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اب دیر نہ کرے۔ لیکن گو ہم مٹ جائیں گے، مگر ہمارے بٹھائے ہوئے نقشوں کا مٹنا آسان نہ ہوگا۔ تاریخ ہم کو کبھی نہ بھلا سکے گی اور ہمارا افسانۂ عبرت ہمیشہ مسافرانِ عالم کو یاد آکر خون کے آنسو رلائے گا۔

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے ایک حرفِ غلط
لیک اٹھے بھی تو ایک نقش بٹھا کے اٹھے

رات کو پچھلے پہر کی تاریکی اور سناٹے میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ میرا قلب مضطر اور آنکھیں اشکبار ہیں، آفتاب عید کے اشتیاق میں خفتگانِ انتظار کروٹیں بدل رہے ہیں مگر میری نظر ایک جھلملاتے ہوئے تارے پر ہے۔ دیکھتا ہوں تو یاس و ناامیدی کی رات گو تاریک ہے مگر پھر بھی ہماری امید کے افق پر ایک آخری ستارا جھلملا رہا ہے۔ جن آنکھوں سے ہم نے خشک درختوں کو کٹتے دیکھا ہے انھیں آنکھوں نے خشک درختوں کو سرسبز و شاداب بھی ہوتے دیکھا ہے۔

ومن آیاتہ ان یریکم البرق خوفاً وطمعاً وینزل من السماء ماءً فیحیی بہ الارض بعد موتہا ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون۔

اور خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ نشانی بھی ہے کہ وہ تم کو ڈرانے اور امید کرنے دکھلاتا ہے پھر آسمان سے پانی برساتا اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کے بعد زندہ کر دیتا ہے بے شک عقلمندوں کے لئے ان باتوں میں قدرتِ الٰہی کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

عید الفطر

از مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

تکبیر کی آواز اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

آپ نے سنا یہ ہر محلے سے اور ہر گوشہ سے، ہر سڑک سے اور ہر چبوترہ سے تکبیر کی آوازیں کیسی چلی آرہی ہیں؟ گویا خدائے واحد کا کلمہ پڑھنے لگے ریت کے ذرے اور خاک کے بگولے اپنے رب کا نام جپنے لگے مکانوں کے در و دیوار اور درختوں کے برگ و بار! آپ نے دیکھا! یہ بستی کے ہر ہر سمت سے کیسے اُمڈے چلے آرہے ہیں، رئیسان نامدار بھی، ان کے ادنیٰ خدمتگار بھی، عالم فاضل دیندار بھی، اور جاہل مطلق گنوار بھی جھکے جھکے آہستہ آہستہ قدم اٹھانے والے بوڑھے بھی اور دوڑتے اچھلتے کودتے چلنے والے بچے بھی، زردار بھی، نادار بھی پیدل بھی سوار بھی، کوئی سائیکل پر کوئی موٹر پر، کوئی اکہ پر کوئی تانگے پر، ان میں وہ بھی ہیں جنھوں نے رمضان کے دن بھوکے اور پیاسے رہ رہ کر رمضان کی راتیں

رکوع وسجود، تسبیح وتلاوت میں رو رو گزاری ہیں اور وہ بھی جو سال میں ایک بار بھی سجدے میں نہیں گرے، ایک بار بھی کعبہ کی طرف نہیں جھکے، آج سب کے سب رواں ہیں عید گاہ کی طرف ہنستے ہوئے چہروں کے ساتھ اچھے اچھے کپڑوں کے ساتھ۔

یہ تفسیر ہو رہی ہے اس حدیث نبوی کی جس میں آیا ہے کہ عید کی فجر سے اللہ کا فرشتہ پکارتا رہتا ہے لوگوں کو عید گاہ کی طرف! یہ عید گاہ کا جماؤ اور جمگھٹا یہ راستہ بھر نمازیوں کی ریل پیل سال سال بھر کے بے نمازیوں کا یک بہ یک نمازی بن جانا، یہ بڑے بڑے پرانے بے غسلوں کا کڑکڑاتے جاڑوں میں صبح سویرے غسل پر آمادہ ہو جانا، نازک خراموں کا گرمیوں کی چلچلاتی دھوپ میں اتنی دور آنا اور جانا اگر غیبی پکارنے والے کی پکار کا اثر نہیں تو اور کیا ہے تفسیر زبان سے نہیں، عمل سے ہے قال سے نہیں، حال سے ہے!

گرچہ تفسیر بیاں را روشن گر ست
لیکن عشق بے زباں روشن تر ست

عید کا انتظار عید آتی اپنے وقت پر ہے، لیکن آمد آمد کیا کہنا چاہیئے کہ ایک مہینہ قبل سے شروع ہو جاتی ہے، اور روزہ داروں کو جو بیشمار فرحتیں اسی دنیا میں نصیب رہتی ہیں۔ان میں سے ایک خاص فرحت یہ عید کا انتظار بھی ہے۔ ادھر رمضان آئے اُدھر عید کی تیاریاں شروع ہو گئیں کہیں چھپ کر کہیں کھل کر عید گاہ کی صفائی کا سفیدی کا اہتمام ہونے لگا۔ راستہ ٹھیک کیا جانے لگا۔ دوکانوں پر عید کے لئے نیا مال آنے لگا میدہ کی

باریک باریک سوئیاں دیکھئے تو نازک اٹھایئے تو سبک بننے اور بکنے لگیں رمضان ختم کے قریب آئے اور ادھر چاند کا انتظار و اشتیاق دلوں سے زبانوں پر جگہ پانے لگا، جہاں دیکھئے یہی چرچا، جنتریاں دیکھی جارہی ہیں، اندازوں کے پتھر چل رہے ہیں کہ چاند ۲۹ کا ہوگا یا ۳۰ کا، اسکولوں کالجوں کے طالبعلم کچہریوں دفتروں کے اہلکار عہدہ دار چھٹی کا حساب لگا رہے ہیں روزہ خور غریب کو ان لذتوں کی کیا قدر!

لیجئے ماہِ مبارک کی انتیسویں آگئی، نہ پوچھئے آج چاند دیکھنے کے کیسے کیسے انتظام ہو رہے ہیں، بچوں بوڑھوں، بہتوں کے دلوں میں یہی ارمان کہ چاند آج ہی ہو جائے۔ کچھ اللہ والوں اور اللہ والیوں کی زبانوں پر یہ دعا بھی ہے کہ چاند آج کی جگہ کل ہو اور روزے تیسوں پورے ہو جائیں، شام کے انتظار میں گھڑیاں صبح ہی سے گنی جارہی ہیں! اسلامی ریاستوں اور شہروں میں تو دُور دُور سے چاند کی خبر منگانے کے باضابطہ سرکاری انتظامات رہتے ہیں۔

عید کا چاند جوں ہی شام ہوئی روزے شمار نظریں آسمان پر جم گئیں... گویا آسمان پر کوئی قصیدہ کہا ہو اس کے مطلع کی تلاش ہے.... اور جو کہیں عین وقت پر ابر آگیا تو نہ پوچھئے دلوں پر کیسی جھنجھلاہٹ چھا گئی! خدا خدا کر کے چاند نظر آیا گولے پٹاخے چھوٹنے لگے، لیکن اس سے پہلے جس نے چاند دیکھا اس نے دعا پڑھی۔ اللہ اکبر! چاند بہت بڑا بہت روشن بہت چمکدار ہے، لیکن بڑائی اس میں کیا رکھی ہے۔ بڑا تو وہ ہے جس نے اس کو پیدا کیا اللھم اھلہ علینا بالیمن والایمان (اے ہمارے اچھے پروردگار چاند دکھا

ہم کو ساتھ خیر و برکت اور ساتھ سلامتی اور ایمان کے) والسلامۃ والاسلام۔ اور ساتھ خیریت اور عافیت اور اسلام کے، والتوفیق لما تحب وترضی، اور ساتھ توفیق اُس چیز کے جو تیری پسند و مرضی کے مطابق ہو ربنا وربک اللہ۔ گواہ رہ اے چاند کہ اللہ ہی پروردگار ہے ہمارا بھی اور تیرا بھی۔ یہ اسلام کی مملکت ہے یہاں تو بات بات پر دعا اور سلام اور قدم قدم پر اپنے مالک و مولا سے التجا!

چاند دیکھا چھوٹوں نے، بڑوں کو سلام کیا اور ان کی زبانوں سے دعائیں لیں شریف گھرانوں میں اب تک اسلامی معاشرت کی یہ جھلک پائی جاتی ہے دوست احباب ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ روزانہ افطار کے بعد تراویح کی فکر رہتی تھی، آج اُدھر سے اطمینان ہے۔ بچے خوشی سے اچھل کود رہے ہیں گھر کے بڑے بوڑھے صبح کی ضرورتوں کی فکر میں لگ گئے۔ دودھ اتنا آئے گا سوئیاں اتنی پکیں گی۔ فرش فروش رات ہی سے ہونے لگا، درزی اور موچی کی دوکان پر رات رات بھر بھیڑ لگی ہوئی "جوڑا اور پھر نیا" یہی ہے آرزو اور ارمان کی چیز۔ گھر کے اندر راتی رات، لپ جھپ روشنی کے آگے کپڑوں کی تیاریاں ہو رہی ہیں ادھر دوپٹہ پر لچکا ٹک رہا ہے اُدھر پاجامہ پر گوٹ لگ رہی ہے۔ یک بیک جھک جھک کا ایک ہنگامہ برپا، لیکن اس ہنگامہ میں تلخی نہیں، خوشگواری۔

عید کی شب

وقت کے قدر شناس آج کی شب بھی خالی نہیں جانے دیتے رمضان کی ایک ایک رات دولتوں سے مالا مال تھی۔ حدیث میں آتا ہے کہ وہی نعمتیں شب عید تک پھیلا دی جاتی ہیں۔ اللہ، اللہ، جب

بندہ نواز یوں لٹانے پر آئے تو مانگنے والا، مانگنے میں کیوں کوئی کسر اٹھا رکھے آج کی رات رات ہے دعاؤں کی، مناجاتوں کی روحانیت کی، ربانیت کی ادھر سے عبودیت کی، ادھر سے ربوبیت کی، فضائے کائنات میں ہر ہر شیرھی پر ہر ہر WAVE LENGTH پر بارش ہوئی، رات رات بھر لطف و نوازش کی عطا و بخشش کی۔

صبح ہوئی اور صبح ابھی ہونے کہاں پائی کہ بچے کھڑک اٹھ بیٹھے۔ رات بھر مارے خوشی کے نیند ہی کس کو پڑی؟ ہر گھر میں نہانے نہلانے کا کاروبار پھیل گیا کسی کے ہاں حمام گرم ہے اور کوئی گھر کی انگنائی سے غسلخانے کا کام لے رہا ہے کوئی نہا رہا ہے مکان کی چھت پر، اور کوئی کنویں کی جگت پر۔

جسم کی جلا روح کی ضیا

آج مسلمانوں کے ہاں خوشی کا دن ہے اور اس کو وہ اپنی بولی میں عید کا دن کہتا ہے، عید اس کے ہاں سال میں دو بار آتی ہے، آج کی عید کا نام عید الفطر ہے، افطار اور افطاری کے محبوب نام اسی فطر سے نکلتے ہیں، مسلمان کا دن ہر روز فجر کے وضو سے شروع ہوتا تھا، آج غسل سے شروع ہوگا وضو اور غسل دونوں کے لئے مستقل دعائیں ہیں کہ جسم کی صفائی کے ساتھ روح بھی دھلتی اور نکھرتی چلی جائے سبحان اللہ بحمدہٖ۔ کیسا جامع پروگرام ہے اور کیسا مکمل انتظام! جسم کا سنگار بھی، اور روح کا نکھار بھی، ادھر تفریح ادھر تسبیح، ادھر جسم کی جلا، ادھر روح کی ضیا!

آج اسلام کی عملداری میں کوئی بھوکا نہ رہے

آج کے دن قبل نماز عید ہر صاحب حیثیت مسلمان پر

صدقہ ایک خفیف مقدار میں واجب ہے اس کا نام صدقۂ فطر ہے۔ اہمیت اس حدیثِ نبوی سے ظاہر ہے کہ جب تک یہ صدقہ ادا نہ ہولے گا رمضان کے روزوں تک کا اجر معلق رہے گا۔ آج مسلمان کے قومی وملی جشن کا دن ہے کم از کم آج تو مفلس سا مفلس بھی اسلام کی عملداری میں بھوکا نہ رہنے پائے صدقہ تو نام ہے اس مالی اعانت کا جو اسلام کے ملی نظام معاشیات میں ہر زردار و نادار کی ہر پیشہ والا بے روزگار کی کرتا رہتا ہے اور جس کے بعد بے روزگاری / بے معاشی (UNEMPLOYMENT) کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہونے پاتا۔

غرض نہا دھو کپڑے بدل بدلا، عطر خوشبو لگا، صدقہ دے دلا، شیر خورما اور سوئیاں پی پلا، مسلمان نماز کے لئے چلا، نماز عیدگاہ میں ہوگی۔ عیدگاہ بستی سے باہر میدان میں ہوتی ہے، نہ پٹی ہوئی چھت، نہ دالان و شہ نشین، لوگ محلہ کی مسجد میں تو روز ہی پانچ پانچ مرتبہ جمع ہوتے ملتے جلتے رہتے ہیں اور ہفتہ میں ایک بار بستی کے مسلمان جمعہ کی دوپہر کو، سال میں دوبار دونوں عیدوں کے موقع پر شہر اور آس پاس کے مسلمان ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں اور یہ مجمع گویا ہر مرکز کے ایمانی بھائیوں کی ایک کانفرنس ہوتا ہے، شریعت کی تاکید ہے کہ وحدتِ امت کے پروگرام کی یہ اہم کڑی کمزور نہ ہونے پائے۔

نماز کے لئے روانگی سورج ابھی پوری طرح بلند بھی نہ ہونے پایا کہ مسلمان اس نئی نماز کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ گاتا بجاتا ہوا نہیں رنگ کھیلتا ہوا نہیں، نشہ سے جھومتا جھامتا نہیں، آج اس پر (MOODHOLIPAY) طاری ہے۔

خوشی کی مستی سوار ہے، صدائیں لگاتا، نعرے بلند کرتا چلا رہا ہے، آپ سنیں گے یہ نعرے کیا ہیں؟ اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ بڑائی ہم میں کہاں، ہماری کسی چیز میں کہاں؟ ہم آپ کے حضور میں ہیچ محض، صفر مطلق، بڑائی تو صرف آپ میں ہے لا الہ الا اللہ! معبود آپ کے سوا اور ہے کون؟ زندگی کا مقصود اصلی اور ہے کون؟ شان وجوب کے ساتھ موجود اور ہے کون؟ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد۔ بڑائی میرے مولا و آقا صرف آپ میں، بڑائی صرف آپ میں حسن وجمال صرف آپ کی ذات میں عزت و کمال صرف آپ کی صفات میں ہماری ہر جنبش لب آپ ہی کی مدح وستائش کا ایک عنوان ہمارا ہر تار نفس آپ ہی کی قدر و عظمت کا ایک بیان!

خوشی منانے کا انداز

نمازیں روز پانچ وقت ہوتی تھیں، آج چھ وقت کی ہو گئیں! یہ ہے مسلمان کے خوشی منانے کا انداز سب سے انوکھا، سب سے نرالا، مہینہ بھر کی قید اور پابندیوں کے بعد کہیں آج تو جا کر چھٹی ملی اور اس کا انعام یہ کہ گھٹنے کے بجائے آج ایک اور بڑھ گئی۔

مسلمان آج جیب میں پیسے ڈال کر اس لئے باہر نہیں نکلے گا کہ جوئے میں لگائے، شراب میں اڑائے، راگ رنگ میں گنوائے، بلکہ اٹھائے گا۔ عبادت کے لئے! جسم کی صفائی و پاکیزگی کے ساتھ روح کی صفائی و پاکیزگی کے لئے بستی کے بستی بھر کے کلمہ گویوں کے ساتھ رکوع وسجود کی دولت حاصل کرنے کے لئے! یہ ہے اس کی خوشی اس لئے کہ اس میں اس کے مولیٰ کی خوشی!

عیدگاہ پہنچے، یہاں کے جماؤ کا کیا کہنا، کوئی معمولی قصبہ ہے تو مجمع سیکڑوں کا

شہر ہے تو ہزاروں کا، بڑا ہے تو ہزار ہا ہزار کا اور کلکتہ و بمبئی ہے تو نوبت لاکھ دو لاکھ کی! امیر بھی فقیر بھی۔ بڑے بھی، چھوٹے بھی، دیہاتی بھی، جوان بھی، چہروں سے ایمان کی مسرت ٹپکتی ہوئی، بشروں سے ادائے فرض کی بشاشت جھلکتی ہوئی، کوئی وضو کر رہا ہے، کوئی راہ کے گرد و غبار سے ہاتھ منہ دھو رہا ہے، کچھ لوگ آپس میں ہنس بول رہے ہیں، کچھ مصلوں پر قابض ہو کر ذکر و درود کی تسبیح میں لگ گئے ہیں، اور کوئی صاحب ہیں کہ جوتوں کی فکر وانتظام میں لگے ہوئے ہیں۔ صحن عیدگاہ سے باہر کا منظر بھی کچھ کم دلچسپ نہیں، سودے والوں کا ہجوم، خوش غلاف گاہکوں اور تماشائیوں کی دھوم خوانچہ والوں کی بہار، پھیری والوں کی چیخ پکار، ادھر سرخ کباب سیخ پر لگ رہے ہیں، ادھر پکوان کے گھان کڑھائی سے اتر رہے ہیں، حقہ، پان، سگریٹ کی چاٹ، حلوائیوں کی دکانوں کے ٹھاٹھ، کہیں چائے والے محفل گرمائے ہوئے، کہیں برف کی قلفی والے اپنا رنگ جمائے ہوئے اور سب سے بڑھ کر بچوں کے کھلونوں، غباروں جھنجھنوں والوں کا شور و غل چیخ پکار بچوں کے ساتھ خود بھی بچہ بنے ہوئے۔

لیجئے! نماز کا وقت آ گیا اور امام صاحب اپنے مصلیٰ پر آ گئے اور صفیں کھڑی ہونے لگیں، آج نہ اذان نہ اقامت، مقصد ان دونوں کا اطلاع ہوتا ہے، مسجد کے باہر والوں اور اندر والوں کو آج یہ مقصد خود بخود حاصل، اس لئے اطلاع بے محل، نماز جماعت کا ایک اہم پہلو عسکری بھی ہے، اور صف بندی کی اہمیت آج جس لشکری سے چاہیئے پوچھ دیکھئے۔ کوئی صاحب کھڑے لگے

پکار پکار کر ترکیب نماز کی تلقین کرنے لگے۔

نمازِ عید کوئی پیچیدہ یا دشوار نہیں کل دو رکعتیں نیت وہی جو سب نمازوں کی ہوتی ہے، فرق صرف اتنا اور اتنے کے لئے ہر دفعہ تازہ تلقین کی ضرورت پڑتی ہے کہ خدائے پاک کی بڑائی آج اور زیادہ تاکید و تکرار کے ساتھ دہرائی جاتی ہے۔ چنانچہ معمولی تکبیروں کے علاوہ آج چند تکبیریں زاید کہی جائیں گی، ان کی تعداد حنفیوں کے ہاں چھ ہے۔ تین رکعتِ اول میں نیت نماز کے بعد اور قرأت فاتحہ سے قبل کہی جاتی ہیں اور باقی تین دوسری رکعت میں رکوع سے قبل، اور قرأتِ فاتحہ کے بعد۔

عیدگاہ عیدگاہ نہ کوئی سر بفلک عمارت، نہ یہاں کوئی جگمگاتا ہوا ہال نہ کوئی عظیم الشان دالان، سرے سے چھت تک نہیں۔ پوری چار دیواری بھی نہیں! صرف ایک لمبی دیوار، مغرب کی سمت کھچی ہوئی آگے چبوترہ بس یہ کل اصلی کائنات! سادگی کی انتہا۔ دینِ فطرت کی سادگی کا نمونہ! اور اس پر اس کی وہ دل کشی اور دل آویزی، کشش و محبوبی! کسی دوسرے مجمع کو مقابلہ میں لایا، اور کسی دوسرے منظر کو مثال میں بتلایا جائے؟ حد یہ ہے کہ شاعری کی دنیا میں عید کا دوسرا نام ہے کوئے یار کا! دیارِ محبوب کا!

عیدگاہِ ما غریباں کوئے تو!

اپنوں نے جو کچھ دیکھا اسے چھوڑئیے، غیروں نے جو کچھ ان نماز کے نظاروں میں پایا، اس کی جھلک سر ٹامس آرنلڈ بشپ لی فرائے وغیرہ کے

الفاظ میں دیکھئے ـــــ اس متن، کی شرح وتفصیل کی تاب۔ شام عید کی یہ چلتی ہوئی ملاقات کہاں سے لا سکتی ہے؟

خطبہ

نماز ختم ہوئی اور دو رکعتوں کے بعد امام نے سلام پھیرا، اور منبر پر جا، خطبہ شروع کر دیا، خطبہ وہی دو ہوتے ہیں۔ جمعہ کی طرح دونوں خطبوں میں ہوتا کیا ہے۔ نہ پھڑکتی ہوئی غزلیں، نہ رنگین فسانے، نہ ادب لطیف کے نمونے، نہ پرجوش ترانے۔ وہی رب کی نعمتوں کا شکر اور اس کی توحید کا اقرار، ترغیب توبہ اور تلقین استغفار، اس سے وعدہ، اس کے لئے وعید، ایک کو دلاسا دوسرے کو تہدید۔ کہیں جنت کے پھولوں کی مہک، کہیں جہنم کے شعلوں کی لپک، نیکوں کو بشارتیں اور خوشخبریاں اور بدوں کو ڈراوے اور دھمکیاں کچھ فقہ وشریعت کے مسائل، کچھ رمضان اور عید کے فضائل، غرض وہ سب کچھ جس کے ذکر وفکر کے شاندار اور نامور روزناموں کے صفحات خالی رہتے ہیں اور آرٹ اور سائنس کے باتصویر میگزینوں کے اوراق کورے! دوسرا خطبہ ختم ہوا تو امام نے ہاتھ اٹھائے دعا کے لئے اور کئی کئی منٹ تک دعائیں مانگیں، اللہ کے فضل وکرم کی، اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی، آج کے لئے بھی اور کل کے لئے بھی، انبیا، اولیا، اور صالحین کے لئے بھی اور عام مومنین ومسلمین کے لئے بھی، دعا ختم ہوئی، لوگ اٹھ کھڑے ہوئے آپس میں ملنا ملانا شروع ہو گیا۔

نماز پڑھی، خطبہ سنا، دعا مانگی۔ یہ سب ملا کر دیر اچھی خاصی لگتی ہی۔ اس ساری مدت بھر خاصی کڑی دھوپ میں سارے نمازی بیٹھے رہتے ہیں، کہیں

کہیں شامیانے کے نیچے اور اکثر مقامات پر نہ تو شامیانہ نصب نہ کسی درخت کا سایہ اور نہ پھر بیٹھنے کا بہی پرہیں کوچ ہیں نہ صوفے، مخملی قالین ہیں نہ ریشمی گدی کہیں دری کہیں چٹائی اور کہیں کھرا فرش زمین! نہ اکتا اکتا کر گھڑی گھڑی دیکھیں گے۔ نہ گھبرا کر شور مچائیں گے، پسینے میں شرابور ہیں لیکن اٹھنے اور ہلنے کا نام نہ لیں گے جب تک امام خود دعا کے بعد منہ پر ہاتھ نہ پھیر لیں، امام کے اٹھنے پر مجمع منتشر ہوا اور آپس میں ملتے ملاتے ہوے لوگوں نے اپنے اپنے گھر کا راستہ لیا، واپسی بہتر ہے کہ دوسرے راستہ سے ہو کہ دیکھنے والوں پر شوکت اسلام کا اثر زیادہ پڑے۔

گھر پہنچے، اور عزیزوں دوستوں کے جلسے جمنے لگے آپس میں ملنا ملانا کھلانا پلانا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا، شام اسی میں ہو گئی اور اب ان ہمیشہ کے معمولات پر اضافہ کیا۔ بیسویں صدی کی ایجاد ریڈیو، اور اس کے ذہین کارکنوں نے ایک گمنام و گوشہ نشین کی خدمتوں میں عید کی شام کو

عید کا اسلام

عید قربان

از مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی

اللہ اللہ! دو مہینے دس دن کی مدت بھی کوئی مدت ہے، بات کہتے کٹ گئی اور شوال کی پہلی کی یاد ابھی مٹنے نہ پائی تھی کہ ذی الحجہ کی دسویں آگئی وہ مسلمان کی پہلی سالانہ عید تھی یہ دوسری اور آخری۔ وہ عید الفطر تھی۔ یہ عید قربان یا عید الاضحیٰ (غلط العوام میں عید الضحیٰ) وہ عید میٹھی تھی، آج کی عید نمکین اس روز سوئیاں پی پلائی گئی تھیں۔ آج قربانیاں ہوں گی وہ جشن تھا اس کا کہ طاعت اور ضبط نفس کے پورے تیس دن ختم ہوئے اور نزولِ قرآن کی یادگار پورے مہینہ بھر منائی جاتی رہی، آج خوشی اس کی ہے کہ نصیبے والے عین مرکز اسلام میں کعبۃ اللہ کے گرد چکر پر چکر کاٹ رہے ہیں طواف و زیارت کی دولتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں، پروانے شمع پر نثار ہو رہے ہیں، مکہ کی گلیوں میں، مکانوں میں، دکانوں میں مسجد حرام کے صحن میں، دالانوں میں، حاجیوں کا زائروں کا ہجوم، منیٰ کے میدانوں میں

خیموں میں مکانوں میں قربانیوں کی دھوم یا پورے عشرہ کا عشرہ، چاند کی پہلی سے دسویں تک وقف خیر و برکت کے لئے، نزول رحمت کے لئے، جس نیکی کی بھی توفیق پا جائیے، ہمیشہ سے زیادہ، معمول سے بڑھ کر ثواب لائے، خود حاجی ہونا الگ رہا، حاجیوں کی نقل تک باعث اجر، ان کی طرح بال بڑھائیے ناخن نہ ترشوائیے اس کا بھی اجر پائیے!

لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک تاریخ کی زبان سے روایت یہ سننے میں آئی ہے کہ آج سے کچھ اوپر پانچ ہزار سال قبل کلدانیہ کے ملک میں بت پرستوں کی قوم میں بت تراشوں کے گھرانے میں ایک مقبول اور بہت مقبول، برگزیدہ اور نہایت برگزیدہ، ابراہیم نامی آباد تھے، یہ کلدانیہ وہی ہے جسے انگریز کالڈیا کہتے ہیں، یا آج کی جغرافی اصطلاح میں عراق، بندہ کے امتحانات طرح طرح کے مالک کی طرف سے ہوئے اور ابراہیم ہر آزمائش میں پورے اترے آخر اللہ کے پیغمبر ہی تھے۔ کچھ روز بعد حکم ہجرت کا ملا، سرزمین شام پہنچے اور پھر مصر ہوتے ہوئے حجاز کی خشک اور پتھریلی وادی میں آئے، علاقہ ویران، پانی کا نام نہ نشان سبزہ کی جگہ ہر طرف ریگستان، نیچے تپتی ہوئی زمین، اوپر دہکتا ہوا آسمان، حکم ملا کہ یہیں ایک گھر بناؤ، اسی مٹی اور پتھر کا لیکن اپنے لئے نہیں، ہماری عبادت کے لئے، اور ہاں ذرا یہ کرنا کہ اسے منسوب ہماری جانب کر دینا، ہم گھر اور در کی قید سے ماورا، مکان اور جہت کی نسبت سے بھی برتر و بالا لیکن ذرا اسی گھر کے ساتھ ہمارا نام ڈال دو اور ہماری ہی بسائی ہوئی دنیا کو آواز دے دو کہ اس گھر کی طرف آجایا کرو، وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ

فرماں بردار بندے نے پکار کر دی اور اس وقت پکار کی جب نہ تار تھا نہ ٹیلیفون نہ وائرلیس، نہ لاؤڈ اسپیکر، نہ لوگ نشریات (براڈکاسٹنگ) کے قانون سے واقف تھے نہ گھر گھر ریڈیو لگے ہوئے تھے ابراہیم کی پکار خدا معلوم کس لاہوتی میٹر پر اور کس ملکوتی (WAVE LENGTH) سے نشر ہوئی کہ آج تک اس کی تھرتھراہٹ کائنات میں آپ سن رہے ہیں۔

حج کی تاریخ میں ابھی ہفتوں کا نہیں مہینوں کا زمانہ باقی ہے کہ دربار کی حاضری کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور اپنے اپنے گھروں سے چل کھڑے ہوئے اپنے مالک و مولا کے متوالے دنیا کے گوشے گوشے سے روئے زمین کے چپے چپے سے کوئی کابل سے کوئی قندھار سے، کوئی دکن سے کوئی ملا بار سے، کوئی چین سے، کوئی جاپان سے، کوئی مصر سے کوئی ایران سے، کوئی عراق سے، کوئی بخارا سے کوئی سیلون سے کوئی جاوا سے، کوئی افریقہ کے ویرانہ سے کوئی یورپ کے نشاط خانہ سے، غرض خلقت ہے کہ ہر چہار طرف سے امنڈی چلی آرہی ہے یاتین من کل فج عمیق، کوئی ریل سے کوئی جہاز سے، کوئی موٹر پر کوئی لاری پر کوئی پیدل کوئی سواری پر، کوئی غریب اپنی ہی کمر کو کسے ہوئے اور کوئی صاحب اونٹ کی پیٹھ پر جمے ہوئے۔

کعبہ اسلام کا جغرافی مرکز ہے۔ مرکز کا ربط محیط کے گوشے گوشے سے دائرہ کے نقطہ سے، دانا و بینا جوڑ لینے والے نے یوں جوڑا کہ ہر صاحب حیثیت پر عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ حج فرض کر دیا۔ حج اسلام کا رکن اعظم ہے۔ نو ذی الحجہ کو میدان عرفات میں حاضری سو وہ کل ہو گی! اب آج کا دن ہے

اس سعادت کی خوشی منانے کا دن، کلمہ گو جہاں کہیں بھی آباد ہیں، آج جشن منائیں گے، لیکن اس مسرت کی غفلت میں دن چڑھے تک خراٹے لینے کے بجائے آج معمول سے اور سویرے اٹھیں گے، غسل کریں گے، اُجلے کپڑوں کے ساتھ بشاش چہروں کے ساتھ عیدگاہ روانہ ہوں گے اور واپس آئیں گے تو ان میں جو صاحب حیثیت ہیں وہ اچھے اور پاک اور صحیح و تندرست جانوروں کی قربانی کا تحفہ اپنے پروردگار کے حضور میں پیش کریں گے خود اپنی طرف سے اپنے عزیزوں کی طرف سے بزرگوں کی طرف سے! اور جب کھانے کا وقت آئے گا تو تنہا نہیں کھائیں گے، بلکہ پہلے ایک تہائی محتاجوں مسکینوں مفلسوں کی نذر کر دیں گے ایک تہائی دوست احباب کی خدمت میں پیش کریں گے جب کہیں ایک تہائی اپنے لئے رکھیں گے! عیدالفطر کے دن تاکید تھی کہ کوئی بدنصیب فاقہ سے نہ رہ جائے۔ عید قربان کے دن ترغیب ہے کہ غریب سے غریب بھائی کی زبان کو کھانے پینے کی لذتوں کا کچھ تو مزہ آجائے۔

عیدالفطر سالگرہ تھی نزول قرآن کی، عید قرباں سالگرہ ہے بنیاد کعبہ کی ابراہیم موحد تھے موحدوں کے سردار توحید ہی کے جرم میں آگ میں جھونکے گئے، ملک سے نکالے گئے تھے۔ حق تھا کہ ان کی قائم کی ہوئی یادگار کے سلسلہ میں توحید ہی کا رنگ ہر رنگ پر غالب ہو اور سب سے نمایاں۔ آج آفتاب بلند ہوا کہ لگے لوگ عیدگاہ اور مسجدوں کی طرف چلنے، ہر طرف سے رب کی بڑائی کے نعرے بلند ہونے لگے۔ سینوں کے اندر توحید کے ولولے زبانوں پر توحید کے زمزمے! کیا خوب ظاہر ہے اور کیا خوب باطن، کیا

خوب قال اور کیا خوب حال! ــــ عید کے دن یاد ہو گا کہ تکبیریں صرف نماز کے ساتھ تھیں اور آمد و رفت کے راستے میں، بقرعید کے موقع پر ایک نماز ایک وقت بلکہ ایک دن بھی اس جوش کے اظہار کے لئے کافی نہیں اب کی تکبیر شروع ہو گئی ۹۔ تاریخ کی فجر ہی سے اور جاری رہے گی ہر نماز کے ساتھ ابھی تین دن اور یعنی ۱۳۔ کی عصر تک مرکز تک میں آج مسلمان اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے پکارے گا لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک حاضر ہے اے میرے مالک (مولیٰ) یہ غلام حاضر ہے، یہ شہادت دیتا ہوا حاضر ہے کہ حضور والا ہر قسم کی شرکت سے ماوراء اور برتر ہیں، حاضر ہے حاضر ہے، یہ آداب حاضری دینے والوں کے ہوئے، مرکز سے دور باہر والے ۹۔ سے ۱۳۔ کے سہ پہر تک سارے چار دن ہر نماز کے بعد پکاریں گے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ بڑائی تو آپ میں ہے صرف آپ میں ہے، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، بڑائی آپ میں ہے صرف آپ میں ہے، ہمارے ہر شکر کی مخاطب آپ ہی کی ذات ہماری ہر مدح و ثنا کے سزاوار آپ ہی کے کمالات۔

مسلمان قربانی کے لئے تیاری، دونوں ہفتوں مہینوں سے پیشتر سے کریگا پاک صاف جانور، اچھا تندرست بے عیب دیکھ کر خریدے گا پالے گا کھلائیگا پلائے گا، اپنے سے خوب ہلائے گا، اور جب اس سے تعلق اُنس و نسبت کا رحمت و شفقت کا قائم ہو جائے گا تو اپنے اور اس کے دونوں کے مالک کے حکم سے اس تعلق پر اپنے ہاتھ سے چھری چلائے گا، پالے ہوئے جانور کو پیار کی نگاہوں سے دیکھے گا، آخر وقت تک کھلائے پلائے جائے گا۔ لیکن جب

حکم کی تعمیل میں زمین پر لٹائے گا تو قبلہ رخ، منہ اس طرف کر کے جدھر وہ خود دن رات میں خدا معلوم کتنی بار جھکتا ہے، گرتا ہے اور زبان سے کہتا جائے گا انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ۔ میں یہ کسی دیوی دیوتا کی بھینٹ نہیں چڑھا رہا ہوں میرا رشتہ تو صرف اسی سے جڑا ہوا ہے میں تو پجاری صرف اس کا ہوں جس نے پیدا کر رکھا ہے آسمان و زمین کو میرا دستور زندگی تو تمام تر اس کے قانون کی پیروی ہے ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین ۔ میری دعائیں اور میری عبادتیں، میری زندگی اور میری موت، نہ اپنے نفس کے لئے ہے نہ اس ملک کے چھوٹے موٹے دیوی دیوتا کے لئے ہے، بلکہ یہ سب صرف اسی واحد یکتا معبود اعظم کے لئے ہے، اسی کے حکم اور قانون کے تابع ہے جو پروردگار ہے ہر ملک کا ہر قوم کا، ساری مخلوقات کا، جمیع موجودات کا، کل کائنات کا۔

ڈاکٹر جب مریض کو آپریشن کے میز پہ لٹاتا ہے تو پہلے آپریشن والے عضو کو دوا لگا کر سن کر دیتا ہے یا مریض کو کلوروفارم سنگھا کر بیہوش، مسلمان بھی جب جانور کو ذبح کے لئے قبلہ رخ لٹا گلے پہ چھری چلاتا ہے تو روح کو ایک مختصر دو لفظی، نغمہ سناتا ہے۔ ”میں تجھے مردہ اپنی طرف سے نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو خود تیری ہی طرح مخلوق، تیری ہی طرح بے بس تیری ہی طرح خاکی، تیری ہی طرح فانی، میں چھری چلا رہا ہوں اپنے اور تیرے پیدا کرنیوالے کا نام لے کر۔ اپنے اور تیرے مالک کے قانون کے ماتحت، زندگی کا عطیہ بخشنے والا بھی وہی، اسے واپس لینے والا بھی وہی۔ جان ایک اور ڈالی بھی اسی نے اور آج نکالی بھی اسی نے۔ بڑائی کا حق دار، حکم چلانیوالا صرف وہی

سنتے ہیں کہ فوج کے سپاہی جنگ کے میدان میں فوجی بینڈ اور وطنی ترانہ کی آواز سن کر، ایسے مست ہوجاتے ہیں کہ جان کی پرواہ نہیں رہ جاتی اور بندوقوں کی گولیوں توپ کے گولوں سنگینوں کے وار کے لئے بے تکلف اپنے سر و سینہ کو پیش کر دیتے ہیں، اللہ کے نام کی کشش کیا روح کے لئے اتنی بھی نہیں؟ جاننے والے تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ روح اس اسم پاک سے ایسی مست و بیخود ہوجاتی ہے کہ خود عالمِ طرب میں جسم سے باہر آجاتی ہے گو جسم دیکھنے والوں کی نظر میں تڑپتا لوٹتا رہ جائے آخر کلوروفارم میں بھی تو یہی ہوتا ہے کہ رگوں پر رگیں جسم کی کٹتی رہتی ہیں، خون پر خون بہتا رہتا ہے لیکن مریض کا احساس اذیت و کرب مردہ ہوجاتا ہے، اللہ ٹھنڈی رکھے حضرت اکبر کی تربت کو کیا خوب فرما گئے ہیں ؎

احساس ہی اپنا نہ ہوا فریاد و فغاں میں کیا کرتا   آنکھ اپنی رہی تھی قاتل سے جس وقت کہ خنجر تھا اگلا

ابراہیمؑ کی قربانی

کہتے ہیں کہ ایک بار انھیں، کعبہ کی تعمیر کرنے والے، آگ میں کود پڑنے والے، حج کی پکار کرنے والے ابراہیمؑ نے بھی پیش کی تھی یہ قربانی بکرے کی نہ تھی، مینڈھے کی نہ تھی، اونٹ کی بھی نہ تھی اور لاڈلے نورِ نظر اسمٰعیلؑ کی تھی، خواب میں حکم محبوب ترین ہستی کی قربانی کا — پیغمبر کے خواب بھی الہامی ہوتے ہیں۔ صبح اٹھ کر مشورہ اسمٰعیلؑ سے کیا۔ اس سے کہا جو آنکھوں کا تارا، بڑھاپے کا سہارا تھا، مشورہ خود اسی کے ذبح کے باب میں تھا اس سے کیا دنیا کی تاریخ میں کب کسی عزیز نے عزیز سے اسی کے قتل و ذبح کے باب میں مشورہ کیا ہے؟

مقتول سے قتل کا مشورہ

کب کسی شفیق اور عاشق زار باپ نے اپنے لختِ جگر کے سامنے تجویز پیش کی ہے؟ ہر صاحب اولاد ذرا

دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے۔ بیٹا بھی کس باپ کا تھا، فوراً آمادہ ہو گیا، اور عرض کیا "اباجان آنکھوں پر پٹی باندھ لیجئے گا، ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر میرا چہرہ دیکھ کر آپ کی ہمت جواب دے جائے"۔ باپ نے آنکھوں پر پٹی باندھا اور خدا معلوم کونسے پتھر کی سل رکھ۔ حلق پر چھری چلائی، معاً قدرت حق سے نور نظر کی جگہ ایک جنت کے مینڈھے نے لے لی اور چھری کو پھیرنے والے نے پھیری اسمٰعیل کے گلے پر، لیکن چلی اس غیبی مینڈھے کے حلقوم پر اور اسمٰعیل علیہ السلام وفدینا بذبح عظیم کا پروانۂ بشارت پا زندۂ جاوید ہو گئے۔

ذبح عظیم کی یادگار آج کی قربانیاں یادگار ہیں اسی "ذبح عظیم" کی۔ زمانۂ قبل اسلام کو چھوڑئیے خود ادھر ساڑھے تیرہ سو برس کے اندر جتنی قربانیاں ہندوستان و افغانستان، ترکی و ایران، مصر و عرب اور ساری دنیائے اسلام کے اندر ہو چکی ہیں ان کا حساب و شمار ہے کسی حساب لگانے والے اور شمار کرنے والے کے بس کی بات؟ اللہ خود جسے "بڑی" قربانی کہہ کر پکارے کون اس کی بڑائی کی تھاہ پا سکے؟ کون اس کی وسعت و عظمت کی پیمایش کو پائے۔

یوم عثمانؓ

خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہٗ

اسلام کے سب سے پہلے مہاجر

خلافت راشدہ کے ممتاز خلفاء میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت عثمانؓ بنی امیہ میں سے ہیں ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے، عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف ان کی والدہ اروے بنت کریز بن ربیعہ بن عبد الشمس تھیں۔ آنحضرت صلعم کی ولادت کے پانچ سال بعد ان کی پیدایش ہوئی۔ آغاز بعثت ہی میں حضرت ابوبکرؓ کے سمجھانے سے اسلام لائے تھے۔ نبی صلعم نے ان کا نکاح اپنی بیٹی۔ رقیہ سے کر دیا تھا مشرکین مکہ نے انھیں مجبور کر دیا کہ وہ مکہ چھوڑ کر اپنی بیوی رقیہ کے ساتھ ملک حبش کی طرف ہجرت کریں۔

آپ اسلام کے سب سے پہلے مہاجر ہیں، درمیان میں پھر مکہ آئے اور جب

مدینہ جانے کی اجازت ملی تو وہاں چلے گئے۔ دونوں ہجرتیں انھوں نے کیں تمام غزوات میں بجز بدر کے آنحضرت صلعم کے ساتھ رہے بدر کے موقع پر چونکہ حضرت رقیہ سخت بیمار تھیں، اس لئے سرورِ عالمؐ ان کی تیمارداری کے لئے ان کو چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ فتح بدر کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ آنحضرت نے مالِ غنیمت میں جو کچھ ہاتھ آیا تھا اس میں سے حضرت عثمان کو بھی حصہ عطا فرمایا اور شرکاءِ جنگ میں ان کو قرار دیا۔ رقیہؓ کی وفات کے بعد نبی صلعم نے اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم کو ان کے نکاح میں دیا۔ اس لئے ذی النورین ان کا لقب ہوا غزدۂ حدیبیہ کے موقع پر یہ قریش کی طرف سفیر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جب یہ خبر شائع ہوئی کہ کفار نے ان کو قتل کر ڈالا تو نبی صلعم نے صحابہ سے جان دینے کی بیعت لی اور خود اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر بائیں ہاتھ پر مارا اور ان کی طرف سے بیعت کی۔ اسی بیعتِ رضوان کا ذکر قرآنِ پاک میں ہے۔

الله الذین یبایعونک انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیھم۔ یعنی جو لوگ تمہارے ہاتھ پر (اے رسول) بیعت کر رہے ہیں، وہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں، ان کے ہاتھوں پر یہ تمہارا ہاتھ نہیں ہے بلکہ) اللہ کا ہاتھ ہے (سورۂ فتح رکوع اول) تو اللہ تعالیٰ نے رسول صلعم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور رسول صلعم نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا اس لئے حضرت عثمان کا لقب بواسطہ نبوی ید اللہ ہے۔

جیش العسرۃ جو تبوک کے لئے تیار کی گئی تھی اس کا سامان انھیں کی کوشش

مدد اور فیاضی سے ہوا انھوں نے اس میں بے دریغ اپنا مال صرف کیا۔ بیر رومہ جو مدینہ کا ایک مشہور کنواں تھا اور جس کے بارے میں آنحضرت نے فرمایا تھا کہ جو اس کو مسلمانوں کے لئے خریدے گا وہ جنتی ہوگا۔ اس کو آپ نے خرید کر وقف کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ آنحضرت صلعم کے عہد میں کاتبِ وحی اور حضرت ابوبکرؓ کے اور عمرؓ کے زمانہ میں معتمد اور امین رہے، وہ لوگ بڑے بڑے امور میں ان سے کام اور مشورہ لیا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کی ابتدا یکم محرم ۲۴ھ م ۷۔ نومبر ۶۴۴ء سے ہوئی۔

فتوحات کوفہ میں چالیس ہزار فوج رہتی تھی۔ اور آذربائیجان کی حفاظت اسی کے ذمہ تھی، چھ ہزار سپاہی کی تعداد آذربائیجان پر اور چار ہزار رے کے حدود پر متعین رہا کرتی تھی جو وقتاً فوقتاً مدد کے لئے روانہ کی جاتی تھی۔ ولید بن عقبہ کے زمانہ میں جو کوفہ کے عامل مقرر کئے گئے تھے۔ اہلِ آذربائیجان نے بغاوت کی۔ وہاں فوج کشی کی گئی۔ آخر کار وہ پھر اپنے شرائط پر رضامند ہو گئے آرمینیہ میں بغاوت کی گئی سلیمان بن ربیع باہلی نے اس فتنہ کو فروع کر دیا۔ سعد بن عاص ایک جرار لشکر لے کر طبرستان میں گئے جن میں امام حسنؓ اور حسینؓ اور عبادلہ اربعہ بھی شامل تھے۔ متعدد معرکے ہوئے، اہلِ طبرستان نے ہزیمت اٹھا کر مصالحت کی ۳۲ھ میں عبدالرحمٰن بن ربیع نے بحر خزر کے سواحل پر فوج کشی کی اور فتح کرتے ہوئے دربند کے مقام تک پہنچ گئے۔ وہاں غنیم نے بہت بڑی فوج کے ساتھ مقابلہ کیا جس میں عبدالرحمٰن شہید ہو گئے اور اسلامی فوج کو شکست اٹھانی پڑی لیکن جو عبدالرحمٰن بن ربیعہ کے بھائی تھے دشمنوں کو روکا۔

سنہ ۳۱ھ میں خراسان میں بغاوت ہوئی۔ ابن عامر نے فوج کشی کی قہستان والوں کو امان دیدی گئی اور خراسان نے پھر صلح کر لی جو خوارزم کی طرف بڑھے تھے کہ واپس لوٹنا پڑا ابن عامر نے ایک دوسرے سردار عبدالرحمن بن سمرہ کو سیستان روانہ کیا انھوں نے کابل اور زابلستان فتح کیا۔ ابن عامر ان فتوحات کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بیت اللہ کو روانہ ہوئے شام میں حضرت عثمان نے امیر معاویہ کو جنھوں نے خلافت بنی امیہ کی بادشاہت کی پہلے اپنے ہاتھ پر بیعت لی تھی پورے صوبہ کے والی مقرر کئے گئے، امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں کافی رسوخ حاصل کر لئے تھے۔ رومیوں پر انھیں کامل فتوحات ہو رہی تھیں جس قدر قلعے تھے ان میں فوجیں رکھ دیں۔ دربار خلافت کے حکم سے حبیب بن مسلمہ کو آرمینیہ کی طرف فوج دے کر روانہ کیا۔ انھوں نے طفلس تک فتح کیا۔ اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کا مقابلہ چونکہ رومیوں سے رہا ہے اور رومی جتنے بھی تھے وہ بحری لڑائی میں خوب مہارت رکھتے تھے اس لئے امیر معاویہ نے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کو بھی بحری طاقت تیار کرنے اور رومیوں سے مقابلہ پر ڈٹے رہنے کے لئے سمندر میں ان کا مقابلہ کرنا ضروری تھا، اس لئے امیر معاویہ نے سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بحری جنگ میں مسلمانوں کو تقویت پہنچانے کی کوشش کی تھی لیکن حضرت عمرؓ اس کو تغریر سمجھتے تھے اس لئے انھوں نے ان کی درخواست کو قبول نہیں کیا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں چونکہ امیر معاویہؓ نے کافی قوت پیدا کر لی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی اس گزارش کو قبول کر لیا۔ اس شرط پر کہ

اگر مسلمان بغیر کسی ناراضگی کے رضامند ہوں تو وہ اس درخواست کو قبول کرینگے ورنہ جبراً قرعہ اندازی کر کے بحری فوج میں نہ لئے جاسکیں گے۔ صرف وہی لوگ بھرتی کئے جائیں جو خوشی سے اس میں آنا چاہتے ہیں۔

امیر معاویہ نے جنگی کشتیاں تیار کروائیں اور ۲۸ھ میں پہلا بحری عملہ جزیرہ قبرص پر گیا جس کے سپہ سالار عبداللہ بن سعد مقرر کئے گئے تھے جو مصر کے سپہ سالار تھے۔ قبرص والے نے صلح کی شرط یہ پیش کی کہ قبرص کے باشندے ہر سال ۷ ہزار دینار مسلمانوں کو ادا کرتے رہیں اور اس قدر رقم جو رومیوں کو سالانہ دیتے ہیں مسلمان اس میں مزاحمت نہ کریں گے۔ اگر یہاں کوئی بھی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کو اس کی مدافعت کرنا لازمی نہ ہوگا یہ ان کے صوابدید پر منحصر تھا۔ امیر معاویہ نے فوج کے دو حصے کئے تھے، پہلا حصہ شاتیہ اور دوسرا سرمائی اور گرمائی۔ ایک حصہ جاڑے کے موسم میں رہتا تو دوسرا گرمی کے موسم میں عبداللہ بن قیس ارثی امیر البحر تھے انھوں نے رومیوں کے ساتھ متواتر لڑائیاں کیں۔ لیکن کبھی ان کے بیڑے کا کوئی آدمی غرق نہیں ہوا۔ واضح رہے کہ یہ مسلمانوں کا پہلا موقع تھا وہ اپنے استقلال اور پہلی وقت کی آزمایش میں کامیاب رہے اور وہ بھی ایسی قوم سے جو بحری قوت میں اپنی نظیر آپ ہی تھی۔ اس وقت مسلمانوں کا فتحیاب ہونا بڑی ہی جوانمردی اور حوصلہ مندی کا کام تھا۔ یہ سب کوششیں امیر معاویہ کی تھیں جنھوں نے اپنی کوشش کو کبھی ناکام نہ ہونے دیا اور مسلمانوں کی ہمت کو بحری قوت میں لگا کر انھیں رومیوں کے ہم پلہ کھڑا کر دیا تھا، مصر میں اسکندریہ کے رومیوں کے ساتھ بعض قبطی سردار شامل ہو گئے۔ انھوں نے ہرقل سے خط و

کتابت کر کے امداد طلب کی اور اس نے ایک عظیم الشان بیڑہ روانہ کیا۔ اور اسکندریہ میں فوجیں اتار دیں۔ عمرو بن عاص والی مصر کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے پہنچ کر رومیوں کو سخت شکست دی اور اسکندریہ پر قبضہ کر کے اس کی فصیل کو توڑ دیا۔ ۲۵ھ میں عبد اللہ بن سعد آفریقہ کے سپہ سالار مقرر کئے جاتے ہیں۔ حضرت عثمان رضؓ نے کہا تھا کہ اگر تم نے رومیوں پر فتح پائی تو پانچواں حصہ مال غنیمت کا تمہیں دیا جائے گا۔ انھوں نے خلیفہ سے امداد طلب کی۔ بمشورہ صحابہ ۲۶ھ میں امداد روانہ کی گئی۔ جس میں عبادلہ اربعہ یعنی عبد اللہ بن عمر عبد اللہ بن زبیر عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن عباس شامل ہیں اور حضرت امام حسن رضؓ اور حضرت امام حسین رضؓ بھی تھے۔ جب برقہ سے آگے بڑھے تو قیصر کی طرف سے شہر یعقوبہ کا والی جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ میں آیا اور لڑائی ہونے لگی۔ عبد اللہ بن زبیر نے ابن سعد کو میدان میں نہ دیکھا تو دریافت کیا کہ کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ جرجیر نے اعلان کرا دیا ہے کہ جو شخص ابن سعد کا سر کاٹ لائے گا۔ اس کو ایک لاکھ دینار دوں گا اور اس کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دوں گا۔ اسی وجہ سے وہ فوج کے پیچھے ہیں۔ عبد اللہ بن زبیر نے کہا کہ ہماری طرف سے یہ اعلان کرا دو جو شخص جرجیر کو قتل کرے گا ہم اس کو ایک لاکھ دینار دیں گے اور اس کی بیٹی سے اس کی شادی کر دیں گے نیز یہ کہ اس کے بجائے اس کو یعقوبہ کا والی بنا دیں گے۔ چند روز تک معرکہ کارن پڑا لیکن مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ جرجیر کو عبد اللہ بن زبیر نے قتل کیا۔ اس کی بیٹی کی شادی انھیں کے ساتھ کر دی گئی۔ اس فتح میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا

عبداللہ بن سعد کو پانچواں حصہ دیا گیا۔ جو ایک لاکھ دینار تھا۔ پھر یہاں سے ابن سعد کے عہد میں قیصر نے چھ سو کشتیوں کا ایک جنگی بیڑہ لے کر مصر پر حملہ کیا، شام سے امیر معاویہ اپنی بحری فوج لے کر ابن سعد کی امداد کو پہنچ گئے۔ جب رومیوں سے سمندر میں مقابلہ ہوا تو اسلامی فوج نے اپنی کشتیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دیا اور سطح بحر پر میدان کی طرح جنگ کی۔ رومیوں نے سخت شکست کھائی۔ ان کی بہت سی کشتیاں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں، اسی طرح رومیوں کی فوج اور ان کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے افریقہ کے سواحل اور شام کے سواحل محفوظ ہو گئے۔ اور امیر معاویہ نے رومیوں پر قبل بڑھ دیا۔ یہ کوشش امیر معاویہ کی تھی جو مسلمانوں کو رومیوں کے مقابلہ میں کامیابی حاصل ہوئی واضح رہے کہ اس سے پہلے صرف مسلمان میدانی حد تک بہت کامیابی کے ساتھ جنگ کرتے رہے ہیں بلکہ یوں کہنا بیجا نہیں ہے کہ زمین اور آسمان کے درمیان مسلمانوں ہی کی فتح کے ڈنکے بج رہے تھے۔ آخر میں مسلمانوں نے اپنی کوشش یہاں تک کی کہ وہ برا اور بحر دونوں کے مالک ہو گئے اور ان کا کوئی ثانی نہ ہی سطحِ سمندر پر رہا اور نہ ہی میدان میں جب تک کہ مسلمانوں کو پوری طرح سے سمندر پر عروج حاصل نہیں ہوا تھا اس وقت تک رومی اپنے آپ میں پھولے نہ سماتے تھے۔ مسلمانوں کی بحری قوت نے انھیں یہ سبق پڑھا دیا۔ کہ ہر عروج کے بعد زوال کا ہونا ضروری ہے کیونکہ رومی اپنے آپ کو اس وقت بہت بڑا سمجھتے تھے اور انھیں یہ فخر حاصل تھا کہ

وہ کسی قوم سے شکست نہ کھائیں گے۔ لیکن مسلمانوں کی بحری قوت نے ان کی اس عظمت کو ملیا میٹ کر دیا اور اپنی حکومت کو قائم کر دیا۔ پھر کوئی ایسی رومی قوت سر اٹھانے نہیں پائی جو مسلمانوں کا مقابلہ کرتی حضرت عثمان کا یہ بڑا کارنامہ مانا جاتا ہے جس میں انھوں نے بحری قوت کے بڑھانے کی اجازت دی اور امیر معاویہ نے کامیابی میں چار چاند لگا دیئے۔

نوٹ۔ اس زمانہ میں مختلف اشخاص نے بعض خاص مقاصد اور اغراض کے تحت سازشیں کر دی تھیں۔ خفیہ طور پر مختلف صوبوں میں یہ سازشیں پھیلائی گئی تھیں۔ اس کے بعد بعض مفسد وفود کی شکل میں مدینہ منورہ پہنچے۔ ہر چند ان کی تفہیم کی گئی۔ لیکن یہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے خود حضرت علی مرتضیٰؓ نے بھی ان لوگوں کو سمجھایا۔ لیکن یہ اپنی فسادی تدابیر سے باز نہ آئے یہاں تک کہ باغیوں نے حضرت عثمان کو ان کے گھر میں محصور کر دیا۔ یہاں تک کہ پانی کو بھی روک دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان مفسدوں اور سرکشوں کو بار بار سمجھاتے تھے اور نصیحت کرتے تھے لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ محاصرہ ہی کی حالت میں عبداللہ بن عباس کو امیر الحاج مقرر کیا اور اپنی مفصل حالت لکھ کر ان کو دی کہ مکہ میں مسلمانوں کو سنا دیں، باغیوں نے جب یہ سوچا کہ محاصرہ کی خبر آنے تک اگر دیر ہوگئی تو مسلمان مدد کے لئے آن پہنچیں گے۔ اس لئے انھوں نے اپنے نزدیک یہ بہتر سمجھا کہ گھر کے دروازے کو آگ لگا دی جائے۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا اور اس کو گرا کر اندر گھس آئے بعض لوگ ابن حزم کے

جو خلیفہ کے پڑوسی تھے ان کے مکان سے ہو کر آئے۔ حضرت عثمانؓ نے جب یہ حالت دیکھی تو اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ کے بیٹے وغیرہ جو ان کی مدافعت کے لئے آگئے تھے اور جن کی تعداد اس قدر قلیل تھی کہ ان سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا، ان کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ تم لوگ میرے لئے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور خود اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرنے لگے حضرت عثمانؓ نے جو اہلِ مدینہ کو ان مفسدوں سے جنگ کی اجازت نہیں دی اس کی وجہ یہ تھی کہ ماہ ذی حجہ میں قرآن کی رو سے جنگ حرام ہے۔ جب پیشقدمی دوسرا کرے، مدافعت کی جا سکتی ہے۔ اس مدافعت میں دشمن کو پوری قوت کے ساتھ شکست بھی دی جا سکتی ہے۔ تو یہاں بلوائی اہلِ مدینہ کے ساتھ لڑنے نہیں آئے تھے۔ بلکہ خلیفہ کی ذاتِ واحد سے مفسدین کو پرخاش تھا۔

حضرت عثمانؓ کی وفادار بیوی جن کا نام نائلہ بنت الفرافصہ تھا روکنے کے لئے ان کے اوپر آ کر گر پڑیں۔ لیکن سودان کی تلوار سے ان کی نصف ہتھیلی مع انگلیوں کے کٹ گئی۔ پھر کسی تیسرے شخص نے خلیفہ کی گردن تن سے جدا کر دی اس کے بعد باغیوں نے گھر کا سارا مال و متاع لوٹ لیا اور مدینہ میں ان کے قتل کا اعلان کر دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ محاصرہ کی کل مدت ۴۲ روز تھی اور ۱۸۔ ذی الحجہ ۳۵ھ مطابق ۲۰ مئی ۶۵۶ء کو وہ قتل ہوئے۔ اس تاریخ سے امت میں فتنہ کا آغاز ہوا اور ایک مسلمان کی تلوار دوسرے مسلمان پر چلنے لگی۔

اس سے پہلے ہم بیان کر آئے ہیں کہ مختلف شہروں میں مفسدین کی تعداد صرف اس بات پر معترض تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں چند سیاسی غلطیاں کیں جو انھیں نہیں کرنا چاہیئے تھا جو حسب ذیل بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) مفسدین یہ کہتے ہیں کہ حکم بن العاص کو طائف سے تم نے کیوں واپس بلایا۔

(۲) کہتے ہیں کہ تم نے نوجوان شخص (عبداللہ بن عامر) کو والی کیوں مقرر کیا۔

(۳) یہ کہتے ہیں کہ چراگاہ کو مخصوص کر دیا۔

(۴) یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کئی کتابوں کا مجموعہ تھا تم نے صرف ایک کتاب رکھی۔

یہ وہ چیزیں تھیں جن کو باغیوں نے بہانہ گردان کر آپ کے قتل کے لئے آمادۂ پیکار ہو گئے تھے۔ حالانکہ یہ کوئی ایسی غلطی نہیں تھی جس کا جواب نہ دیا جاتا، چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ خود حضرت عثمانؓ کو جب اس کا علم ہوا تو انھوں نے فرداً فرداً تمام سوالات کے جوابات دیئے جس پر مہاجرین اور انصار نے بخوشی کہا کہ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

دفن عثمانؓ یہ کیا عجیب بات ہے کہ ان باغیوں نے پہلے تو قتل کر دیا اور بعد کو حضرت عثمانؓ کے دفن کی بھی اجازت نہیں دی۔ بڑی مشکل سے مخفی طور پر رات کو چند آدمیوں نے لے جا کر ان کو دفن کیا۔ حضرت جبیر ابن مطعم نے جنازہ کی نماز پڑھی۔

بیتِ عثمانؓ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ مکہ میں آنحضرتؐ کی بیٹی رقیہ کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا تھا۔ ان کے بطن سے ایک لڑکا

پیدا ہوا جن کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ پھر رقیہ کے بعد ان کی دوسری بہن کلثومؓ ان کے نکاح میں آئیں۔ تیسری بیوی فاختہ بنتِ غزوان تھیں ان سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ اصغر رکھا گیا۔ یہ بھی کمسنی میں گزر گئے۔ چوتھا نکاح ام عمرو بنت جندب کے ساتھ کیا۔ ان سے عمر، خالد، ابان اور مریم چار اولادیں ہوئیں۔ پانچواں نکاح فاطمہ مخزومیہ کے ساتھ ہوا، ان سے ولید، سعید اور ام سعید تین بچے ہوئے، اہلہ جن سے ساتواں نکاح عمل میں آیا تھا ان سے عائشہ ام ابان اور ام عمر تین بیٹیاں ہوئیں۔ آخری بیوی نائلہ بنت المفرافصہ تھیں ان سے ایک بیٹی مریم پیدا ہوئی۔

جس وقت قتل ہوئے اس وقت فاختہؓ۔ ام لبین، املہ، نائلہ، چار بیویاں تھیں۔

حضرت عثمانؓ ابتدا ہی سے حیا، حسن وسیرت اور دانائی میں مشہور اور قریش میں ہردلعزیز تھے۔ اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے جس نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ یہی تھے، پھر مدینہ کی بھی ہجرت کی۔ جیش عسرات کی امداد کے لئے ایک ہزار اونٹ، پچاس گھوڑے اور ایک ہزار دینار دیئے۔ بیر رومہ جو یہودیوں کا کنواں تھا اس کو بیس ہزار درہم پر خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ۲۶ھ میں کعبہ کے اردگرد کے مکانات خرید کر مسجد حرام کو بڑھایا اسی طرح ۲۹ھ میں مسجد نبوی میں اضافہ کیا اور چونے اور پتھر سے اس کی تعمیر کی۔ رمضان المبارک میں وہ اہلِ مدینہ کو کھانا کھلاتے تھے اور کوفہ میں بھی انھوں نے ضیافت خانے بنوائے تھے، خوش خلقی اور

عبادت۔ تقویٰ اور کرم میں نہایت ممتاز تھے اور عدل و انصاف و مساوات کے اسی قدر عاشق تھے جس قدر حضرت عمرؓ آخری زمانے میں۔ خلافت میں کبر سنی کی وجہ سے، اگر بنی امیہ اور خاص کر مروان بن حکم کی رائے میں نہ آئے ہوتے تو ان کا زمانہ عہدِ فاروقی سے کم نہ ہوتا۔ صحابہ میں کتاب اللہ کا حافظ ان سے بہتر کوئی نہ تھا۔ قرآن شریف سے کبھی ان کو سیری نہ ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ساری رات گزار دیتے تھے۔ جب اختلافِ قرات کا خوف ہوا تو امت کو ایک قرأت پر مجتمع کرنے کے لئے مصحفِ اعلیٰ کا ایک ایک نسخہ نقل کرا کے ہر ہر صوبہ میں بھیج دیا جن میں سے بعض اب تک محفوظ ہیں۔

وآخر الدعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۝